آخری بیگم

مصنفہ
مرزا رسوا بی اے ڈاکٹر آف فلاسفی اینڈ ڈی او ایس

ایک خوبصورت امیرزادی بڑی
دولت والی مگر نیک اور نیکبخت اکثر غریبوں کو
اپنی دولت سے بے منت نفع پہونچاتی ہے
جعلے دشمن درپے آزار ہیں بہت سے مصائب پیش آتے ہیں بڑی بڑی تہمتیں
لگائی جاتی ہیں بالآخر نیکی کی فتح ہوتی ہے وفادار عزیزوں اور دوستوں
کو نفع پہونچتا ہے بدمعاش ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں کچھ کسی کی بنائے نہیں
بنتی اختری آزادانہ زندگی عبادت الٰہی میں بسر کرتی ہے حسن و
عشق کے منظر بھی دکھائے گئے ہیں مگر بدی و بدکاری
کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ خالص لکھنوی روزمرہ ہے

حسب فرمائش
مہادیو پرشاد پبلشر تاجر کتب امین آباد لکھنؤ

باہتمام بابو لدارناتھ صاحب ہندوستانی پریس لکھنؤ میں بار اول دو ہزار کاپی چھپی

قیمت ... ۸/   ۱۹۲۴   رقیمہ جمیل

مصنفہ
مرزا رسوا صاحب بی اے
ڈاکٹر آف فلاسفی اینڈ ڈی او ایس
مہادیو پرشاد تاجر کتب لکھنؤ

تصنیفات مرزا رسوا صاحب بی اے

ڈاکٹر آف فلاسفی اینڈ ڈی او ایس

(خونی شہزادہ)

سائنس کے کرشمے حسن و عشق کے پرلطف مناظر رقابت کی چاشنی معشوق عاشق صفت کا کسی اور کو دل دینا اور پھر پشیمان ہونا عاشق حقیقی کا اضطراب در بدر مارے مارے پھرنا رقیب کی شاطرانہ چالیں آخر میں عاشق صادق کی کامیابی رقیب بوالہوس کی شکست نہایت پر اثر الفاظ میں تمام واقعات صفحہ ۲۲۸ قیمت عہ

(اُمراؤ جان ادا)

لکھنؤ کی ایک خواندہ طوائف کی سوانح عمری خود اسی کی زبانی نہایت صاف اور شیریں زبان ہو بہو فوٹو قیمت عہ صفحہ ۱۹۶-

(خونی عاشق)

میری کوریلی کے ناول کا ترجمہ۔ ایک فرانسیسی مہاجن کے اکلوتے فرزند کا عشق خاندانی رئیس کی تباہی ایک عالم لڑکی سے نسبت کا قرار پانا عاشق اور حسن معشوق کا راز و نیاز وغیرہ صفحہ ۳۲۴

(ذات شریف)

لکھنؤ کے جعلیوں کا اعمالنامہ ایک نوعمر نواب زادہ کا انکے دام تزویر میں گرفتار ہونا عشقبازی تلاش اور ان کی جعل سازی خوشامدیوں کا مجمع تین لاکھ روپیہ کا اسباب تھا اور اڑ جانا نا زوال دولت کے بعد جعلسازی کا لوٹنا قیمت عہ

(خونی جورو)

حسن و عشق کے کرشمے خوبصورت عورت کو دیکھکر اس کے فریب میں آنا صفحہ ۷۵ قیمت ۸؍

خونی مصور۔ عشق دوست دشمن کو نہیں دیکھتا گوری گوری صورت لمبے لمبے بالوں سے ہر جگہ دل اٹک جاتا ہے قیمت عہ

شریف زادہ۔ ضرورت کا جبر محنت سے اس کا مقابلہ غیرت ہمت کی خوشی استقلال کے ذریعہ سے ترقی الوقتی کرکے میدان میں قدم ٹہرانے ہوا رفتہ رفتہ منزل مقصود تک رسائی دنیا میں نیکی کا پھیلانا کر حاصل عمر قرار دینا۔ دنیا میں بہشت کے مزے اٹھانا۔ ہر لفظ دلنشین عبارت دلچسپ صفحہ [illegible] قیمت [illegible]

خونی خلیفہ۔ نہایت دلچسپ اور بہترین ناول ہو۔

باب ۱

نہ ہوگا یاد لیکن جب کبھی اچھے ستارے تھے
ہمیں تو اک تمہارے تھے تمہیں تو اک ہمارے تھے

جاڑے نے کہا دم نکل چکا ہے۔ مگر ابھی تک نہ بدن سے گرم روئی بھرے ہوئے دگلے اترے ہیں نہ کندھوں سے رضائیاں نہ چارپائیاں اندر کے دالانوں اور بند کمروں سے باہر نکلی ہیں، نہ فرشی پنکھے چھتوں سے لٹکائے گئے ہیں نہ ہاتھ کے پنکھے خریدے گئے ہیں، نوروز کے دن کا انتظار ہو رہا ہے ابھی پندرہ دن باقی ہیں۔ دن کو گرمی ہونے لگی ہے، آفتاب کی تمازت کسی قدر بڑھ گئی ہے مگر رات کو خصوصاً صبح ہوتے اچھی سردی ہوتی ہے۔ پت جھڑ کا موسم ہو چکا مگر ابھی تک درخت ٹنڈ منڈ کھڑے ہیں نئی کونپلیں پھوٹنے والی ہیں، ہوائی ابھی تک نہیں چلی۔ پپیہے کا شور، کوئل کی کوک ابھی تک کانوں میں نہیں پہنچی تیلی تیلی ککڑیاں پیچ پیچ لیلی کی انگلیاں اور مجنوں کی پسلیاں[؎]، بازاروں میں دو ایک میوہ فروشوں کی دوکانوں میں پانی سے بھیگی ہری ہری دکھائی دیتی ہیں مگر نوروز کے انتظار کرنے والوں نے ابھی نئی نہیں لیں، کورے کورے جھجھر کے گھڑے جھجریاں صراحیاں ابھی تک آبدار خانوں میں نہیں سجائی گئیں۔ کشمش بانا موقوف ہو گئی۔ دو ایک فالودے والے گلیوں میں کہیں کہیں دکھائی دیتے ہیں، مگر ابھی

؎ قدیم دہلی میں ککڑیوں کے بیچنے کی یہی صدا تھی ۱۲-

تک سردی باقی ہے اس لئے نگاہین شوق سے پانی مین تر بتر لال صافیون پر نہین پڑتین، مسلمان ہر نئے دن
دوپہر کو اور ہندو رات کو ملائی کی برف کے پکارنے والے اب کچھ زیادہ بڑھ گئے ہین - کل کی برف بیچنے
والون کی آواز ابھی نہین سنائی دی ہے -

اس موسم مین معالی خان کی سرائے کے قریب میان الماس کے امام باڑے کے پچھواڑے، ایک
وسیع پختہ سہ منزلہ مکان کا دروازہ شاندار مگر بہت قدیم جسکی برنجی کیلون پر چمک کا نام نہین ہے احاطہ
کی دیوارین جابجا سے شکستہ مرمت طلب، استرکاری تو مدت سے اُڑ گئی، اب لکھوری اینٹین جو جوڑ
سے جوڑ ملا کے لگائی گئی تھین اُن پہ جابجا لونی لگی ہوئی ہے کہین کہین دو چار اینٹین بھی ٹوٹ ٹوٹ
کر نکل گئی ہین - اسی پھاٹک کے پاس گلی مین ایک دربان مونڈھے پہ بیٹھا اونگھ رہا ہے - مداریہ حقہ منہ
سے لگا ہے چلم مین آگ کی چنگاری شاید راکھ کے کریدنے سے نکل آئے تو نکل آئے مگر حقّے کے کش سے
دھوان نہین نکلتا - پھاٹک کے اندر جانے والے کو دونون طرف دو کمرون کے دروازے دکھائی دینگے
اس کے بعد زنانی ڈیوڑھی کا دروازہ ہے، ٹاٹ کا پردہ پڑا ہے - بہت پرانا جابجا سے پھٹا ہوا ہے یہی
پردہ اندرونی شان و شوکت کے مٹے ہوئے آثار کا پردہ پوش ہے - باہر کے کمرون مین ایک مردانہ نشست
کا مقام ہے، فرش فروش سے کسی حد تک آراستہ ہے - سفید چاندنی کا فرش ہے، اس کمرہ کے تین دروازے
باہر گلی کی طرف کھلتے ہین مگر اسوقت بند ہین، مقابل کے کمرے مین جو ڈیوڑھی کے دوسری جانب ہے
نوکرون کا قبضہ ہے - تین چار پائیان بچھی ہین بان کے پلنگ بہت دنون کے بنے ہوئے ہین، بان
لٹک رہے ہین، ایک پلنگ میان مدار بخش کا ہے جن کو دروازہ کے پاس مداریہ حقہ منہ سے لگا اونگھتے
ہوئے ہم ابھی دیکھ چکے ہین - شاید اسوقت چونکے ہین - کسنے چونکایا ہے ایک ادھیڑ سی کالی لمبی سی
کسی قدر موٹی بھری اودی چھینٹ کا میلا گھیر دار لہنگا لال شالی پاٹ کی گوٹ بہت چوڑی آدھے
لہنگے سے کچھ ہی کم ہوگی - لال ٹول کا نیفہ مین سکھ کی کرتی بادامی رنگی ہوئی تن زیب کا زرد رنگا دوپٹہ
جو پچھلے بسنت کی خبر دیتا ہے مگر بہت ملگجا - مدار بخش سے دو دو باتین ہوتی ہین، معمولی پرسش کے بعد اندر
جانے کی اجازت ملتی ہے - گویا اسی کے ساتھ ساتھ اس قصہ کا راوی بھی اندر جاتا ہے، زنانخانہ بہت
وسیع صحن کے سامنے دالان پیش دالان طرفین مین صحنچیان، صحن کے دونون طرف دو دو کمرے ڈیوڑھی
کے قریب ایک کمرہ جسمین اسوقت بھی دھوان ہے یہی باورچیخانہ ہے - آگے کے دالان مین تختون کے چوکے
پہ فرش قرینہ سے بچھا ہوا ہے - اسوقت خورشید مرزا صاحب دونون صاحبزادیون کے ساتھ خاصہ نوش
فرما رہے ہین، بڑی صاحبزادی جعفری بیگم ماں کے مرنے کے بعد جسکو قریب دو برس گذر چکے ہین زنانخانہ کی

مہتمم اور مالک ہیں، گورا رنگ لمبا قد سن تو کچھ ایسا نہیں ہے صرف سولہ[۱۶] برس مگر اچھی خاصی بیس پچیس[۲۵] برس
عورت معلوم ہوتی ہیں نہ خوبصورت نہ بدصورت نہ سر جھاڑ منہ پہاڑ نہ بہت بنی سنوری، سادہ سادہ
لباس ہلکا ہلکا گہنا، اسوقت دسترخوان پر پکانے والی حاضر ہے، ایک اور ماما نوجوان باورچی خانے سے
گرم گرم چپاتیاں لاتی جاتی ہے۔ پکانے والی سالن دال خشکا، چٹنی، اچار، مربہ، ملائی رہی جعفری
بیگم صاحبہ کے حسب الحکم حاضر کرتی جاتی ہے کیونکہ گھر کی منتظم سمجھو مالک سمجھو یہی صاحبزادی ہیں۔ چھوٹی
صاحبزادی نادری بیگم کوئی چودہ ۱۴ برس کا سن و سال جتنا خوبصورتوں میں شمار ہے کسی قدر بنی سنوری
مگر شریفانہ سیدھی مانگ چوٹی گندھی ڈھیلی ڈھیلی کرتی نیچا دوپٹہ پائجامہ کے پائنچے نہ بہت بڑے نہ بہت
چھوٹے، اس سن و سال صورت شکل پر بہت دبی دبائی شرمائی ہوئی باپ کا پہلو دبائے بیٹھی ہیں خورشید
مرزا بہت خوش نہیں نظر آتے، یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ ابھی کسی پر خفا ہو چکے ہیں، تیوریاں چڑھی ہیں
لیکن انداز سے کچھ خوش مزاج بھی نہیں معلوم ہوتے کچھ اس طرح سے بیٹھے ہیں جیسے کوئی فکرمند ہو
اس صورت سے کہ کسی کو مشکل سے بات کرنے کی جرأت ہوسکتی ہے۔ اگرچہ طینت کے بہت نیک مزاج
صورت اگر اسوقت فکرمند نہ ہوتے تو خواہ مخواہ ان سے دو دو باتیں کرنے کو جی چاہتا مگر اب جرأت
نہیں پڑتی۔ اسوقت پر موقوف نہیں اکثر یہی حالت رہتی ہے۔ اگرچہ لڑکیوں پر کبھی خفگی ظاہر نہیں
کی، نوکروں پر کبھی برہم نہیں ہوئے۔ بیٹیاں باپ کو بہت چاہتی ہیں، مگر کبھی خوش مزاج نہیں پاتیں
کہ دلوں کی خواہشیں زبان پر لائیں یا کچھ خاص فرمائشیں کرسکیں، باواجان کو کبھی ہنستے کیا مسکراتے
بھی نہیں دیکھا۔ شاید اماں جان کے مرنے کا غم ہے۔ مگر ان کے جیتے جی بھی یہی حال تھا، کچھ طبیعت
کا انداز ہی ایسا ہے اماں جان سے بھی جیسا اخلاص چاہئے ویسا نہ تھا ہم کیا جانیں سب کہتے
ہیں، جب سے شادی ہوئی کسی نے میاں بیویوں کو آپس میں بہت خوش خرم ہنستے بولتے نہیں دیکھا
ہاں ایک بات ضرور ہے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی، روپیہ پیسہ گہنا پاتا کپڑا لتہ، کھانا پینا گھی تیل
نون، غلہ ترکاری، ہر چیز افراط سے، فصل پر گنوں کی گھانڈیاں، پنسیریوں خربوزے، ٹوکرے
کے ٹوکرے آموں کے کبھی کسی چیز کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی، ہر چیز اپنے وقت سے
موجود کبھی خرچ کا حساب نہیں لیا، آج خرچ دیا یا آج یا کبھی آیا اگر مہینہ کے خرچ کا آٹھ دن میں
صرف ہوگیا تو اس خدا کے بندے نے یہ نہیں کہا کہ ابھی سے کیوں خرچ ہوگیا، اماں جان نے جسکو چاہا
دے دیا، لٹا دیا، پھینک دیا، باواجان نے کبھی نہیں پوچھا کہ کیا کیا۔ اے لو جب سے خدا بہشت
نصیب کرے وہ مرگئیں ہم دونوں کے ساتھ وہی حال ہے بلکہ اماں جان کے وقت سے زیادہ اللے تللے کرتی

ہین - خدا باوا جان کو جیتا رکھے جیسا ہم کھاتے پیتے ہین اوڑھتے پہنتے اوٹھاتے لٹاتے ہین شاید ہمارے بھرے کنبہ مین تو کسی کی بیٹیان تو کیا بیٹون کو نصیب نہین، ہان ایک بات ہے کہ باوا جان کو کبھی ہم نے خوش مزاج نہین دیکھا، خدا جانے کیا غم ہے کیا فکر سوار ہے - اچھا پھر اسے کیا کرین ایک شخص کا مزاج ہی ایسا ہے - جب بیاہتا بیوی کے ساتھ یہی حال تھا تو ہم تو بیٹیان ہین کیون زیادہ چھو پوچھ کرین، کیون زیادہ منہ لگائین، یہ خیالات لڑکیون کے دلون مین تھی، خورشید مرزا کے دل کا حال خدا ہی جانے -

ابھی دستر خوان ہی پر ہین، باہر سے آنے والی مہری نے ادب سے تین تسلیمین کین ایک سربند لفافہ مرزا صاحب کے ہاتھ مین دیا پھر تین تسلیمین کر کے رخصت ہوگئی - یہ ہم کیا لکھتے کہ لوکرون چاکرون ماما اصیلون نے اس مہری کی کیا آدبھگت کی معمولی باتین تھین -

ماماٸین - لے بوا تم کون ہو، کہان سے آئے ہو، اچھا لے لو ٹکڑا پان تو کھاتی جاؤ، مہری جیکی آئی اور جس کام کے لئے آئی تھی وہ کام کیا یعنے خط نواب صاحب کو دیا اور چلتی ہوئی، نہ کسی بات کا جواب دیا نہ ٹکڑا پان کھایا - دروازے سے باہر نکل کے اپنی ڈبیا کھولی ہرے ہرے پانون کی ایک گلوری بہت سا تمباکو پڑا ہوا، کلے مین دبائی، میان مدار بخش دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے، اس انتظار مین کہ شاید مجھے بھی ایک پان دے کچھ اپنا نشان دے، یہ خدا کی بندی لمبے لمبے ڈگ بھرتی چند لمحون مین گلی کے نکڑ تک پہونچگئی، مدار بخش حقہ بھرنے لگے، نواب خورشید مرزا نے لفافہ اپنے نام کا دیکھ کے اور لفافہ پر عورتون کے خط کا خاص نشان "اسم بر خاتمہ" پڑھ کے لفافہ کو جیب مین رکھ لیا، مہری تو کب کی جا چکی تھی، اب اس گھر کی رہنے والیان دونون صاحبزادیان ماماٸین اصیلین اس اجنبی مہری اور اس سربند لفافہ کا بھید کیا سمجھین، نواب صاحب سے پوچھے تو کون سکتا تھا ہان سب غور سے نواب صاحب کا منہ دیکھ رہی تھے وہ بھی نظرین بچا بچا کے، لفافہ کو دیکھ کے پہلے تو نواب صاحب کے چہرے پر حیرت کے سے آثار پائے گئے، پہلے چند لمحہ تک جو سب کا حال تھا یہ کس کا خط ہے؟ یہی نواب صاحب کے چہرے سے پایا جاتا تھا شاید بے ساختہ زبان سے بھی یہ فقرہ نکل گیا ہو کس کا خط ہے؟ پھر چند لمحہ تک حافظہ کا دفتر اولٹا پلٹا گیا، دماغی دفتر کا معائنہ چند ہی لمحہ کا کام تھا، نہ دماغ کے اندر الماریان ہین نہ صندوق نہ مسلین مرتب ہین نہ بستے بند ہے رکھے ہین اور پھر گویا سب کچھ ہے کہ لفافہ پر نظر پڑتے ہی چالیس اور دو بیالیس برس کے حالات پر خیال دوڑ گیا - اس خط کا سلسلہ کہان سے ہے؟ -

اہاہ! وہ جس سال لکھنؤ مین سیلاب آیا تھا اُس کے ایک برس کے بعد، حضرت عباسؑ کی درگاہ، وزیر باغ! شاید وہ تو نہ ہو وہی ہے! ہان وہی ہے! تو پھر اب کیا؟ وہ دفتر ہی اُلٹ گیا اوہ! پچیس برس کے بعد اس دل کے ناسور کو پھر چھیڑ دیا

نواب صاحب کے چہرے کی رنگتین بدلین کبھی تیوریان چڑھین کبھی اُترین اور یہ سب بہت جلد جلد لڑکیون کا خیال ہے کہ جب باواجان دسترخوان سے اُٹھے ہین تو آنکھون مین آنسوون کی بوندین جھلکتی نظر آتی تھین آخر جلدی جلدی ہاتھ منہ دھوکے باہر دیوان خانہ کی طرف چلے گئے، روزانہ یہ معمول تھا کہ ڈوپان نوش فرماکے حقّہ سُلگاکے ڈوایک کش پیکے باہر جاتے تھے، آج (خط کے پڑھنے کی) جلدی مین یہ کچھ نہین ہوا۔ باہر تشریف لے گئے حسینی خانم جب خاصدان اور حقّہ لے کے دیوان خانہ مین گئی ہے تو وہی خط نواب صاحب کے ہاتھ مین تھا اور رومال آنکھون پر۔

حسینی خانم۔ یہ مین نہین کہہ سکتی کہ زار و قطار رو رہی ہین۔ مین نے آنسو ٹپکتے نہین دیکھے یہ بھی مین نہین کہہ سکتی کہ خالی منہ پوچھا یا آنسو پونچھے۔ مگر جب سے کچھ گھبرائے ہوئے اُداس اُداس ہین گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہین مگر بے چین، اس مہری اور اس خط کے آنے سے اس گھر کی سب رہنے والیون کو حیرت سی تھی، خصوصًا دونون صاحبزادیون کے دلون کی تشویش اور بے چینی بے سبب نہ تھی، جس طرح کسی بڑی سلطنت مین کسی سخت انقلاب سے اضطراب پیدا ہوتا ہے وہ اس چھوٹی سی گھریلو جمہوریت کا حال تھا۔ ایک طلاطم تھا جس کے آثار دلون مین زیادہ اور زبانون پر کم تھے۔ ہان چپکے چپکے کچھ باتین ہوتی تھین۔ خیال تھا کہ مدار بخش سے کچھ پتہ چلے گا حسینی خانم پوچھنے گئین، مدار بخش کو کچھ ایسی فکر نہ تھی خشک چاء اور دینے کبھی کبھی دو چپاتیان دال سالن اندر سے آگیا، اس کے سوا نہ زیادہ طلب تھی اور نہ زیادہ کی اُمید رکھ سکتے تھے جس راجہ یا رانی کا راج ہو ان کی حالت وہی رہے گی، اگر نواب صاحب نے کسی دوست کی خاطر سے باہر چائے پی تو ایک پیالی بچی بچائی میان مدار بخش کو بھی مل گئی، یہ خود اپنی چائے حسین علی اور دو ایک افیونیون کے ساجھے مین روز بناکے پیتے تھے، اب اسی کا سامان کر رہے تھے، مدار بخش کو اس مہری کے معاملہ سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، مہری سے یہ سوال انھون نے بھی کئے تھے کون ہو؟ کہان سے آئی ہو، بمشکل اتنا پتہ لگا تھا کہ نئے گاؤن سے بیگم صاحبہ نے بھیجا ہے، کون بیگم صاحبہ؟ کیسی بیگم صاحبہ؟ یہ کچھ معلوم نہ تھا، مگر لڑکیون کی تشویش کے حد سے زیادہ بڑھا دینے کو بھی کافی تھا۔

صاحبزادیان۔ امان کو مرے تین برس ہوگئے، باواجان کا جو حال ہے وہ ظاہر ہے کبھی خوش نہین رہتے ابھی بوڑھے نہین ادھیڑ ہین، عزیز دوست احباب دوسری شادی خانہ آبادی (لڑکیون کے خیال سے خانہ بربادی) کی صلاح دیتے ہین۔ لڑکیون کو سوتیلی مان سے جو اندیشے ہوتے ہین وہ بیجا نہین اپنی سگی مان کی جگہ جو ابتک قبر مین ہین دوسری عورت کو اپنے باپ کے پہلو مین دیکھنا موت ہے، نواب صاحب روئے ہون یا نہ روئے ہون مگر دونون صاحبزادیان خصوصًا بڑی صاحب جب سے یہ کم بخت مہری آئی ہے کئی بار

رو چکی ہین - ایک تو سوتیلی مان کا رونا ، دوسرے اس کا رونا کہ اب جو آزادی ہے وہ پھر کہان ، اب روپیہ پیسہ خرچ سب ہمارے ہاتھ مین ہے جس طرح جی چاہتا ہے صرف کرتے ہین جو چاہتے ہین کھاتے پکاتے ہین پھر تو وہی نانی بوڑی تاپا شوربہ - نوکرون کو یہ خوف تھا کہ بڑی صاحبزادی لاکھ ہشیار ہین پھر بھی سامنے کا بچہ ہین کبھی گھر کیا نہین ہم کو اچھی طرح چرانے کا موقعہ ملتا ہے - نئی بیگم صاحب گھر کی مالک بن کے بیٹھین گی ایک ایک چیز کی تول ناپ ہوگی ، ذرا ذرا سی بات پر روک ٹوک ہوگی ، خلاصہ یہ کہ بڑی مشکل کا سامنا ہے -

عورتین ذرا سی بات سے بڑے بڑے نتیجون تک بہت جلد پہونچ جاتی ہین اور جن نتیجون تک پہونچتی ہین اُن کو یقینی مان لیتی ہین اور اُسی کے موافق خیالات کے سلسلے بدلجاتے ہین ، ان سب کے خیال مین گویا نواب صاحب کا نکاح ہو ہی گیا - بیگم صاحبہ گھر مین داخل ہو گئین اور اسوقت گویا خاص کرے مین موجود ہین جہان ہماری بیوی خدا جنت نصیب کرے رہا کرتی تھین - مرنے والی کیا نیک بیوی تھی کبھی ہم کو آدھی بات نہین کہی ، ایسی بیوی تو ہونا مشکل ہے کیون تو آسینی لولو ، تو آسینی آنکھون مین آنسو بھرے ہوئے ، ایسی مالک چراغ لے کے ڈھونڈھین گے تو نہ ملے گی ، اور تو اور دیکھئے ان صاحبزادیون کا کیا بُرا دہاڑا ہوگا - کہین پھول بھی تو نہین کھلتے ایسے ہی اپنے اپنے گھرون کی ہو جاتین تو اچھا ہوتا - میرا کہنا مانین تو ابھی نواب صاحب ایسا ارادہ نہ کرین ، لڑکیون کی شادیان ہو جائین پھر اختیار ہے -

محل مین تو یہ کھچڑیان پک رہی ہین اور نواب صاحب خط کو پڑھ رہے ہین - اب ہم ناظرین کو وہ خط سناتے ہین جسنے اس گھر مین یہ طوفان برپا کر دیا ہے ، القاب آداب کچھ نہین اس طرح شروع ہوتا ہے -

خورشید مرزا ، امید تو ہے کہ تم مجھے بھولے نہ ہوگے اور شاید کچھ میرا حال بھی تم کو معلوم ہو - مین پچیس برس کے بعد کوئی دو ہفتہ ہوئے لکھنؤ مین آئی ہون ، بظاہر علاج کو آئی ہون ، علاج کیسا مرنے آئی ہون ایک ہی باپ کی بچی ہے اور مین ہون - لکھنؤ مین میرا کون بیٹھا ہے عزیز سمجھو جو سمجھ بھتین ہو - تمھارا حال بھی سن چکی ہون ، تین برس ہوئے تمھاری بیوی دو لڑکیان چھوڑ کے مر گئین -

میرا اچھا ہونا مشکل ہے دیکھئے میری بچی کا کیا حال ہوتا ہے چارون طرف آنکھین پھاڑ پھاڑ کے دیکھتی ہون مگر کوئی اپنا نہین دکھائی دیتا یون تو خدا رکھے لکھنؤ مین بہت سے عزیز ہین مگر جیسے ہین خوب ہین تم خوب جانتے ہو ، مین نے کسی کو اپنے آنے کی خبر نہین کی اور نہ تم خبر کرنا - مجھے تم سے چند خاص باتین کہنا ہین کسی وقت آج ہی کل مین چلے آؤ - یہان نئے گاؤن مین میان فیضو کا مکان مشہور ہے - یہین اُتری ہون -

"راقمہ خورشید بیگم"

یہ خورشید بیگم کون ہین ؟ خورشید بیگم کے والد سلطان مرزا اور خورشید مرزا کی والدہ کلثوم بیگم خالہ زاد

بھائی بہن تھے، رشتہ اگر قریب کا نہ تھا تو کچھ بہت دور کا بھی نہ تھا۔ حصہ بجز آمد رفت شادی بیاہ کی کثرت میل جول بھائی داری قریب کے عزیزوں سے بڑھی ہوئی تھی، خورشید بیگم یہ نام تو خورشید مرزا کو مشکل ہی یاد آیا اور اگر اپنا ہی سا نام نہ ہوتا تو شاید یاد بھی نہ آتا اِن کو تو چھٹن یاد تھا اور خورشید بیگم نے بھی بمشکل خورشید مرزا یاد رکھا بچپنے میں سب چھٹن چھٹن کہتے تھے کیونکہ یہ اپنے ماں باپ کی اولاد میں جن میں ایک کوئی باقی نہ تھا سب سے چھوٹے تھے اِس مناسبت سے اور اتفاقاً بھی لڑکپن میں یہی نام پڑ گیا تھا، بے تکلف دوست اسی نام سے اب تک پکارتے تھے، قرابت کے سوا ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ دونوں ساتھ کے کھیلے ہوئے بھی تھے، کسی زمانہ میں شادی بھی انہیں سے ٹھہری تھی اور بعض ناشدنی اتفاقات مانع ہوئے، خورشید بیگم کے والد سلطان مرزا بہت بڑی جائداد کئی لاکھ کے پرامیسری نوٹ چھوڑ کے دفعتہً انتقال کر گئے۔ کلثوم بیگم خورشید مرزا کی والدہ اور خورشید بیگم کی والدہ میں دلی رنجش تھی ایک دوسرے سے صاف نہ تھا صرف ظاہری میل جول تھا، محض سلطان مرزا مرحوم کی زور زوری اُن کی زندگی میں ماہ لقا بیگم والدہ خورشید بیگم کا بس نہیں چلتا تھا اگر وہ زندہ رہتے تو یہ شادی ضرور ہو جاتی۔ نکاح ہونے ہی کو تھا کہ دفعتہً سلطان مرزا مر گئے، اب کوئی صورت اس عقد کی باقی نہ رہی، کلثوم بیگم نے بہت منت کی کیونکہ اُن کو معلوم تھا کہ چھٹن چھٹن میں کچھ ایسی محبت ہے کہ اگر یہ نسبت چھوٹ گئی تو چھٹن (خورشید مرزا) کی جان پر بن جائے تو کوئی عجب نہیں۔ ان کے بھی باپ مر چکے تھے، کلثوم بیگم کا بھی یہی ایک اکلوتا بیٹا تھا، مگر ماہ لقا کچھ ایسی کٹر دل کی عورت تھی کہ اُسنے کسی طرح منظور نہ کیا مگر جیسا کیا ویسا پایا، لڑکی کی شادی کی مگر کس سے۔ کلکتہ میں کوئی نواب دولہ تھے اُن کا ایک لڑکا تھا بیاہتا بیوی کے پیٹ سے نہ تھا، علی جان نام تھا صورت بھی بہت اچھی نہ تھی، سانولی رنگت میانہ قد ہاں جامہ زیبی اور نمک ضرور تھا، پھر آخر شریف کا لڑکا تھا آپنا بھی نہ ہوتا۔ مزاج میں ذرا عیش پسندی اور بہت فضول خرچی تھی، بہت بڑی جائداد کا مالک ہوتا مگر نواب دولہ کے مرنے کے بعد علی جان کی ماں کا نکاح ثابت نہ ہوا کلکتہ ہائی کورٹ نے دولہ کے وارثوں کو ڈگری دیدی، مگر خورشید بیگم کی تقدیر بلکہ اختری کی تقدیر سے مقدمہ پریوی کونسل سے سرسبز ہوا ادہر ایک لاٹری ۵ لاکھ کی علی جان کے نام نکلی ۵ لاکھ نقد۔ یہ دونوں تار ابھی آنے والے ہی تھے کہ علی جان کو دفعتہً سخت ہیضہ ہوا اور چند گھنٹہ میں خاتمہ ہو گیا، یہ وہی زمانہ تھا، جب یہ لوگ کلکتہ میں تھی، یہاں خورشید مرزا کی بیوی نے انتقال کیا۔ اگر اس زمانہ میں یہ دونوں عاشق معشوقہ ایک شہر میں ہوتے تو شاید زندگیوں کی حالت بدلجاتی۔

خورشید مرزا کو اس نسبت کے چھوٹنے کا ایسا صدمہ تھا کہ شاید شادی نہ ہوتی مگر کلثوم بیگم خورشید مرزا

کی ماں جن کو خود اس نسبت کے چھوٹ جانے سے بڑا رنج ہوا تھا لیکن اپنے نزدیک بڑی دانائی کی جھٹ پٹ ایک شریف خاندان میں بیٹے کی نسبت ٹھہرا کے عقد کر دیا، فرمان بردار بیٹے پر کچھ دباؤ ڈالا کہ انکار نہ ہو سکا شادی کرتے ہی بنی، خدا نے تین ہی برس کے عرصہ میں ۲ دو بیٹیاں بھی دیدیں خیال تھا کہ بال بچوں میں خانہ داری کے دھندون میں پڑ کے خورشید مرزا کا دل بہل جائے گا۔ مگر یہ خیال غلط نکلا بچپن کی منگیتر کے چھوٹ جانے سے اور دوسری جگہ منگیتر جو ساتھ کی کھیلی ہوئی بھی تھی اُس کی شادی ہو جانے سے ایسا زخم کاری لگا کہ مدتوں ہرا رہا اور رفتہ رفتہ اُس زخم کا ناسور ہو گیا، یہی وجہ تھی کہ باوصف مقدور نیک بیوی دو پیاری پیاری بچیوں سے بھی کچھ تلافی مافات نہ ہوئی، اب پچیس ۲۵ برس کے بعد وہ ناسور پھر چھڑ گیا۔

باب ۲

دیکھیے آج کیسی بنتی ہے
بعد مدت کے سامنا ہوگا

خورشید مرزا کے دل پر جو کچھ گذر رہی تھی اُسکو ہم نہ کسی زبان سے بیان کر سکتے نہ قلم سے لکھ سکتے ہیں، دل بار بار کہتا تھا پچیس برس کے بعد کچھن نے بلا بھیجا ہے، وہ پہلے پہل دل کا آنا وہ اُسوقت اور اُس سن کی ولی اُمنگیں وہ آپس کے کھیل کود وہ بات بات پر کچھن کا بگڑ جانا اور پھر من جانا وہ پیاری پیاری صورت وہ سن وسال وہ نظریں بچا کے ایک دوسرے کو دیکھنا وہ اُمیدیں وہ کامیابی کی پوری اُمید وہ دفعتہً ناکامی وہ رقیب کا دفعتہً پیدا ہو جانا وہ دشمن کی کامیابی وہ اپنی بےبسی وہ دُلہن جو اپنی ہونے والی تھی دوسرے کی ہو جانا اُس کا خوشی خوشی لے کے چل دینا اور اپنا دیکھتے رہجانا یہ ایسے چرکے نہ تھے جو خون کے آنسو نہ رُلواتے۔ کیسے شعلے دل سے نکلے ہوں گے، مگر اب اسکو پچیس ۲۵ سال ہو چکے تھے ساڑھے نو بجے قبل نصف النہار یہ رقعہ ملا تھا۔ اب ساڑھے تین بجے بعد نصف النہار پورے چھ گھنٹے دیوان خانہ کی کلاک میں تین کے بعد ادھا بجا ہے۔ پورے چھ گھنٹے خورشید مرزا کے دماغ کے دفتر اُلٹ پلٹ ہو رہے تھے عشق امید وصال اپنی ناکامی رقیب کی کامیابی آہ! ناکامی اور کیسی ناکامی، کامیابی اور کیسی کامیابی

زندگی بھر کے لئے یاس کا سامنا، یہ خیالات اب سے پچیس برس اُدہر کے تھے اسوقت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی کا واقعہ ہے، ابھی کل کا ذکر ہے علی جان بچاری ماںجھے کا جوڑا پہن کے کیسا اترا تا پھرتا تھا اس سے بڑھ کے کیا بدنصیبی ہوگی، ہمنے خود آنکھوں سے دیکھا اب کیا کہیں کن آنکھوں سے دیکھا لہو کے سے گھونٹ پی کے رہ گئے۔ وہ برات کا دن کبھی نہ بھولے گا کم بخت (میرے جلانے کو) میرے گھر کے قریب سے برات لے کے گیا (نہین نہین علی جان مجھکو کیا جلانے یہ خبط ہے) محض اتفاق سو ر اتفاق پھرا اُدہر ہی برات گئی، جہیز مین کیا کچھ نہ تھا، دیگین مٹکے اور تانبے کے برتن جستی کے برتن صندوق ٹپالنے گنگا جمنی پلنگ دار ابیش گیر، سبز گھوڑا کیسا سجا سجایا۔ اسی گھوڑے پر سوار ہوکے علی جان شہر مین سیر کرتا تھا۔ یہ کیا خیالات ہین دیوانگی، گذری باتین خواب کی باتین، علی جان کو مرے ہوئے مدت ہوگئی۔ کچھن نے اپنی بیماری کا حال لکھا ہے کچھ مفصل نہین لکھا، کہین وہ خاندانی مرض نہ ہو لے ہو خدا نہ کرے! خدا جانے اب کیسی صورت ہوگی۔ اپنی صورت تو ایسی بدلی کہ جوانی کی تصویر سے اب زمین آسمان کا فرق ہے۔ غم نے گھلا دیا، غم اور کیسا غم خدا دشمن کو یہ غم نہ دے، کیا نامراد زندگی بسر کی۔

خورشید مرزا اسی طرح اپنے خیالات مین غرق ہین کہ راستہ مین یہ بھی یاد نہین کب گھر سے نکلے تھے اِلو حسین علی پیچھے چلا آتا ہے۔ وہان لے جانا مناسب نہین۔ حسین علی گھر کا خفیہ ٹلیس ہے۔ میرا ارادہ تو عقد ثانی کا نہین ہے مگر لڑکیون کو گھر کی ماما اصیلون تک کو عجب طرح کی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے ایک ایک بات باہر کے نوکرون سے پچھوائی جاتی ہے۔ یہ کم بخت بھی روٹیون کی لالچ سے ملے ہوئے ہین ہر بات کی گھر مین خبر پہونچاتے ہین، کئی نوکر چھڑا دیے مگر جو آتا ہے ایسا ہی ہو جاتا ہے کوئی بس نہین۔ آج صبح کو درزی کا آنا غضب ہوا اور پھر میرا جانا اوسی دن خدا جانے کیا خیال ہوگا۔ پیچھے مڑ کے دیکھا حسین علی کو رخصت کر دیا۔

خورشید مرزا۔ حسین علی۔

حسین علی۔ حضور۔

خورشید مرزا۔ درزی سے کپڑون کا تقاضہ کرو نوروز قریب آگیا درزی نے ابھی تک گرمی کے کپڑے نہین تیار کئے، میرے ساتھ جانا کچھ ضرور نہین مین تھوڑی دیر مین رات سے پہلے آجاؤن گا۔

حسین علی سمجھ تو گیا، مگر مجال کیا تھی جو کچھ عذر کرتا، بہت خوب کہہ کے رخصت ہوگیا اور درزی سے دو جوڑے تیار تھے لے کے گھر پہونچا۔ کپڑے گھر مین پہونچے اور راستہ سے رخصتی کی خبر بھی اب تو گھر بھر کو یقین ہوگیا، کہین ایسی جگہ گئے ہین جس کی رازداری حد سے زیادہ ہے کسی دوست کے گھر جاتے تو نوکر کو

راستہ سے کیون پھیر دیتے۔

جعفری :۔ دیکھئے خدا کیا دکھاتا ہے، خدا غارت کرے جو باواجان کو ہماری بربادی کی صلاح دے۔

نادری :۔ کے مزاج مین شوخی تھی بڑی بہن کو بکتے جھکتے دیکھ کے، تو کیا ہوگا دوسری امّان جان آجائین گی۔

جعفری :۔ بہت خفا ہو کے۔ تیرے منہ مین خاک، خدا مجھے اُس دن کو موت دے، تجھے تو کیا کوسون۔

نادری :۔ باجی تو پھر کیا کرو گی، ابا جان کی خوشی۔ یہی یہ تو نہین کہہ سکتی کہ دل کو صدمہ نہ ہوگا مگر کیا مجال زبان سے کچھ کہون یا چہرہ پر بل آئے۔

جعفری :۔ ہان تم تو یہ چاہتی ہی تھین۔ مین تو اس گھر مین نہ رہون گی، کچھ کھا کے سو رہون گی۔

نادری۔ ہا! باجی حرام موت! جو خدا دکھائے ہم کوئی باواجان پہ حاکم ہین۔

یہ آپس کی تکرار نوکرون تک بھی پہونچ گئی تھی، اسی وقت سے دو فرقہ ہوگئے ایک نادری کیساتھ ہوگیا دوسرا جعفری کا ہم خیال تھا۔

خورشید مرزا انھین خیالات مین غرق ہین چلے جاتے ہین، راستہ مین اکثر احباب سے ملاقات ہوئی صاحب سلامت ہوئی مزاج پرسی ہوئی مگر یہ سب ناخواستہ و بے ساختہ اگر کسی نے اپنی رو مین خیال نہ کیا ہو تو اور بات ہے مگر جس نے غور سے دیکھا ہوگا صاف سمجھ گیا ہوگا کہ یہ خورشید مرزا وہ نہین ہین جن سے اور بھی اکثر ملاقات ہوا کی ہے۔ مگر کسی کو کیا غرض جو کچھ حال پوچھے اور پوچھے بھی تو کہتا کون، شدہ شدہ نئے گانون مین پہونچ گئے، فیضو کی حویلی تھوڑی سی تلاش کے بعد مل گئی، گھر مین خبر ہوئی، اندر بلائے گئے، بلانے والی کا بھی کلیجہ اچھل رہا ہے اور جو بلایا گیا ہے اُس کا بھی دل دھڑک رہا ہے، اب سامنا ہوتا ہے، خورشید مرزا ایک مختصر مگر صاف ستھرے مکان کی انگنائی مین سے ہو کے گذرے، وہی مہری جو صبح کو رقعہ لے کے گئی تھی آگے آگے اب ایک زینہ پر سے کوئی سولہ سترہ سیڑھیون پر گذر کے کوٹھے پر ایک ہوادار کمرے مین پہونچے، یہان سامنا ہوا۔ خورشید بیگم ایک نواڑی پلنگ پر لیٹی تھین قدم کی آہٹ کے ساتھ ہی اُٹھ بیٹھین، خورشید مرزا سامنے کھڑے ہین، آمنا سامنا ہوا چار آنکھین ہوئین، دونون کا یہ حال ہے جیسے مرجھائے ہوئے پھولون مین کچھ مٹا ہوا رنگ کچھ تھمہ خوشبو باقی رہتی ہے نہ وہ صورت شکل ہے نہ چلت پھرت نہ آنکھون کی جلد جلد حرکت نہ چہرہ کی رنگتون کا خوشنمائی کے ساتھ بدلنا نہ وہ تیز تیز شوق آمیز نگاہین غرض دو منہدم عمارتین ہین جن کے ٹوٹے پھوٹے آثار اب تک باقی ہون اگلی چہل پہل خواب و خیال ہوگئی۔ پہلے دیر تک ایک دوسرے کو غور سے

دیکھتا رہا، نگاہوں مین شائبہ اشتیاق اب بھی باقی ہی۔ خورشید بیگم کی نگاہین اس طرح پڑین جیسے کوئی کسی کو دم واپسین حسرت بھری نظر سے دیکھے، خورشید مرزا کے دل پر نئی چوٹ لگی۔ اگلی بات چیت کا انداز بمشکل یاد آیا، بڑے بڑے ناموں کے زبانوں پر لانے کی تکلیف دونون مین سے ایک نے گوارہ نہ کی نہ اُنھون نے خورشید مرزا کہا نہ اُنھون نے خورشید بیگم، وہ وہی چھٹن رہی یہ کچھن رہین مگر یہ نام اب اس طرح مُنہ سے نکلتے ہین جس طرح کُند ذہن لڑکے کے مُنہ سے بھولے ہوئے آموختہ کی لفظین تھم تھم کے اٹک اٹک کے مگر چند ہی مرتبہ اٹکنے کے بعد کسی قدر روانی آگئی مگر ضعف اور حجاب نے زیادہ روانی نہین پیدا ہونے دی، کسی نہ کسی طرح مہر سکوت ٹوٹی، پہلے خورشید بیگم ہی نے سبقت کی۔

خورشید بیگم۔ آخر تمھاری بیوی دو لڑکیان چھوڑ کے مر گیئن ابھی تو وہ بھی جوان ہون گی، خیر خدا لڑکیون کو جیتا رکھی، کسی نہ کسی طرح تمھارا دل بہل ہی جاتا ہوگا۔ ہان تو یہ کہو کہ بڑی کو زیادہ چاہتے ہو کہ چھوٹی کو۔

خورشید مرزا۔ (ان سوالون کے جواب کے لئے آمادہ نہ تھے اور اُن کو اس استفسار سے دلچسپی بھی نہ تھی) کوئی خصوصیت نہین ہی، میرے نزدیک دونون ایک ہین سچ یہ ہی کہ مین نہ گھر مین زیادہ ٹھہرتا ہون نہ کچھ زیادہ دخل دیتا ہون خرچ دے دیا، اناج منگوا دیا، مامائین اصیلین موجود ہین جو چاہین کھائین جو جی مین آئے پکوائین، گہنے کپڑے سب اپنے اپنے موقعہ سے اور ضرورت کے موافق موجود ہین۔ مین بھی دونون وقت کھانا کھا لیتا ہون۔ لڑکیان اپنی راہ چلتی ہین مین اپنی راہ پر جاتا ہون۔

خورشید بیگم۔ مہری سے معلوم ہوا کہ سب ایک ساتھ دستر خوان پر تھے۔ لڑکیون کے ساتھ ہی کھانا کھاتے ہو، یہ اچھا کرتے ہو بیچاری بے ماں کی بچیاں کچھ تو ڈھارس ہو۔

خورشید مرزا۔ آج اتفاق سے گھر ہی مین کھانا کھایا تھا۔ نہین تو مین اکثر اکیلا کھاتا ہون، کبھی کبھی ساتھ بھی کھا لیتا ہون۔

خورشید بیگم۔ اچھا تو کسی وقت اُن کو بلا کے پاس بٹھاتے ہوگے، لگاتے ہو، پیار کرتے ہو۔

خورشید مرزا۔ (کسی قدر روکھے ہو کے) نہین! یہ مجھکو کچھ نہین آتا۔ بس یہ خیال کر لیا کہ تنگی بھوکی نہ رہین، اور زیادہ مین مُنہ نہین لگاتا۔

خورشید بیگم۔ تو یہ اکل کھرا پن تو کچھ اچھا نہین ہی، اگر تم نے مُنہ نہ لگایا تو کون مُنہ لگائے گا (خورشید بیگم ذرا تیوری بدل سکے) ناظرین کو آگے چل کے معلوم ہوگا کہ خورشید بیگم لڑکیون کے ساتھ طرز سلوک کو زیادہ کیون دریافت کرتی تھین۔

خورشید مرزا۔ ہان ہان خفا نہ ہو یہ بات نہین ہو کہ مجھکو لڑکیون کا خیال نہ ہو البتہ کسی قدر مین بھی آزاد ہون اور وہ بھی، مین اُن کے کھیل کود مین دخل نہین دیتا نہ اپنے کامون مین اُن کو دخل دینے دیتا ہون۔ میرا خیال ہے کہ وہ بجائے خود خوش خرم ہین۔ مین نے اول ہی سے ایسا اخلاص نہین رکھا کہ اگر کبھی اوسمین کمی ہو تو رنجش پیدا ہو۔

خورشید بیگم۔ کہو تمھاری خاطر سے کہدون کہ چلو اچھا ہو، میرے نزدیک نہ تو زیادہ مہربانی چاہئے نہ ایسی بے پروائی۔

خورشید مرزا۔ ہان کچھ ایسا ہی ہو۔ کہا تو کہ وہ بھی خوش ہین، مین بھی خوش ہون۔

خورشید بیگم۔ تم کہتے ہو کہ مین خوش ہون مگر مجھکو نہ تمھارے چہرے سے خوشی معلوم ہوتی ہو نہ بات چیت سے، کچھ اُکھڑی اُکھڑی اُکھل کھری سی طبیعت ہو گئی ہو (پھر پچھلی سوانح عمری خصوصًا لڑکیون کی خصوصیتون کا خیال کرکے ایک آہ سرد بھرکے) زندگیان خراب کین۔ مین تم سے خفا نہین ہون اپنا سا حال جانتی ہون جیسی شادی ہوئی ویسی نہ ہوئی۔ تمھین خوب معلوم ہو کہ میری شادی کیون ہوئی تھی کارندون نے منہ بھرائی پا کے پھنسا دیا تھا۔ میرا منہ بند تھا کرتی کیا۔ امان جان نے (اُن کی روح نہ شرمندہ ہو) اپنی ضد مین مٹا یا۔ سچ یہ ہے کہ وہ بھی دھوکا کھا گئین۔ ایسے ہی ٹھاٹھ دکھائے گئے تھے، خیر جو کیا اچھا کیا کوئی یہ نہین چاہے گا کہ ہماری اولاد تباہ ہو، اپنے نزدیک امان جان نے بڑی دانائی کی تھی مگر چوک گئین، چار پاؤن کا گھوڑا چوک جاتا آدمی کے تو دو ہی پاؤن ہوتے ہین؎

خورشید مرزا۔ اب ان اگلے قصون کو جانے دو، ان تذکرون کے چھیڑنے سے سوائے رنج کے کیا فائدہ ہو سکتا ہو۔

خورشید بیگم۔ انسان ہو کبھی خیال آہی جاتا ہو۔ مگر میری زندگی کا آسرا تو میری بچی تھا ہو اور تھا ا کبھی سو ان دو لڑکیون کے خدا ان کو رکھے جیتی دنیا تک اور کون ہے۔ بس اب انھین سے دل بھلاؤ۔ سکھ تو اس کی بھی اُمید نہین جیسے دن کی ہوا کھاتے ہین کھاتے ہین، آنکھون مین آنسو بھر گئے۔ پھر بات کا رخ بدل کے ہان مین نے سُنا تھا تم دوسرا نکاح کرنے والے ہو۔ چلو اچھا تو ہو گھر بس جائے گا بڑی کیا ہو۔

یہ فقرہ طعن کے لہجہ مین کہا تھا، یہ سب باتین خورشید بیگم جس مصلحت سے کہہ رہی تھین وہ ناظرین کو ابھی معلوم ہو جائینگی۔ گویا خورشید مرزا کے دل کا بھید لینا چاہتی تھین؎

خورشید مرزا- عورتون کو سوا شادی بیاہ کے تذکرون کے اور کچھ نہین آتا - تم یہ نہین خیال کرتین کہ ایک مرتبہ شادی ہوئی تو کیا دل خوش ہوا، اور اب پھر نکاح ہوگا تو کیا ہوگا - جب کسی کام کی ابتدا خراب ہوجاتی ہے پھر اُس کی انتہا کا درست ہونا دشوار ہے - اب شادی کرکے کیا کرون گا - یہ سچ ہے کہ مین لڑکیون سے ذرا الگ الگ رہتا ہون مگر اُن کی تباہی بھی منظور نہین ہے-

خورشید بیگم- (چہرا بشاش ہوگیا) ہان مین تو کہتی تھی تم اور اپنی اولاد کا دل دُکھاؤ، تم کو غیرون کی ناخوشی منظور نہین ہوتی تو بھلا اپنی اولاد کی رنجش کیونکر دیکھی جائے گی - اب جو کچھ دُنیا مین زندگی کا مزا ہے انھین اولادون سے ہے - خدا رکھے تمھاری دو بیٹیا میری تو ایک ہی اندھے کی لاٹھی ہے مگر الٰہی اختری رہتی دُنیا تک رہے، سن تو کچھ بھی نہین ابھی کھیلنے کھانے کے دن ہین مگر اتنے سے سن مین جو میری دیکھ بھال کی ہے اور کرتی ہے- حکیم- نسخہ، دوا ٹھنڈائی پرہیزی کھانا سب اُسی کے ہاتھ ہے، مین تو کہتی ہون اگر میری بچی نہ ہوتی تو مین کب کی مرچکی ہوتی اُسنے کوئی بات اُٹھا نہین رکھی لیکن مرض ہی لا علاج ہو تو کوئی کیا کرے مجھے خوب معلوم ہے کہ میری زندگی کے اب بہت ہی کم دن باقی ہین، جے دن اور دُنیا کی ہوا کھانا ہے کھاتی ہون-

خورشید مرزا- خدا انھین اپنی لڑکی کے سرپر سلامت رکھے - ابھی تو ایسا حال نہین ہے کہ مایوسی ہو جائے- یہ باتین محض مریض کی تشفی کے لئے کہنا پڑتی ہین مگر حقیقت بالکل اس کے خلاف ہے خورشید مرزا ایک نظر دیکھنے کے بعد ہی دل ہی دل مین سمجھ رہے تھے جو خورشید بیگم زبان سے کہہ رہی تھین، دق دوسرے درجے سے بھی ترقی کر چکی تھی، چیت کا مہینہ تھا بس اساڑھ یا ساون تک تین ڈیڑھ مہینے اس مریضہ کی زندگی کے اور باقی ہین - اپنی رائے کی تصدیق خورشید مرزا کی زبان سے تو سُنتین - کون کس کو کہتا ہے کہ ہان سچ کہتے ہو تم چند روزہ مہمان ہو - مگر بیگم ہولین سے گفتگو کے لہجے سے پایا جاتا تھا کہ خورشید مرزا کو بھی میری زندگی سے یاس ہے-

خورشید بیگم- اچھا اور بیٹا یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے یہ کون جانتا ہے کہ کون پہلے جائے گا اور سب سے زیادہ تم یہ کب جانتے ہو گے کہ مین کل کی مرتی آج ہی مر جاؤن، مگر پھر انسان کو عقل سے کام لینا چاہئے، مین نے جس مطلب کے واسطے تم کو بُلایا ہے اب وہ کہنا چاہتی ہون ذرا خوب کان دھر کے سُنو اور جو کچھ مین کہون اُسکو مان لو-

خورشید مرزا- اس لمبی چوڑی تمہید کی کیا ضرورت ہے مین نے کب تمھاری بات نہین سُنی کہ یا تمھارا حکم کی تعمیل نہین کی کسی دن تمھاری ضد بتا نہین اُٹھائی ذرا یاد کرو-

خورشید بیگم۔ (چہرہ پر ذرا سا خون دوڑ آیا مگر صرف ایک لمحہ کے لئے پھر ایک آہ سرد بھر کے) ہاں ہاں یہ سب بجا و درست ا بے شک تم نے میری ناز برداریاں کی ہیں مگر اب جو کچھ میں کہوں گی وہ میری آخری ضد ہے۔ بلکہ وصیت کہو تو ٹھیک ہے۔

خورشید مرزا۔ مجھکو رُلوانا ہی منظور ہے تو خیر ورنہ ایسی باتیں مجھ سے نہ کہو۔ میں کھاری مشکل سے مشکل اور سخت سے سخت فرمائش کے پورا کرنے کے لئے اب بھی حاضر ہوں مگر تا مقدور۔

خورشید بیگم۔ سنو! بات یہ ہے کہ میری شادی جس طرح ہوئی وہ تم خوب جانتے ہو نہ الفت نہ محبت محض روپیہ کا لالچ۔ ایک شخص نے چاہا کہ سونے کی چڑیا ہاتھ آ جائے۔ سونے کی چڑیا جال میں پھنس گئی۔ پنجرے میں ڈال دی گئی۔ پنجرا لوہے کا ہو یا سونے کا مطلب قید سے ہے۔ ایسی شادی سے کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اب پنجرے کی کھڑکی کھل گئی۔ مگر اب طاقت پرواز کہاں۔ ایسا قید سے چھوٹنا اسیری سے بدتر ہے۔ خیر۔ آدمی پر جیسی پڑتی ہے ویسی اُٹھا لیتا ہے اگر چہ کبھی کبھی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں اور میرے لئے بھی سامان ہوا خیر شکر ہے مگر اپنی اولاد کے لئے انسان ہر طرح کی بہتری چاہتا ہے۔ اختری ماں باپ دونوں کی جائداد ملا کے کچھ کم ایک کروڑ کی مالک ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اُس کا بھی وہی دہاڑا نہ ہو جو میرا ہوا بیگم شکاری لوگ اگر اس کا پتہ پا جائیں گے زندگی دشوار کر دیں گے، بیٹھنا مشکل ہوگا خدا جانے میری بچی کی آبرو پر بن جائے جان پر بن جائے، سیکڑوں جال پھندے تیار ہوں گے ہر طرح سے پھانسنے کی کوشش کی جائے گی میرا یہ حال ہے۔ چند ہی روز کے بعد یہ ماں باپ کی بچی ہوگی، ایک سونے کی چڑیا اور سیکڑوں چڑیمار کسی نہ کسی کے جال میں پھنس جائے گی پھر دشمنوں کے ذبح کرنے کی کوشش ہوگی، زندگی دوبھر ہو جائے گی؛ غرض ہر طرح جان بچنا مشکل ہے۔ یہ ہونا ہے اور ضرور ہونا ہے۔ صرف ایک ہی اس معصوم بچی کی نجات کا سہارا نظر آتا ہے اور وہ تمھاری ذات پر منحصر ہے۔ یہ میں خوب جانتی ہوں کہ اگر تم حامی بھر لو گے تو میری بچی اس عذاب سے چھوٹ جائے گی اس تہلکہ سے بچ جائے گی۔ لو اب اقرار کرو میرے ہی سر کی قسم کھاؤ کہ جو میں کہوں گی وہی کرو گے۔

خورشید مرزا۔ آخر میں سنوں تو کیا چاہتی ہو۔ کس بات پر قسم کھاؤں۔

خورشید بیگم۔ چاہتی یہ ہوں کہ تم اس بچی کے سر پر ہاتھ رکھو اس کے ولی بنو۔ مگر یہ حال کسی پر نہ کھلے، میں دو تین دن سے زیادہ لکھنؤ میں نہ ٹھہرونگی اس کے بعد ڈاکٹر کہتے ہیں کہ پہاڑ پر چلے جاؤ میں منصوری پہاڑ پر چلی جاؤں گی، جب تک میں زندہ ہوں بچی میرے دم قدم کے ساتھ ہے جب میں

مرجاؤن بچی کو اپنے گھر مین لے جاؤ جہان وہ دُولڑکیان ہین تیسری یہ ہو۔ مگر یہ نہ ظاہر ہونے دینا کہ اتنی بڑی جائداد کی مالک ہی۔ اگر کوئی شریف بھلے مانس جسپر تمکو پورا بھروسہ ہو محض شرافت خاندانی کے لحاظ سے لڑکی مانگے خوب پکی پوڑھی کر کے چپ چپاتے نکاح کر دینا۔ جب قانونی بلوغ کا زمانہ آجائے جائداد اس کے سپرد کر دینا، مگر زندگی بھر ساتھ نہ چھوڑنا، جائداد والی عورتین بڑی مشکلون مین پڑجاتی ہین، شادی ہونے کے بعد بھی اگر شوہر ایماندار ہوا تو خیر ورنہ طرح طرح کی ایذائین پہونچتی ہین۔ بس یہی میری خواہش ہو اور آخری خواہش ہو، ہان جب تک وہ وقت نہ آئے تمھاری لڑکیون تک کو معلوم نہ ہو کہ اختری صاحب جائداد ہو اسمین بڑی بڑی خرابیان ہین جن کو مین خوب سمجھتی ہون، گویا آنکھ سے دیکھ رہی ہون، اور جب یہ بھید کھل بھی جائے اور شادی ہوجائے اُسوقت بھی تمھاری حمایت کی ضرورت رہے گی۔ تم خوب جانتے ہو۔

خورشید مرزا۔ اس رازداری مین یہ خرابی ہو کہ اس معصوم بچی کو لوگ، میرے نوکرین چاکرین خود میری لڑکیان ذلت کی نگاہ سے دیکھین گی۔ اس ہی لڑکی کو بھی تکلیفین پہونچین گی، مجھ سے بھی اُس کے رتبہ کے موافق کسی طرح اُس کی پرورش نہ ہو سکے گی۔

خورشید بیگم۔ ہان مین خوب سمجھتی ہون لوگ کہین گے، نہین معلوم کس کی لڑکی تمھاری روٹیون پر پڑی، خیرات کے ٹکڑے توڑتی ہو۔ پھر باشد یون ہی سہی، اسمین کسی کا کیا اجارہ ہو، تمھاری نیک نظر اور مہربانی کافی ہو دنیا جو چاہے خیال کرے بلا سے۔ تم اپنے اور اپنے گھر کے حاکم ہو۔ لوگ یہ سمجھ لین کہ دور دراز کی قرابت کے لحاظ سے یا محض خداترسی سے کسی غریب کی لڑکی لے کے پال لی ہو، پھر اُس مین کیا برائی ہو۔ ہان ایک تکلیف اور ہوگی دو تین دن کے لئے کلکتہ جانا ہوگا، ولایت کی درخواست کے لئے مگر کوئی دشوار بات نہین ہو کلکتہ مین اٹرنی بارسٹر مقدمہ کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لین گے، صرف روپیہ کا خرچ ہو وہ خدا کے فضل سے موجود ہو، تم صرف درخواست پر دستخط کر کے چلے آنا، وہان سب کام حسب لنخواہ ہو جائے گا، میرا وصیت نامہ مکمل ہو لے لو، بکس منگایا گیا وصیت نامہ رجسٹری شدہ، خورشید مرزا کے نام کا مع فہرست جائداد ایک پوری مسل بکس سے نکلی اور خورشید مرزا کی سپردگی مین پہنچ گئی، قفل قسم۔ سہر کی قسم۔ غدر معذرت مشکلات کل مرحلے طے ہو گئے۔ اب ایک نظر اُس بیچاری بچی کو بھی دیکھ لو جس کے تم ولی ہو گے اور جو آج ہی سے تمھاری لےپالک سمجھی جائے گی، کریمن ماما کو آواز دیگئی وہ حاضر ہوئی، چھوٹی بیگم کو بلالاؤ، چھوٹی بیگم کوئی چودہ پندرہ برس کا سن، بھولی بھولی صورت، نہ تکلف نہ غرور، سادہ سادہ لباس، ہلکا ہلکا زیور، گوری رنگت جیسی گلاب کی پتی، لُٹا سا قد

شریفانہ بناؤ، سیدھی مانگ صورت سے پکاپن نہیں معلوم ہوتا مگر امیرانہ تمیز داری ظاہر ہے نہایت ادب سے سامنے آکھڑی ہوئی، مگر چہرہ اُداس اُداس، کیون نہ ہو ماں کا حال پیش نظر ایسی نادان نہیں،

خورشید بیگم۔ بیٹا یہی تمھارے ماموں جان ہین جن کا اکثر مین تذکرہ کیا کرتی تھی۔

لڑکی نے نہایت ادب سے جھک کے سلام کیا۔ خورشید مرزا نے گلے سے لگایا، چپکے سے اُس کرسی پر جو اماں جان اور ماموں جان کے درمیان مین پہلے سے بچھی ہوئی تھی ماں کا اشارہ پا کے بیٹھ گئی۔

صانع حقیقی نے جہاں کہین صورت اور سیرت کو کسی آدمی زاد مین خواہ مرد ہو خواہ عورت ایک جگہ جمع کر کے قدرت نمائی کی ہے وہ فطرت کے بہترین نظاروں سے ہے، یہ لڑکی بہمہ صفت موصوف تھی، پیاری پیاری صورت کے ساتھ نیک دلی نیک نیتی پاکیزہ خیالات تمیز داری سلیقہ شعاری رحمدلی ترس خدا معصوم صفتین، حجاب عورت کا قدرتی جوہر ہے مگر شرط یہ ہے کہ حجیب کے ساتھ نہ ہو جھینپنے مین دل کی چوری پکڑی جاتی ہے۔ حد سے زیادہ شرم۔ جھکی ہوئی نگاہین کچھ اچھے خیالات کے آثار نہین ہین، بن بیاہی نوجوان عورتین اکثر بدصحبت سے لذت عشق کی ترغیب پیدا ہو جاتی ہے یہ بلا چھٹے سے سن مین خیالات کو ناپاک کر دیتی تھی جہان یہ داغ لگا، پھر زندگی بھر نہین چھوٹتا۔ ایسی نگاہین اُن نظارون کو ڈھونڈھتی رہتی ہین جس کی طرف دل کی شوریدگی جذب کرتی ہے۔ پھر یہ نوبت پہونچتی ہے کسی نوجوان کو دیکھا نگاہ بازی کی مشق ہونے لگی، کسی کو جھانک کے دیکھ لیا کسی کو تاک کے یعنی آنکھ لڑائی۔ کسی کو صورت دکھا کے پھر شرما کے منہ چھپا لیا، کسی کی طرف بے حجابانہ اشارہ کر دیا، کسی کو انگوٹھا دکھایا کسی کو منہ چڑھایا، مشق ستم کا اناڑی بھی تاڑنے والی نظرون سے نہین بچتا، خورشید مرزا نے دُنیا دیکھی تھی بچپنے ہی سے عشق کی چوٹین کھائی تھی مایوسانہ زندگی گھبرا گھبرا کے دلچسپی کے سامان پیدا کرتی تھی، سینہ کی آگ بجھانے کے لئے عشق کا داغ مٹانے کے لئے علاج المثل بالمثل کے قاعدہ سے ایک زخم کے اچھا کرنے کے لئے دوسرے زخمون کی اور ایک داغ کے مٹانے کے لئے دوسرے داغون کی ضرورت پڑتی رہی تھی، خورشید مرزا نے دلچسپیون کا سامان تلاش کرنے مین کوئی کمی نہین کی تھی اگرچہ کوئی تدبیر بن نہ پڑی کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ مگر اچھے خاصے تجربہ کار بن گئے تھے، لکھنؤ کے امیر زادون کی سی پین اُٹھائے ہوئے تھی ایک نگاہ سے عورت کی پوری زندگی کا گذشتہ اور آئندہ انکے سامنے آجاتا تھا۔ مگر اِس منصوبہ صفت امیر زادی کو دیکھ کے یہ بہت ہی خوش ہوئے، ایک ہی نظر مین دلایت بھی منظور کر لی اور حمایت بھی، لے پالک بنالیا۔ اس قدر جلد ایک خاص ارادے کے پیدا ہونے اور فوراً مضبوط ہو جانے پر شاید کوئی اعتراض کرے تو اُس کو اس واقعہ

کے سامان اور اسباب پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہوگا۔ اولاً خورشید بیگم سے دلی تعلق اگرچہ اس معاملہ مین سخت ناکامی ہوئی تھی بڑا چرکا کھایا تھا جس نے ان کی تمام زندگی کو تباہ کیا لیکن اسمین خورشید بیگم کا کوئی قصور نہ تھا۔ خورشید بیگم کی حالت واجب الرحم تھی، ضدی ماں نے جہان جھونک دیا تھا وہ جگہ کسی طرح خورشید بیگم کی زندگی کو دلچسپ بنانے کے لئے کافی نہ تھی اور سب سے زیادہ ملک کے دستور کے موافق شکایت کی مجال نہ تھی۔ خورشید بیگم کو وہ تعلق بُھلا دینا پڑا جو بھولنے والا نہ تھا، شادی ہونے کے بعد اگر کبھی خورشید مرزا کا نام زبان پر آتا سو عیب لگ جاتے، ناکردہ گناہ گنہ گار ہوتی، چرچے ہونے لگتے "اوہی بی! ہم نہ کہتے تھے خورشید مرزا سے بن بیاہے پن مین آشنائی تھی"۔ ایک شریف عورت کے لئے اس سے بڑھ کے کیا کم اسجتی ہوگی کہ بن بیاہے پن کی پاک زندگی پر ناجائز تعلق کا جھوٹا الزام لگا دیا جائے، مگر دنیا وہ نالائق ہے کہ ایک بیہودہ بات کا مُنہ سے بک دینا آسان سمجھا جاتا ہے اور اُس کے انجام کی مطلق پروا نہین کی جاتی کہ اس کا دوسرے پر کیا اثر پڑے گا۔ مگر خورشید بیگم اپنی احتیاط کی زندگی پر فخر کرتی تھین کہ اُن پر کسی کو الزام لگانے کا موقعہ نہین ملا۔ کلکتہ کی زندگی مین اونھون نے اپنے لکھنؤ کے تعلقات کا کبھی ذکر ہی نہین کیا جو کسی کو کچھ کہنے کا موقعہ ملتا۔ مگر یہ کہو کہ اُن کو خورشید مرزا کا خیال نہ رہا ہو یہ ناممکن تھا اس بچپنے کی محبت کو وہ دل مین چھپائے رہین دل مین آگ کو اس طرح دبا کے رکھا کہ دھوان تک نہ نکلنے دیا۔ خورشید مرزا کی ایک ایک بات اونکو یاد تھی اُن کی صورت کی پوری تصویر اُن کے دل مین تھی، اُن کی ایک ایک بات یاد تھی، اور یہی حال خورشید مرزا کا تھا۔ یہ پاک محبت ایسی مستقل اور دیرپا تھی کہ باوصف دوری دونون قریب تھے، ایک کو دوسرے پر بھروسہ تھا یہی وجہ تھی کہ خورشید بیگم جب اپنی زندگی سے ناامید ہوئی اُنھون نے اپنے کلیجہ کا ٹکڑا خورشید مرزا کی سپردگی مین دیا اور اُنھون نے قبول کیا اور اُسکو کلیجہ سے لگا لیا۔ اب خورشید بیگم کو اپنی لڑکی کے لئے جو کچھ کرنا تھا کر چکین اور کیا کرتین، اب خورشید مرزا کا کام تھا کہ سپردگی کا پورا حق ادا کرین اور اختری کا کام تھا کہ وہ اس دور دراز کی عزیز داری کو اور اس جدید رشتہ باپ بیٹیون کا تعلق بنا لے، خورشید مرزا کے دل مین جگہ کر لے اور سچ مچ تیسری لڑکی بلکہ اُن سے بھی کچھ بڑھ کے ہو جائے، ایسا ہی ہوا۔ خورشید مرزا کو واقعات پر نظر کر کے اس بن ماں باپ کی بچی کی خاطر داری اولاد سے زیادہ (گو کسی قدر ظاہریت کی آمیزش ہو) کرنا ہی چاہئے تھی اور اختری کو اپنے حسن سلوک سے اس کا معاوضہ کرنا تھا اسوجہ سے پالنے والے اور پالک کے تعلقات حقیقی باپ بیٹیون کے تعلقات سے بڑھ گئے، اور نہ بڑھنے کی کوئی وجہ نہ تھی، اختری کی معصومانہ دلربائی ایک خداداد جوہر جو بہت کم لڑکیون کو نصیب ہوتا ہے، یعنی پاکیزہ خیالات اور دل کی نیکی اور اس سب کے ساتھ حسن ظن وہ اپنی ماں کو اپنا سچا جوہر

جانتی تھی اور یہ سمجھ گئی تھی کہ جو کچھ ہوا ہے میری بہتری کے لئے ہے۔

واقعی خورشید مرزا نے بڑی ذمہ داری کا کام بڑا بھاری بوجھ اپنے سر پر اُٹھا لیا تھا، ظاہر میں تو بیٹھے بٹھائے کچھ کم ایک کرور کی جائداد ہاتھ آگئی تھی اگر کوئی بے ایمان جعلیہ مکار ہوتا تو اوسکو باپ کا سا مال سمجھ کے ہضم کر لینے کی کوششیں کرتا لیکن خورشید مرزا ایک متقی خدا ترس پاک بے باک اگلے بانکپن کی صفت پر نازان یتیم کے مال سے ڈرنے والے قدیم رئیس زادہ تھے جو اگلی جاہ و ثروت نہ تھی مگر نیت اور ہمت ویسی ہی تھی، رسی جل گئی تھی مگر بل نہیں جلا تھا اُن کا جی چاہتا تھا کہ یتیم کا ایک حبہ ضائع نہ ہو، ہاں وہ تنگی سے زندگی بسر نہ کرے مگر میں اس مال سے ایک پیسہ کا مستحق نہیں ہوں۔ اختری کی مشکلیں پیش پا اُفتادہ تھیں جس گھر میں اُسکو رہنا ہوگا وہ بالکل نیا گھر ہے وہاں کسی کو اختری کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے، لڑکیاں ان تعلقات سے بے خبر ہیں، اختری سے بے التفاتی گو سب ظاہر کیوں نہ ہو اوسکو ایذا دیتا ہے جو خورشید مرزا کو کسی طرح گوارہ نہیں ہو سکتا تھا، التفات سے سیکڑوں وہم اور شک پیدا ہونگے لڑکیاں کیا کہیں گی نوکریں چاکریں کیا کہیں گی۔ اگر اختری کی مقدرت کا راز کھول دیا جاتا تو کچھ مشکل نہ تھا کسی امیر کی لڑکی ہے جو خورشید مرزا کے سپرد کی گئی ہے ہر شخص خاطر کرتا ہر شخص آنکھوں پر بٹھاتا، مگر خورشید بیگم کی وصیت تھی کہ اس کا اظہار نہ ہو، ناظرین کو یاد رہے کہ یہ ذمہ داری خورشید مرزا نے بڑی مشکل سے اپنے سر لی تھی، وہ اس کی دشواریوں کو سمجھتے تھے اور دشواریاں پیش آئیں۔

اختری کی صورت بھی اچھی تھی، دل بھی نیک تھا۔ اُسکو آشدہ خورشید مرزا کے گھر پر اور اُن کے قانونی ولی ہونے کا حال معلوم ہو گیا تھا، اُسنے بیجا شرم و حجاب کو جو اکثر جہالت اور گناہگاری کی آمیزش سے تھکے پیدا ہوتی ہے پہلے ہی سے بالائے طاق رکھدیا تھا۔ گو اختری خورشید مرزا کو ہمیشہ ماموں جان ہی کہتی رہی لیکن اُس نے پہلے ہی دن سے خورشید مرزا کو اپنا باپ ہی سمجھ لیا تھا، وہ اپنی چاہنے والی ماں اور خورشید مرزا کے پاک تعلقات سے بے خبر نہ تھی، اماں جان خورشید مرزا جن کو اب ماموں جان کہتی ہوں اماں جان کے عزیز اور بچپنے کے ساتھ کھیلے ہوئے ہیں اور انھیں سے اماں جان کی شادی ٹھہری تھی۔ خورشید بیگم نے بھی اُسے پہلے ہی سے اس نازک رشتہ کی باریکیاں سمجھا رکھی تھیں اختری دل میں کہتی تھی اگر اماں جان کی شادی ان سے ہوتی تو میں انھیں کی بیٹی ہوتی، اچھا شادی نہیں ہوئی میں علی جان کی بیٹی ہوں میرے باپ نے کبھی میری ماں کی پروا نہیں کی وہ دولت کو چاہتے تھے جب وہ اُن کو مل گئی تو وہ گلچھرے اُڑانے لگے، مجھپر بھی کچھ ایسی توجہ نہیں کی میں فقط اتنا جانتی ہوں کہ علی جان میرے باپ تھے۔ تعلیم میری ماں نے پالا پرورش کیا، پڑھایا لکھایا غرض میں ہمیشہ سے ماں باپ کی ہو رہی

باپ کی زندگی مین لوگ کہتے تھے کہ مجھ پر یتیمی برستی ہے جس کا باپ دو دو مہینہ گھر مین نہ آئے اور آئے بھی تو مجھے آنکھ اٹھا کے نہ دیکھے نہ پاس بلائے نہ گلے لگائے بات تک نہ پوچھے، ارمان رہ گیا کہ عید بقرعید تو بلا کے گلے لگاتے کبھی تو پیار کرتے۔ دُنیا کے باپون کو دیکھا کیسا بیٹیون کو چاہتے ہین یہ ہماری تقدیر مین نہ تھا۔ ہم نے تو اپنے باپ کو جب گھر مین دیکھا منہ تھوتھائے تیوری چڑھائے امان جان سے لڑتے ہی دیکھا۔ یا یہ سُنا آج ہیرے کے جڑاو بازوبند دیدہ کل موتیون کا بالا دیدہ۔ یا ہر سنا ناچ ہو رہا ہے رنڈیان آئی ہین جھولے پڑے ہین، پکوان تلے جا رہے ہین، امان جان یہ سب دیکھتی سہتی ہین منہ سے اُف نہین کرتی دل ہی دل مین گھٹی جاتی ہین، آپ ہی آپ سلگ رہی ہین جبھی تو تپ دق ہو گئی، آخر جان کے لالے پڑ گئے۔ امان جان کی ساری دولت اور وہ اس طرح اُڑ رہی ہو اور اُن کی یہ گت ہو افسوس ہے امان جان کی بھی کیا بُری تقدیر تھی۔

اختری کے یہ خیالات تھے جب وہ خورشید مرزا سے پہلے پہل ملنے کو آئی تھی اگرچہ وہ خورشید مرزا کو نہ جانتی تھی مگر اتنا جانتی تھی کہ انھین سے ملنے کے لئے امان جان لکھنؤ مین آئی ہین اور ان پر ایسا بھروسہ ہے کہ مجھے سپرد کرتی ہین۔

اختری اور خورشید مرزا کی پہلی گفتگو۔ ماموں جان میرا آپ کو دیکھنے کو بہت ہی جی چاہتا تھا۔

خورشید مرزا۔ (مسکرا کے) بیٹا تم مجھے کیا جانو۔

اختری۔ واہ! امان جان آپ کا اکثر ذکر کیا کرتی تھین (پھر بات کا پہلو بدل کے) امان جان بیماری کی حالت مین اکثر آپ ہی کو یاد کرتی رہتی تھین بہت بیمار ہو گئی تھین اب تو جب سے لکھنؤ مین آئی ہین بہت مزاج سنبھل گیا ہے۔ سنتی ہون یہان بڑے بڑے نامی حکیم رہتے ہین، امان جان کو دکھا دیجئے، مجھے تو یقین ہے (یقین کیا ہم ہے) شاید یہان کے علاج سے شفا ہو جائے، خدا کرے امان جان اچھی ہو جائین، مگر لہجہ سے مایوسی ٹپک رہی تھی کیونکہ ایسی بچہ نہ تھی جو اس مہلک مرض کے انجام کو نہ سمجھ سکتی ہو۔

خورشید مرزا۔ حکیم صاحب کو تو مین دکھا دون گا کل صبح کو انشاء اللہ تعالیٰ ساتھ لے کے آؤن گا، مگر سبکو ڈاکٹرون کی رائے سے اتفاق ہے۔ پہاڑ پر لے جانا بہت ضروری ہے۔ سنتا ہون کوئی درخت ہوتا ہے شاید چیڑ کہتے ہین اُس کی ہوا بہت مفید ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محض اس کی ہوا کو موثر علاج بتاتے ہین تھا۔

اختری۔ یہان کے بڑے ڈاکٹر کی بھی رائے لیجئے، اچھا تو بڑے ڈاکٹر اور وہ حکیم صاحب جو کلکتہ بھی

اکثر جاتے ہین مجھے نام یاد نہین، امّان جان کے معالج تھے، دونون کو بُلا لائے۔

خورشید مرزا۔ اور میرے عزیز ہین اور بیگم (اس حالت مین خورشید مرزا نے خورشید بیگم کو بیگم کہا لیکن کس دل سے اور کس مایوسی کے ساتھ) سے بھی عزیز داری ہے حکیم جعفر علی صاحب اُن کو بھی شریک کرونگا، جن حکیم صاحب کو تم نے کہا ہے اُن کا نام تو اسوقت مجھکو یاد نہین مگر حکیم جعفر علی اُن کے شاگرد ہین، خدا نے چاہا تو یہ سب کل آجائینگے۔

اختری بیگم یہ توجہ اپنی مان کے علاج کی طرف دیکھ کے بہت خوش ہوئی، ایک دھندلی سی شکل اُمید کی سفید لکہ ابر کی طرح گویا آنکھون کے سامنے آئی مگر یہ لکہ ابر مایوسی کی تیز ہواؤن نے بہت ہی جلد اُڑا کے نظرون سے غایب کردیا، پھر وہی اگلا خیال قائم ہوگیا، کیسا ہی علاج ہو امان جان کا بچنا مشکل ہے۔ کہین ایسے بیمار بھی اچھے ہوتے ہین۔

خورشید بیگم۔ (بیٹی سے مخاطب ہوکے) بٹیا تھین یاد نہین جعفر علی میرا بھانجہ جو دو برس ہوئے کلکتہ گیا تھا اور مین نے تم کو سامنے کیا تھا وہ میرا سگا بھانجہ ہے۔

باب ۳

طبّی معاینہ

اے طبیبو مرے جینے کے کچھ آثار نہین، نہ کرو فکر دوا

خورشید مرزا فیضو کی حویلی سے ہسکل کے امین آباد کی طرف روانہ ہوئے وہ ذہنی داری جو خورشید بیگم کے سر کی قسم کھا کے اُنھون نے اپنے سر لی تھی اوس کی ہر تفصیل پر نظر تھی۔ بار بار یہ خیال کہ وہ جینے ۵ ۲ برس کے بعد اب یاد کیا کاش صحیح وسالم ہوتی یا ایسی علالت ہوتی جس سے کسی طرح جانبری کی اُمید ہوسکتی تھی تو یہ آخری حصّہ حیات کا کس اطمینان کے ساتھ بسر ہوتا۔ بچپن کے ساتھ کی کھیلی ہوئی وہ جو مجھپر دل و جان سے فدا تھی اور اب بھی فدا ہے وہ جس کے عشق کی آگ ابھی تک میرے سینہ مین دبی ہوئی ہے، میری زوجہ ہوتی مین شوہر ہوتا، کس مزے سے دن کٹتے، افسوس اُسے دیکھا بھی تو کب دیکھا اور کس

طرح سے دیکھا، ایک مرتبہ تو ظالم رقیب گود مین اُٹھا کے لے گیا اور مین دم بخود رہ گیا، اب موت کے پنجے مین گرفتار ہو اجل دبوچے ہوئے ہی، رقیب سے مخلصی ہو گئی مگر موت کے پنجہ سے رہائی غیر ممکن، ہم بہر صورت ناکام ہی رہے۔ اب اس بھولی بھالی لڑکی کی پرورش اور اس پردہ داری کے ساتھ لڑکیان کیا کہین گی بنے نہ بنے؛ نادری تو خیر ہر دل عزیز ہو کسی سے لڑنا جانتی ہی نہین مگر جعفری لڑاکا تنک مزاج جسمین رشک وحسد کا مادہ کوٹ کوٹ کے بھرا ہے اسمین شک نہین کہ وہ مجھکو بہت چاہتی ہو مگر ایسی چاہت کس کام کی دوسرے کا سایہ نہین دیکھ سکتی۔ گھر کے انتظام مین کوئی دخل دے سکے کیا مجال یہ لڑکی جس کی پرورش کا بار روپیہ پیسہ کے اعتبار سے مجھپر نہین ہو مگر یہ خیال کہ مجھپر اُس کا بوجھ ہو جعفری کو بے چین کرتا رہیگا وہ اس کو بُری نگاہ سے حقارت کی نگاہ سے ذلت کی نظر سے دیکھے گی مجھے ناگوار ہوگا پھر منہ سے کچھ نہ کہہ سکون گا، اگر مین زیادہ دخل دونگا عجب عجب طرح کی بدگمانیان پیدا ہونگی، خدا جانتا ہو کہ مین اُسکو اپنی ہی اولاد کی جگہ سمجھون گا، مگر جعفری کیا سمجھے گی۔ پھر اس کے بعد خیال آتا ہو شاید کچھن کو شفا ہو جائے وہ اپنی لڑکی کے سر پر سلامت رہو، دل بھی چاہتا ہو کہ وہ اچھی ہو جائے مگر عقل کہتی ہو دشوار محال خبط۔ ع

این خیال است و محال است و جنون

اچھا طبی معائنہ تک کوئی رائے مستقل قائم نہین ہو سکتی، سنتا ہون کہ یورپ کے طبیبون نے اس مرض کا علاج پیدا کر لیا ہو، یہ بھی سنا ہے کہ سول سرجن بہت لائق معالج ہو روپیہ کے خرچ مین کمی نہ ہوگی، شاید اُمید کی کوئی صورت پیدا ہو۔ اسی خیال مین امین آباد تک پہنچ گئے حسن اتفاق حکیم جعفر علی نے راستہ مین ٹوک کے تسلیم کی، ابھی مزاج پرسی ختم نہ ہوئی تھی کہ خورشید مرزا جیسے کوئی دفعتہ سوتے سوتے چونکتا ہو۔

خورشید مرزا۔ (جیسے ابھی تک یہ خیال ہی نہ تھا کہ کس سے ملاقات ہوئی ہو) اہاہ! جعفر علی اے لو مین تو تمھارے پاس جا رہا۔ اسوقت کوئی اور دعا مانگتا تو پوری ہو جاتی۔

جعفر علی۔ میری خدانخواستہ آپ کو کیا ضرورت ہو جلدی کہئے۔ یہ حکیمون اور ڈاکٹرون کا فقرہ ہے اپنی ضرورت خدانخواستہ کہہ کے کہتے ہین، یعنی جب تک کوئی بیمار نہ ہو ہماری کیا حاجت ہو سکتی ہو۔ اگرچہ عزیزداری تھی مگر فن کے اعتبار سے یہ فقرہ بے محل نہ تھا۔"

خورشید مرزا۔ جی ہان خیریت ایک دوست (ایک مساۃ) کا طبی معائنہ چاہتا ہون۔

جعفر علی۔ معائنہ کیسا، مین حاضر ہون، آپ خوب جانتے ہین، جہان تک میری استعداد ہو اُس سے

حاضر ہون، کیا میری ضرورت سے زیادہ ہے۔

خورشید مرزا۔ یہ تو مجھکو تم سے ہر وقت اُمید ہے۔ مگر نہین مرض سخت ہے۔ حکیم صاحب بلکہ سول سرجن دونون کو بلا کے دکھانا منظور ہے۔ اور کسی کا معائنہ ہے تمھاری تو خالہ آئی ہوئی ہین خورشید بیگم اگر کسی سے اس کا اظہار نہ ہوا انھون نے قسم دیدی ہے۔

حکیم جعفر علی۔ بہت خوب حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا آنا بھی ممکن ہے بلکہ سہل ہے۔ سول سرجن صاحب سے بھی مجھ سے ملاقات ہو چکی ہے وہ بھی آسکتے ہین اور۔ حکیم صاحب سے تو صرف اطلاع کافی ہے، کب کا وعدہ لیا جائے؟

خورشید مرزا۔ کل جس وقت مناسب ہو۔

حکیم صاحب۔ دونون کل صبح دس بجے آسکتے ہین کہان؟ آپ کے گھر پر۔

خورشید مرزا۔ نہین یہان سے قریب نئے گاؤن مین فیضو کا مکان مشہور ہے۔ ترا ہے کے نکڑ پر وہان تلاش کر لینا مین آدمی بھی بھیجدونگا۔

حکیم جعفر علی۔ شاید یہ زیادہ مناسب ہو کہ پہلے مجھکو دکھا لیجیے یعنی نو بجے وعدے آج ہی لے لئے جائینگے مین آپ کے ساتھ وہین ٹھہرا رہونگا اسمین مصلحت یہ ہے کہ سول سرجن صاحب اور حکیم صاحب سے حال کے بیان کرنے مین سہولت ہوگی۔ مین اگر پہلے سے دیکھ لونگا تو اچھی طرح سمجھا دونگا۔

خورشید مرزا۔ واقعی یہ زیادہ مناسب ہوگا۔ اچھا تو مین کل نو بجے سواری بھیجونگا، بلکہ ہم تم ساتھ ہی ساتھ چلے آئینگے، مگر تم کو اسی وقت دونون جگہ جانا ہوگا۔ تاکید کر دو۔ پہلے سول سرجن صاحب سے مل لینا پھر حکیم صاحب سے۔

دوسرے دن ساڑھے نو بجے حکیم جعفر علی خورشید مرزا کے ساتھ فیضو کے مکان پر پہونچ گئے، حکیم جعفر علی مریضہ کی مسہری کے پاس ایک کرسی پر بیٹھے، ڈاکٹر صاحبان خالی ہین خورشید مرزا پہونچنے کے اندر تھے حکیم جعفر علی کے لئے تو ضرورت نہ تھی مگر اور دو طبیبون کے خیال سے پردہ ڈالدیا گیا تھا۔ اختری کی مان سرہانے خورشید مرزا پائنتی کی طرف۔ حکیم جعفر علی صاحب نے نبض اور قارورہ دیکھا، ابتدا سے انتہا تک حال سنا دل مین کوئی رائے بھی قائم کرلی ہوگی۔ مگر اظہار اول تو مناسب ہی نہ تھا اور اس لئے اور بھی کہ ابھی دو قابل ہم پیشہ معززون کا انتظار تھا، ساڑھے دس بجے کے قریب بڑے حکیم صاحب کی تشریف آوری ہوئی، اب صرف سول سرجن صاحب کا انتظار رہا۔ بڑے حکیم صاحب نے بھی نبض اور قارورہ دیکھا۔ چھوٹے حکیم صاحب نے بطور مذاق اور اصطلاحات کے موافق کل حال بیان کیا جسکو خورشید مرزا سمجھتے جاتے

چلے آئے پھر دو تین روز کے بعد گئے اسی طرح وقت انتقال تک برابر آتے جاتے رہے۔ دس بارہ دن راجپورہ مین قیام کرکے یہ لوگ منصوری پر چلے گئے۔ راستہ مین جھپانون کی سواری تھی مگر پہاڑ کے چڑہاؤ اوتار نے سب کو خصوصاً مریضہ کو سخت تکلیف ہوئی، لیکن پہاڑ کے مناظر سے بہت دل بہلتا رہا ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا اونچے اونچے صنوبر شمشاد، سفیدار کے درختون کی سرسبزی سنسناتی ہوئی ٹھنڈی ہوا طرح طرح کے خودرو گل بوٹے چشمے آبشار یہ سب ایسے منظر تھے جس سے دل کو فرحت اور طبیعت کو شگفتگی نہ ہو مگر خورشید بیگم کو ہولناک مرض نے اور اختری کو چھوٹے والی نانی کی علالت نے ان مناظر قدرت سے دل بہلانے کی فرصت نہ دی۔ پھر بھی یہ تبدیلی شہر کے مزاج کسی قدر سنبھال رہا دس بارہ دن کے بعد طبیعت کسی قدر رو بصحت معلوم ہوئی یہ حالت چندہی روز رہی پھر جس حالت پر مرض تھا اوسی حالت پر ٹھہر گیا، بارش موقوف ہوگئی تھی، پہاڑ کی سردی اعتدال پر تھی، ایک مہینہ کچھ دن اوپر سکون کی حالت قائم رہی، یہان بھی نامی ڈاکٹرون کا علاج بڑے حکیم صاحب کے بنوائے ہوئے جوارش اور عرق بھی ڈاکٹر کی اجازت سے وقتاً فوقتاً دئے جاتے تھے، عرق بیدمشک بید سادہ اختلاج کے لئے بہت مفید ثابت ہوا تھا۔ علاج جو امکان بشری مین ہو اور جو روپیہ کے صرف سے میسر آسکتا ہو، سب ہوا۔ ایک ہفتہ کے لئے دہلی سے ایک نامی حکیم صاحب تشریف لائے، ہر دوار سے ایک مشہور بید کو بھی بلا کے دکھایا، بالآخر ہومیوپیتھی علاج بھی ہوا مگر۔ ع

مرض بڑھتا گیا جون جون دوا کی

باب ۴

کہتے ہین گور غریبان پہ گذرنے والے
ہائے کیا چین سے سوتے ہین یہ مرنے والے

آخر تاریخ —— صبح صادق کے بعد انتقال ہوگیا۔ پہاڑ کی ایک گھاٹی مین چشمہ و سبزہ زار تھا یہین ایک چھوٹی سی قدیم مسجد بھی تھی مالک زمین سے یہ قطعہ پہلے ہی خرید لیا گیا تھا یہین دفن ہوئین۔ ایک سید صاحب جو یہان مدت سے فقیرانہ فروکش تھے ان کو پانچ روپیہ ماہوار پر قبر کی مجاوری اور قرآن خوانی کا

انتظام سپرد کرکے خورشید مرزا اختری کو مع ملازمین لکھنؤ مین لے آئے ۔ ملازمین سے افشائے راز کا اندیشہ تھا اور کوئی قدیم ملازم بھی نہ تھا اس لئے سب کا حساب کر دیا گیا ایک ایک مہینہ کی تنخواہ بطور انعام خوشنودی مزاج دے کے رخصت کر دیا۔

خورشید مرزا کے گھر مین اختری کا داخلہ

صرف ایک دن پہلے دونون لڑکیون کو اس نئے مہمان کے آنے اور اسی گھر مین قیام کرنے کی اطلاع دی گئی، ایک مختصر کمرہ جو زنانہ مکان مین، دیوان خانہ سے متصل تھا خالی کرا لیا گیا تھا اس کا فرش درست کیا گیا، سفیدی پتوا دی گئی، چھت مین پردے لگا کے ایک چھوٹی سی مسہری لگا دی گئی، مختصر مگر خوبصورت اسباب ضروری مسند تکیہ فرش خاصدان اگالدان، لمپ شمعدان، سنگار میز مع سامان یہ سب قرینے سے لگا دیا گیا۔ کمرہ سادہ سادہ سامان سے سج دیا گیا۔

دونون لڑکیان ما بین اصلین یہ سب آپس مین سرگوشیان کر رہی ہین۔ یا الٰہی کون آنے والا ہے۔ اتنی خاطر داری یا وا جان نے کسی کے لئے نہین کی، خدا خیر کرے کوئی گل پھولا چاہتا ہے۔ وہ دہری جہان سے آئی تھی وہی سلسلہ اب تک چلا جاتا ہے۔ آبا جان کبھی باہر نہین جاتے تھے، جب سے کئی مرتبہ سفر کو سدھارے خدا جانے کیا اسرار ہے ہمین کیا معلوم مگر آثار اچھے نہین ہین۔ سب سے زیادہ جعفری کو تلاطم ہے۔

جعفری۔ دیکھئے کیا ہوگا۔ دیکھئے یہ بی اختری بیگم کیا گل کھلاتی ہین (نام بتا دیا گیا تھا عزیز داری بھی کہدی گئی تھی)

نادری۔ (جعفری کی یہ تلاطم دیکھ کے) باجی مجھے نہین معلوم ہوتا کہ تم اسقدر کیون گھبرائی ہوئی ہو۔ آخر ہوگا کیا۔ آبا جان کی کوئی عزیز تھین اُن کی اکلوتی لڑکی ہے، بن مان بن باپ کی، مان آبا جان کے ہاتھ مین اس لڑکی کا ہاتھ دے گئی ہین آبا جان پرورش کرین گے۔ اختری کون ہے ہماری عزیز ہے۔ اختری کی مان آبا جان کی رشتہ کی بہن تھین اختری ہماری بہن ہوئی۔ چلو ہم تم دو بہنین تھین ایک اور بہن آتی ہے۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔

جعفری۔ (جھڑک کے) بجی (گویا دو سال کا بڑاپا آپ بڑی بوڑھی ہین اور چھوٹی بہن بچہ ہے) تو جانے جتنے عزیز ہین کیا مین انکو نہین جانتی، یہ کونسی نئی عزیز پیدا ہوئی ہین۔ اچھا آتی تھین تو آتین یہ آبا جان کی بوکھلاہٹ سو طرح طرح کے شبہ ہوتے ہین، ایک ذرا سی لڑکی کے لئے یہ انتظام یہ سامان

آج تک خالائین بھی آئین یہ پہچان بھی ، ائے لو چار دن کا ذکر ہے خدا بخشے نانی اماں سال مین دو ایک دفعہ
آتی تھین کسی کے لئے یہ اہتمام یہ سامان نہین ہوئے - کمرہ خالی کردو اُسین جھاڑو دلوادو ، سفیدی پھروا
دی گئی دریان چاندنیان بچھوائی گئین خاصدان اوگالدان ، لسلہ لوٹا پینی قلعی ہوئی یا اللہ یا اختری
ایسی کہان سے رنگا کے آئین گی اور ساری حکومت مجھ جیسے مین اختری کی لونڈی ہون ، نا صاحب مجھ
سے کسی کی ماماگیری نہین ہوگی - مین باز آئی -

نادری - باجی خدا سے ڈرو ، ابا جان نے تم کو گھر کا مالک سمجھ کے سب کامون کو کہا اور کسی سے نہ کہتے ؛
اس کا شکریہ ادا کرنے سے گئین الٹے ابا جان کو الزام دینے لگین - واہ !

جعفری - بڑی ابا جان کی طرفداری ، مین نے سو دفعہ کہا تم میرے بیچ مین نہ بولا کرو کچھ تو سمجھتی ہون
جو اتنی پریشان ہون - مین ایسی گھر کی مالک بننے سے باز آئی ، بیوی تم کو اختری کی ماما بن کے رہنا نصیب
ہو - مجھ سے یہ دھندا نہ ہوگا -

نادری - اختری بن ماں باپ کی لڑکی ہے ہمارے گھر مین مہمان آئی ہے ہمکو خاطرداری کرنا لازم ہے اس مین
ماماگیری کونسی ہوگئی -

جعفری - بڑی نیک خدا ترس اے بی بیٹھو وہ باتین کرو جو تمھارے سن پر زیب دیتی ہون ، مین سو
بات کی ایک بات کہہ دون مجھ سے ابا جان کی تابعداری ہو سکے گی ، اب بچا ہو کہ ایرے غیرے آئے گئے کی
بھی جوتیان سیدھی کرون یہ نہ ہوگا ، یہ تم کرنا - خیر ابھی تو یہ دیکھنا ہے کہ بی اختری مین کس بات کی -

نادری - ہان یہ تم نے ایک بات کہی ، پھر ابھی سے کیون تلملائی جاتی ہو - دیکھ تو لو - اور جو وہ
تم سے بھی بڑھ کے سگھڑ ہو اور تمکو خود بیوی بنا کے طاق پر بٹھا دے اور خود گھر کا کام اپنے سر اٹھا لے ،

جعفری - ہا ابھی تو مین سوچتی ہون گھر بھر سے مجھے کام نہین اگر ابا جان کے کام کو کسی نے ہاتھ
لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا - بھلا یہ کب مجھ سے دیکھا جائے گا کہ وہ ابا جان کو پان بنا بنا کے دین یا
خاصدان مین گلوریان رکھ کے باہر بھجوائین ، اُسی وقت تو مین جیتے سے اکھڑ جاؤن گی -

نادری - نہین صاحب ابا جان کے کام کو وہ کیون ہاتھ لگانے لگی ، بیچاری غیر تمھارے ہوتے
کیون دخل دینے لگی -

جعفری - اچھا دیکھنا - ابا جان کی لوکھلاہٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بی اختری مین کوئی خیر -

اختری کی سواری آتی ہے

گلابی جاڑے کے دن، اب ساڑھے چار بجے ہیں۔ دھوپ انگنائی سے بالکل چلی گئی، اب کوٹھوں
پر ہے، برسات جا چکی ہے۔ اب کوئی نکہت پانی برسنے کا باقی نہیں ہے۔ رضائیاں بھرنے کا سامان ہے روئی
دھنکی جاتی ہے۔ تیسرے پہر کا کوٹھوں پر بیٹھنا گیا کیونکہ سر شام سے سردی شروع ہو جاتی ہے۔ مسہریاں پلنگ
انگنائیوں اور کوٹھوں سے اندر کے دالانوں اور کمروں میں جا چکی ہیں، حلوا سوہن والوں کی آوازیں کانوں
میں آنے لگی، نمش بکنے لگی، آم بازار میں کہیں کہیں ہیں مگر بہت گراں اور کھانے میں بے مزہ ہاں شریفہ
کثرت سے نکل پڑے ہیں۔ ابھی مٹر کی پھلیاں نہیں نکلیں۔ سنگھاڑے آ گئے۔

اختری کی سواری زنانی ڈیوڑھی میں لگائی گئی، کہاروں کی آواز سن کے خود خورشید مرزا دیوان
خانہ سے جلد جلد قدم اٹھا کے زنانی ڈیوڑھی پر گئے، لڑکیوں کو آواز دی، لڑکیوں چلو! نادری خوش ہوئی
جعفری کی تیوری پر بل آ گیا ہے۔ اختری اتری پہلے ہی خورشید مرزا سے چار آنکھیں ہوئیں پھر نادری دوڑ
کے گلے سے چمٹ گئی، نادری مل چکی تو جعفری نے بھی ہاتھ بڑھا کے گلے ملنے کا رسم شرافت ہی ادا کر دیا۔

خورشید مرزا دونوں بیٹیوں کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے، نادری کی ملنساری سے بہت خوش
ہوئے، پیار کی نظروں سے دیکھا جعفری کے اکل کھرے پن سے ناخوش ہو کے ذرا گھور کے ملال ظاہر کیا
جعفری کے اور بھی مرچیں سی لگ گئیں سب سے زیادہ یہ خیال تھا کہ نئی آنے والی نے میری بے رخی اور
باپ کی آزردگی کو نہ دیکھ لیا ہو بلکہ یقین تھا کہ اختری نے آتے ہی آتے باپ کی تیوری بدلی نظر میری
طرف سے دیکھ لیں اسی لیے میں اس وقت اختری کی نظر میں حقیر سُبک ہو گئی۔ اختری کے روبرو ابا جان کا مجھ
سے نگاہ بدل لینا برا ہوا۔ مجھے تو اسپر غصہ آ رہا تھا کہ ابا جان اس ٹانگ برابر کی لونڈیا کو سواری سے اتارنے
دوڑے گئے اور پھر ہم پر یہ حکومت، لڑکیاں چلو! جیسے بیگم صاحب کی سواری آئی ہے، لونڈیاں اوتارنے
جائیں۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی مجھ سے اور ان بیگم صاحب سے نہ بنے گی، میری بات سچ ہوئی نا۔ انکے
آتے ہی آتے ابا جان نے انکو دکھا کے مجھ پر کڑے تیور ڈالے گویا یہ دکھایا کہ یہ تمھاری محکوم بن کے رہنا
گی، ابا جان کی تو میں لونڈی ہوں مگر چاہے کہ دوسرے کے آگے اس کی خاطر سے مجھ پر خفا ہوں گھرکیاں
دینا یہ نہ ہوگا۔

جعفری تو دل ہی دل میں کھول رہی تھی۔ ادھر نادری اور اختری میں خوب ہل جل کے باتیں ہو رہی
تھیں گویا دونوں کی جان پہچان ہے۔ اختری کی ماں کو مرے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن گذرے تھے اور

ماں بھی کون بیٹی کی عاشق زار - اختری کے منہ پر ہنسی کیسی مسکراہٹ کا بھی نام تھا غم کی تصویر بنی ہوئی تھی، اس سکوت کو جاہل ماما اصیلوں نے اور جعفری نے بھی حماقت ستو ہمکت سمجھ لیا، افسوس جس کے دل میں درد نہیں وہ کسی کی غم کی صورت کب پہچان سکتا ہے، مگر پھر بھی اختری نے آپنے کو بہت سنبھالا، نادری تھی تو بچہ مگر ایسی ادسمین سرتاپا بھری ہوئی تھی، اُسنے کسی اشارہ کنایہ سے یہ تازہ سوگواری یاد نہیں دلائی، ادھر اُدھر کی باتین کرتی رہی جسمین ماں کا ذکر نہ آنے پائے پڑھنے لکھنے کا ذکر چھیڑ دیا اختری اچھی خاصی پڑھی لکھی دست و قلم تھی، فارسی مین گلستان بوستان اور ایسی ہی کتابین پڑھ چکی تھی، کلکتہ مین لڑکیاں انگریزی بھی پڑھتی ہین اختری بھی کسی قدر انگریزی پڑھے ہوئے تھی یہ دونوں بہنین حسب ضرورت اُردو لکھ پڑھ سکتی تھین، نادری کو پڑھنے کا شوق تھا جب اُسکو اختری کی قابلیت کا حال معلوم ہوا فوراً اُس سے پڑھنے کا قصد ظاہر کیا، اچھی بہن مجھکو پڑھا دو گی، اختری نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا، سوزن کاری کے کامون مین بھی اختری کو اچھی مہارت تھی اوسکا بھی شوق نادری نے ظاہر کیا، غرضکہ پہلے ہی دن کی دو گھڑی کی بات چیت مین نادری اختری نے آئندہ مل جُل کے رہنے کا پورا منصوبہ درست کر لیا - نادری ایسی بدتمیز نہ تھی جو اپنی بڑی بہن کی بدمزاجی کو اختری سے بیان کرتی، مگر جعفری کے الگ تھلگ رہنے سے اختری کو اُس کے مزاج کا حال معلوم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ گھر کا کاروبار جعفری ہی کے حوالے ہے - اختری سمجھ گئی کہ روزمرہ کی ضرورتون مین خواہ مخواہ اُسکا ٹھین پیدا ہوگی، مگر وہ ماں کے مرنے کے بعد ہر دشواری کے مقابلہ کو آمادہ ہو گئی تھی - اوسکو معلوم تھا کہ وہ اس گھر مین جوان دو لڑکیون کے باپ کا گھر ہے مہمان ناخواندہ کی طرح آکے اتری ہے - اُسکی معذرت کا راز ماں کی وصیت کے لحاظ سے ضرور پوشیدہ رکھا جائے گا - یہ دونون بہنین مجھکو یہی سمجھین گی کہ باپ کے ٹکڑون پر آکے پڑی ہے، اس ذلت کو جو اُس کی واقعی حیثیت اور مقدرت کے خلاف تھی اُسے سر طرح برداشت کرنا ہوگا - پھر یہ گھر اُس کے لئے بالکل نیا تھا وہ اپنے گھر مین دس بارہ ملازمون (عورت مرد ملاکے) پر حکومت کرتی تھی، یہان آکے اُسنے دیکھا کہ نوکرون نے اُس کے آنے کی ذرا بھی پروا نہین کی اُس کی نوکرین اوسکو جھک کے تین تسلیمین کیا کرتی تھین اُٹھتے بیٹھتے بسم اللہ کہتی تھین تعظیم دیتی تھین، یہان دعا تعظیم سب بالائے طاق بلکہ یہان نوکرون نے اُسے دیکھا بھی تو منہ پھیر کے اپنی راہ چلی گئین، تسلیم کیسی معمولی پرسش تک نہ کی - جعفری کا اکل کھرا پن اُسنے آتے ہی آتے دیکھ لیا - خورشید مرزا کے بیٹی بھی دیکھے، اگر کوئی بُرے دل کی ہوتی تو اوسکو اس انتقام سے لطف آتا اُس کے نیک دل نے یہ کہا کہ صرف میری وجہ سے بے گناہ جعفری پر باپ کی خفگی ہوئی، اس خفگی کا سبب مین کم بخت ناشدنی ہوئی، وہ جعفری کی بے اعتنائی اپنے ساتھ ناعاجب نہین

گئی تھی۔ اوسکو معلوم تھا کہ خورشید مرزا ایک اوسط درجہ کی منفعت کے رئیس ہیں، خاندانی حیثیت اور
قدرت کے اعتبار سے جعفری کی کفو نہ تھے وہ میری وجہ سے جو اخراجات بڑھیں
گے انکو مدزاید خیال کرکے گھر کا بلکہ اپنا نقصان سمجھتی ہوگی، یہ اور بات کہ ابھی خیال نہیں ہے، اُس کا بھروسہ فقط خورشید
مرزا پر تھا۔ مگر یہ بھی وہ سمجھ گئی تھی کہ لڑکیوں کے سامنے باپ سے زیادہ اخلاص بڑھانے کی کوشش کرنا سخت
بدنما ہوگا دور دراز کا رشتہ سہی مگر پھر بھی غیر ہوں یہ اگر خورشید مرزا (ماموں جان) کے پاس زیادہ گھسی
رہوں گی تو لڑکیاں ضرور برا مانیں گی۔ وہ عشق و الفت کی گناہگار پہلوؤں سے بالکل ناواقف تھی اس لئے
یہ اُسے گمان نہ تھا کہ ناجائز بدگمانیاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں اور خوب ہوا کہ اُس کا خیال اس حد تک نہیں پہنچا
جب سے ماں نے خورشید مرزا کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا وہ اُن کو اپنا باپ ہی سمجھنے لگی تھی، مگر بدبخت مامائیں
اصیلیں اور اُن کے بد صحبت کے اثر سے جعفری بھی اس بیہودہ اور سخت خلاف اخلاق سوءظن سے باز نہ رہ
سکیں اگرچہ جعفری اس مہمل خیال کو زبان پر نہ لا سکی لیکن دل میں یہ خیال زہر کا کام کرتا رہا جس نے اوسکو
اختری کی طرف سے صاف نہ ہونے دیا۔ اور آخر ایسے نتیجے پیدا ہوئے جو ناظرین کو رفتہ رفتہ معلوم ہوں گے،

خاصہ کے وقت، آج دسترخوان ذرا تکلف سے سجایا گیا تھا اس نئی مہمانی کے لئے تھوڑا سا پلاؤ اور میٹھے
چاول بھی پکوائے گئے تھے اور ستم یہ ہے کہ جعفری کو اُس کے لئے خرچ دینے اور اہتمام کرنے کی تکلیف ہوئی
تھی، دہی، ملائی، مربہ، اچار، غرضکہ اچھی طرح سے مہمان کی خاطر داری کا خیال کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ
یہ سب خورشید مرزا کے حکم سے ہوا تھا، جعفری کو یہ جدید انتظام سے تازہ ملال ہوتا تھا۔ خصوصًا دسترخوان
پر خورشید مرزا خود بھی موجود تھے اور ہر طرح سے اختری کی دلجوئی اور خاطر داری کا خیال کیا جاتا تھا، ہر چیز
اختری کے سامنے خود خورشید مرزا اپنے ہاتھ سے اُٹھا کے رکھتے جاتے تھے، کھانے پر اصرار ہوتا جاتا تھا، یہ خاطر
داری جعفری کے لئے نشتر کا کام دے رہی تھی، باواجان کی خاص توجہ کا اوسکو دلی رنج تھا، نادری بہر حال
خوش تھی خورشید مرزا جعفری کی حرکتیں دیکھتے تھے، کبھی ٹال جاتے تھے کبھی سب کی نظر بچا کے چشم نمائی کر دیتے
تھے، جعفری اور جلتی تھی اور سلگتی تھی اور ضد سے کام بگاڑتی تھی۔

دوسرے دن نوکروں چاکروں میں یہ لفظیں سنی گئیں، سچ پوچھ باواجان کو کیا ہو گیا ہے، آثار اچھے نہیں ہیں
جدھر جدھر اختری جاتی ہے باواجان کی نگاہیں جاتی ہیں۔ جعفری تو دسترخوان سے فراغت پاتے ہی اپنی صحنچی
میں پلنگ پر جا بیٹھیں اور نوکروں چاکروں کے ساتھ کھٹ پٹ لگانے لگیں، مگر نادری اختری کے ساتھ ہی ساتھ
رہی اور جہاں تک اُس کی قابلیت تھی تازہ مہمان کے دل بہلانے کی کوشش کرتی رہی۔ اختری کا یہ حال
تھا کہ لاکھ ضبط کرتی تھی اپنے کو سنبھالتی تھی مگر آنکھ سے آنسو ٹپکے ہی پڑتے تھے، نیا شہر نیا مکان ماں کا مرنا

آنکھوں کے سامنے چار دن کا واقعہ تھا جعفری جسکو درحقیقت اس [illegible] کا الک سمجھنا چاہئے اس کی [illegible] دن ایسی بے اعتنائی آخر بچہ کا کلیجہ تھا آدمی تھی اور آدمی بھی ایسی [illegible] ہے نازک مزاج [illegible] کی ماں کے مرنے سے اور بھی طبیعت نازک ہوگئی تھی، آخر نادری نے کہا بہن تم بہت تھکی ہوئی ہو تو سویرے سے آرام کرو۔ اختری خود رونے کے لئے تنہائی ڈھونڈھ رہی تھی، اس اشارہ کو پاتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی نادری ضرور کمرے تک پہونچانے جاتی مگر خورشید مرزا کو اندر آتے دیکھکر ٹھٹھک گئی، نادری کے کمرے کے پاس اختری اور خورشید مرزا کا آمنا سامنا ہوا۔

خورشید مرزا۔ کہو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ اب تو بٹیا تمھیں یہاں رہنا ہے شرم نہ کرنا جو چیز چاہئے ہو فوراً کہدینا۔

اختری۔ اس دلجوئی سے متاثر ہوکے کچھ جواب دیا چاہتی تھی مگر آنسو گلوگیر ہوگئے بے ساختہ رونے لگی بلکہ ایک یا دو مرتبہ چیخ مار کے روئی، جسکو نادری حقیقت اور جعفری بناوٹ سمجھی، ماما سے کہتی ہیں دیکھنا کیا فیل دکھاتی ہے۔

خورشید مرزا۔ اختری، اختری، ہائیں بٹیا صبر کرو کیا رو رو کے اپنی جان دوگی، کیا کسی کے ماں باپ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، ہاں سچ ہے کہ تم پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے مگر مشیت الٰہی سے کیا چارہ ہے یہ کہہ کے گلے سے لگا لیا بہت دیر تک سمجھایا۔ تشفی والاسے کے بعد کہا، اچھا جاؤ سویرے آرام کرو۔ ہاں اور تمھارے کمرے میں کون سوئے گا۔ نادری کو پکار کے جاؤ آج کی رات تم بہن کے ساتھ سو رہو کل سے کچھ اور بندوبست کیا جائیگا۔

ہم صفیران چمن سے کوئی اتنا کہدے
شب [illegible] ہم نالہ گرفتار دل کی

اختری۔ جی نہیں اماں جان، میں بچپنے سے اس گھر میں سونے کی عادی ہوں مجھکو ڈر نہیں لگتا بلکہ کسی کے ساتھ مجھکو نیند نہیں آتی، میری !! خدا بخشے بہت اچھی تھے [illegible] ساتھ

سوتی تھی، آخر جب مین بےچین ہونے لگی، پلنگ کے نیچے پٹی کے پاس سونے لگی مگر یہ اُسوقت کا ذکر ہے جب میرا سن کوئی چار برس کا تھا۔ جب سے آنا نے انتقال کیا مین اکیلی ہی سوتی ہون۔

کم سن لڑکی کا اکیلے کمرے مین تنہا سونا اس شہر کے قاعدہ کے خلاف تھا اسپر خورشید مرزا نے بہت اصرار کیا۔ اختری بالکل تنہائی چاہتی تھی۔ آخر اُسی کی رائے پر چھوڑ دیا۔

اختری اپنے کمرے مین جہان اُسے ایک مدت عمر کی بسر کرنا تھی اپنی مسہری پر پاؤن لٹکا کے بیٹھی بائین گال کے نیچے ہاتھ رکھ کے اپنی گذشتہ اور موجودہ بلکہ آئندہ حیات کے سلسلہ ملانے لگی۔

اُسکو آج ہی سے یہ فکر پیدا ہوئی کسی طرح جعفری کو ملانا چاہیے۔ جہان رہنا ہے مل جل کے رہنا چاہیے اگر جعفری کی بےرخی ایسی ہی رہی یا اور بڑھ گئی تو زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ اچھا مین تا المقدور کوشش کرون گی۔

حکیم جعفر علی صاحب جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، نہایت ہی وجیہ تھے بلکہ خوشرو سمجھے جاتے تھے گندمی رنگ میانہ قد ناک چہرا زی چوگوشیہ ٹوپی اُن کے سر پر لاکھ بنا دیتی تھی، صورت سے شوقین مزاج معلوم ہوتے تھے مگر واقعہ صورت کے خلاف تھا۔ محض طالب العلم تھے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد طب کا اجازہ بھی حاصل کر چکے تھے، کئی سال تک کلکتہ مین رہ کے ڈاکٹری کے اصول سے بھی واقف ہو گئے تھے عمل بالید (جراحی) کی بھی کسی حد تک مشق کی تھی مگر اس کی جرات نہین کرتے تھے، انتہا کے محتاط اور خدا ترس تھے، اب اپنے آبا مین مستقل مطب شروع کیا تھا، کسی ہندوستانی رئیس تعلقدار کی سرکار سے ملازمت کا سلسلہ بھی ہو گیا تھا۔ خورشید مرزا صاحب سے علاوہ دوستی کے کچھ دور کی قرابت بھی تھی جسکا ذکر ہو چکا ہے حسن اتفاق سے اختری کی ننہال سے قریبی رشتہ تھا۔ جب خورشید بیگم پہاڑ پر گئی ہین یہ ہمراہ گئے تھے، اُن کی علالت کے زمانہ مین اکثر آٹھ آٹھ دن جا کے رہے معالجہ خصوصاً تیمارداری مین اُن سے بہت مدد ملتی تھی، اختری سامنے ہوتی تھی، خورشید مرزا کے گھر مین لڑکیاں چھپتی تھین مگر کچھ ایسا گہرا پردہ نہ تھا۔ ہان نادری بہت چھپتی تھی اسلئے کہ اُس کے ساتھ نسبت کا خیال ہوا تھا۔ عزیز داری کی وجہ سے آمد و رفت مین کمی نہین ہوئی۔ ان کی صفات پسندیدہ کے ساتھ جوان صالح متقی پرہیزگار اس سن مین انتہا کی احتیاط، خورشید مرزا کو ان سے بڑی محبت تھی، وہ نادری کو بڑا خوش نصیب سمجھنے لگے تھے کیونکہ یہ تقرر اُن کے حسب دل خواہ ہوا تھا اور اس سے بہتر ہو نہ سکتا تھا۔ اختری انکو بھائی صاحب کہتی تھی اور بے تکلفی سے ہمکلام ہوتی تھی۔ تکلف اور شرم بیجا جسکو جھینپ کہتے ہین وہان ہوتی ہے جہان

پانی مرتا ہے جب دل صاف ہون تو ان ڈھکوسلون کی ضرورت نہین رہتی، ہان کینہ ناپاک طبیعت کے لوگ
تو عیب جوئی سے باز نہین رہتے بلکہ تہمت اور بہتان لگا دینے کو بائین ہاتھ کا کھیل سمجھتے ہین، ایسے
لوگون سے دور دور رہنا چاہیے مگر ان کی بیہودہ گوئی کی پروا نہ کرنا چاہیے، یہ لوگ حسن معاشرت کی ترقی
کے دشمن ہین اور ان کا بس جہان تک چلے گا جہالت کے تیرہ و تاریک غارون سے باہر نہ نکلنے دین گے۔

حکیم سید جعفر علی صاحب جعفری بیگم کے چھوٹے بہنوئی ہونے والے تھے اب جو وہ اس گھر مین آئے اور
اُن کی توجہ بھی اختری ہی کی طرف زیادہ پائی تو یہ ان کو اور بھی ناگوار ہوا، باپ کی وجہ سے رشک تو تھا اب
دوسرے رشک کا سبب پیدا ہوا۔ غرضکہ بے چاری جعفری کے مقدر مین بے آگ سلگنا لکھا ہوا تھا۔

اختری کی انگلیٹ بہت نازک نہ تھی، اُس کی طبیعت نازک تھی، جثہ نازک نہ تھا، مگر ماں کا طولانی
مرض جس کی تیمارداری کا بار چھوٹے سے سن مین اُسی کے سر پڑا تھا۔ امید وبیم کی حالت، مرض الموت کا متواتر
عجیب عجیب صورتین بدلنا اور ہر صورت مین اول سے زیادہ خوفناک کلکتہ سے لکھنؤ پھر لکھنؤ سے منصوری
اور وہان امیدون کا خاتمہ، مایوسی کا سامنا، رونا پیٹنا ماتم داری سوگواری یہ سب ایسے صدمہ نہ تھے کہ
اُس کی صحت پر برا اثر نہ ڈالتے، اُسکو بخار آنے لگا تھا اور تپ لازمی ہوا چاہتی تھی مگر خورشید مرزا خصوصاً
حکیم جعفر علی کی ہمدردانہ کوششون نے خوفناک نتیجون سے بالآخر محفوظ رکھا، مگر لکھنؤ مین آنے کے بعد
مہینہ دو مہینہ تک وہ علیل رہی، اس درمیان مین حکیم صاحب کی آمد ورفت زیادہ بڑھتی گئی، وہ اختری
کے راز سے بھی واقف تھے لیکن اُن سے افشاء راز کا بالکل خوف نہ تھا۔

حکیم صاحب اور اختری کی دو دو باتین

حکیم صاحب کے آنے کی خبر سن کے پردہ ہو گیا تھا جعفری حسب معمول اپنی صحنچی مین نوکرون پر گھر کے
روزانہ انتظام کے بارے مین احکام جاری کر رہی تھین، نادری کوٹھے پر چلی گئی تھی، اختری اور حکیم صاحب
قریب قریب تنہا ہین ما بین اپنے قرینہ سے دُور دُور رہین۔

حکیم صاحب۔ معمولی مزاج پرسی، نبض و قارورہ کا ملاحظہ۔ نسخہ مین خفیف سی تبدیلی پرہیزی کھانے
کے متعلق گفتگو ختم کر کے، کہئے چھوٹی بیگم صاحب جعفری بیگم صاحبہ سے کیسی بنی۔

اختری شکوہ شکایت سے لب آشنا نہ تھے اوسکو شکر گذاری ہی آتی تھی، وہ دوسرے کا الزام اپنے
سر لینے کو موجود رہتی تھی وہ ہمیشہ دوسرے کی غلطیان معاف کرنے کے لئے آمادہ تھی) اچھی تو وہ مزاج کی
بھاری بھرکم ہین بہت جلد کسی سے میل کر لینا بے تکلف ہو جانا اُن کی طبیعت مین نہین ہے ابھی تو بہت تھا

کے نہین ملین لیکن جب ملین گی تو اچھی طرح ملین گی۔

حکیم صاحب (اس عورت کی بدطینتی سے اچھی طرح واقف ہوچکے تھے) مجھے تو اس کی بہت کم اُمید ہو۔ بہر صورت کوشش کرنا چاہیئے۔

اختری۔ مین کوشش کرون گی اور اپنی قابلیت سے بڑھ کے کوشش کرون گی۔ مین اُن کے خوش کرنے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھون گی آیندہ میری تقدیر۔

حکیم صاحب۔ تمھاری تقدیر کو اس سے کیا سروکار وہ اپنا سر کھائین گی، پھر آپ ہی آپ افسوس ایسی فرشتہ خصلت لڑکی سے بھی اگر جعفری خوش نہ ہون تو یہ اُن کی بدقسمتی ہو۔ سخت مشکل یہ ہو کہ اصلی واقعات نہ جعفری کو معلوم ہین اور نہ ابھی اُن پر ظاہر کرنا مصلحت ہو، اگرچہ مین ہمیشہ سے اس مصلحت کے خلاف ہون انسان کو اُس رتبہ پر دکھانا چاہیئے جو اوسکا مرتبہ ہے نہ کم نہ زیادہ، جس طرح کسی کے رتبے سے اوسکو بالاتر ثابت کرنا بُرا ہے اوسی طرح اصلی حیثیت سے کم دکھانا بھی، دونون طرح دھوکے ہوتے ہین اور اکثر خلاف مزاج اُمور واقع ہوا کرتے ہین جن سے سخت تکلیفین ہوتی ہین اور رنج پہونچتے ہین۔ جعفری کی بدباطنی سے مجھکو بڑا اندیشہ ہے، خورشید مرزا صاحب کی رازداری مجھے پسند نہین ہو۔

اختری۔ وہ کیا کرین یہ تو خدا بخشے امان جان کی وصیت ہو۔ ماموں جان خود حیران ہین جعفری بیگم پر وہ میری وجہ سے خفا ہوتے ہین مجھکو دلی صدمہ پہونچتا ہو مگر مین مجبور ہون۔ پھر مین کہتی ہون کہ مین اُن کے خوش رکھنے کی کوشش کرون گی۔

حکیم صاحب۔ این خیال است و محال است و جنون۔

اختری۔ تو پھر آپ ہی فرمائیے کیا کیا جائے۔

حکیم صاحب۔ سوائے کوشش کرنے کے کیا کہا جائے وہ تم خود کہہ رہی ہو۔

اختری۔ دیکھئے پھر وہی بات آئی نہ۔

حکیم صاحب۔ ہان سچ ہے اور ہو ہی کیا سکتا ہے، اچھا خدا حافظ۔ مجھے ایک مریض کو دیکھنے جانا ہی

اختری۔ (اُٹھ کے تسلیم کی) خدا حافظ!

جعفری جب تک وہ بیٹھے رہے تو چپکی کونے مین دبکی بیٹھی رہین جب چلے گئے اور یہ معلوم بھی ہوگیا کہ گئے کیا حکیم صاحب گئے۔ ماماؤن نے کہا کب کے گئے، آپ کو اب خبر ہوئی، جی ہان گلوریان اُسی طرح رکھی ہین، ہان صاحب اب ہم سے کیا کام نئے نئے لوگون سے میل ملاپ بڑھ رہیگا۔ اب ہمین کون پوچھتا ہو۔ ہائین کر بخت تو نے بھی نہ کہا کہ حکیم صاحب جاتے ہین، لے لو کل سے مجھکو حرارت معلوم ہوتی ہو، سر مین درد

کبھی ہے۔ میں نبض دکھانے کو بھی مجھے کسی نے خبر تک نہ کی اب اس گھر میں میرا رہنا فضول ہے۔
یہ سب باتیں اس طرح بلند آواز سے کہیں کہ اختری نے سب سنیں سخت صدمہ ہوا جواب دینے کا موقعہ نہ تھا دل میں گھٹ گھٹ کے رہ گئی۔ علالت کا حال سن کے خیال ہوا کہ سچ تو یہاں فقط بہانہ تھا، صرف الزام رکھنا منظور تھا۔ اگر یہ کہتی ہے کہ حکیم صاحب کو پھر بلا بھیجوں خصوصیت ظاہر ہوگی اس سے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ ہاں جب خورشید مرزا گھر میں آئے اُن سے بیان کیا۔

اختری۔ باجی کی طبیعت ناساز ہے۔ حکیم صاحب آئے مگر مطب کو دیر ہوتی تھی چلے گئے کل اُن کو بُلوا بھیجیے کیونکہ اُن کے آنے کا ٹھیک نہیں ہے۔ روزانہ تو آتے نہیں شاید دو تین دن نہ آئیں خدانخواستہ باجی کی علالت کو طول ہو جائے۔

خورشید مرزا اپنی صاحبزادی کو خوب جانتے تھے، کچھ جواب نہ دیا۔ تیوری چڑھا کے منہ پھیر لیا جعفری خود اس موقعہ پہ نہ تھیں۔ مگر گو بیٹے سے لگے ہوئے تھے ذرا ذرا سی بات پہونچاتے تھے۔ کل واقعہ اُنکو معلوم ہو گیا۔ جب خورشید مرزا باہر چلے گئے جعفری پھر بگڑنے لگیں۔ صاحب میرے علاج معالجہ کی کوئی سعی سفارش باواجان سے نہ کیا کرے۔ مجھے یہ چونچلے نہیں اچھے لگتے اور نہ مجھے یہ ڈھکوسلے پسند ہیں روز نسخے بندھ رہے ہیں فضول پیسہ اُٹھ رہا ہے۔ قدح کے قدح چڑھائے جا رہے ہیں۔ ہم بیمار بھی ہوتے ہیں تو ایسے ہی موٹی دھیلے کی خطمی دھیلے کا بنفشہ منگا کے جوش کر کے ذرا سی مصری ڈال کے پی لیا چلو بھلے چنگے ہو گئے۔ ہم یہ نخرے کیا جانیں کہ روز قارورہ رکھا جاتا ہے نبضیں دکھائی جاتی ہیں۔ ٹھنڈائیاں بھگوئی جا رہی ہیں، آلو لے کے مربے آرہے ہیں سونے چاندی کے ورق کی گڈیاں کی گڈیاں صرف ہو رہی ہیں۔ موتی یاقوت زمرد جواہرات سماق کے کھرل میں حل ہو رہے ہیں رہیں چھچھوروں میں خواب دیکھیں تھان کے۔

دلخراش طعنوں کا حرف بحرف نشتر بن بن کے اختری کے کلیجے میں چبا مگر بیچاری لہو کے سے گھونٹ پی کے چپ ہو رہی۔ مشکل یہ تھی کہ خورشید مرزا اختری کی مقدور بھر کی حیثیت سے اُس کی پرورش کرنا چاہتے تھے کیونکہ اُن کا لڑکا ایسا جو اُنھیں صرف نہیں ہوتا تھا اور حتی المقدور خود بھی صرف کرنے کو موجود تھے اور جعفری اسکو اپنے باپ کے مال کا ضائع ہونا خیال کرتی تھی اور دل کی تنگی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اس لئے اُس کی ناگواری بھی کچھ بیجا نہ تھی۔

چلے کے جاڑے ہیں جیبوں سے ہاتھ مشکل سے باہر آتے ہیں، دوپہر دن چڑھے تک لحاف سے نکلنے

کو جی نہیں چاہتا۔ انگیٹھیاں گلے میں پڑ جائیں تو چین آئے، بوند بھر کا دن ہوتا ہے ابھی صبح ہوئی ابھی نو بج گئے۔ کھانا کھاتے کھاتے دوپہر ہوگئی۔ دوپہر ڈھلی کسی قدر سردی کم ہوئی تھی کہ تین بجے بعد سے پھر وہی جاڑا۔ اختری اور جعفری کا وہی عالم ہے مگر ایک طرف تو جعفری سناتے سناتے تھک گئی اُدھر اختری کو کہنے سننے کی عادت سی ہوگئی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں نبھ جائے گی مگر توبہ کیجیے دوستی ہو یا دشمنی جب تک اصلی اسباب معدوم نہیں ہوتے ان کا باقی رہنا ضروری ہے۔ اختری پر خورشید مرزا کی توجہ خرچ کی زیادتی یہ اسباب تھے، خورشید مرزا نے جو عہد اختری کی ماں سے کئے تھے انکو بیٹی کی خاطر سے کیونکر بھول جاتے کوئی وجہ نہ تھی کہ اختری کے حال پر التفات نہ کیا جاتا بلکہ کچھ ایسے سانحے درپیش ہوئے جن سے التفات نے زیادہ ترقی کی اختری کو اُس کی مقدرت کی نسبت سے کم سہی مگر اُسکی خوشی کے لئے خرچ کا دینا ضروری تھا مگر خیریت تھی کہ اختری کو جو کچھ دیا جاتا تھا وہ جعفری سے بلکہ سب سے چھپا کے دیا جاتا تھا۔ اختری زبان کی چٹوری نہ تھی، کپڑے کا بھی اُسکو شوق نہ تھا نہ شان شوکت دکھانے کا حوصلہ تھا۔ اُسکو چھپا کے نیکی کرنے کا دلی شوق تھا۔ کسی کو ننگا بھوکا نہیں دیکھ سکتی تھی مگر کھلم کھلا دینے کی اگر اُسکو اجازت ہوتی یا اُس کی والدہ کی مصلحت کے خلاف نہ ہوتا تو گھر کے نوکروں کو وہ اتنا دیتی کہ سب اُسی کا کلمہ بھرتے۔ جعفری کا کام چھوڑ کے اُس کا کام کرتے مگر یہ اسکو منظور نہ تھا۔

جعفری کے ملانے کی اُسنے از حد کوشش کی وہ کہتی تھی کہ جعفری سے میل کئے بغیر وہ اس گھر میں خوش نہیں رہ سکتی، دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر مگر جعفری کے دل میں خناس گھسا ہوا تھا نہ نکلا پر نہ نکلا۔ اسی کوشش کے سلسلہ میں ایک مرتبہ جعفری اپنی ایک رشتہ کی پھوپھی کے گھر مہمان جانے والی تھی۔ اختری نے منت سے کہا باجی میری اچھی باجی مجھکو بھی لیتی چلو بارے جعفری بھی کچھ نیکی کے دم میں تھی راضی ہوگئی۔

دونوں لڑکیوں نے نہا کے کپڑے بدلے جعفری کا لباس پھولدار اطلس کا پاجامہ کریپ کا دوپٹہ بہاری کرتی، جامہ دار کا شلوکہ بیلدار، اختری کا لباس سادہ تھا سفید ریشمی ٹین سکھ کا پاجامہ بہت لہنگا رنگا ہوا جنگل بارڈر کا دوپٹہ سادی کرتی۔ جعفری گہنا بھی بھاری پہنے تھی جڑاؤ پتے بالیاں، کانوں میں ہاتھوں میں موٹے موٹے سونے کے کڑے پاؤں میں پازیب چھاگل، گلے میں ست لڑا کی ہیکل، گلے تعویذوں کا طوق۔ اختری کے ہاتھ گلے میں کچھ نہ تھا، صرف کانوں میں زمرد کے آویزے پڑے تھے، نادری نے بیچاری کہا کہ اختری کے پاس گہنا نہیں ہے اپنا گہنا پہنا کے بھیجنا چاہا۔ [illegible]

پڑ گئی مگر اختری نے کسی طرح منظور نہ کیا، اختری ضدّن نہ تھی نہ بے سمجھے بوجھے بات بات پر اڑ جانے کی خو تھی لیکن قول کی پوری تھی جو ایک مرتبہ سوچ سمجھ کے کہدیا گویا پتھر کی لکیر تھی، اسکو مزاج کا استقلال کہتے ہین اُس کی اس خصلت سے چند روز رہنے کے بعد سب کو اطلاع ہوگئی تھی، اس لئے سب اُسکو اُس کی خوشی پر چھوڑ دیتے تھے۔

دونون بہنون کو خیال تھا کہ اختری کے پاس گہنا نہین ہر، اگر کہین اُسکے زیور کا صندوقچہ جو مقفل پڑا تھا اور برسون اُس کے قفل کھولنے کی ضرورت نہین ہوئی یہ لوگ دیکھ لیتے تو پھر گہنے کا نام نہ لیتے، وہ کون سا زیور تھا جو دوہرا دوہرا تہرا تہرا اُسکے پاس نہ تھا۔ ہر عدد قیمتی جڑاؤ، اُس کے زیور کا تخمینہ ۵ ہزار سے کم نہ تھا۔ اسوقت جعفری اُسکو غریب سمجھے ہوئے تھی، اُسکو یہ بھی خبر نہ تھی کہ اُس کے صرف بُندے جعفری اور نادری دونون کے پورے زیورون سے زیادہ قیمتی تھے خیر اسوقت تو جعفری کو اپنے گہنے اور لباس پر فخر تھا، لیکن ایک تو وہ قدرتی حسین تھی، دوسرے نیکی نے ایسا نور اُس کے چہرے کو بخشا تھا کہ جعفری اُس کے مقابلہ مین اپنے آپ کو حقیر سمجھ رہی تھی۔ اُس کے اس سادہ پن مین وہ شان تھی کہ جو اُسکو ایک نظر دیکھتا سمجھ لیتا کہ کوئی امیرزادی ہے۔ اُس کی رفتار گفتار مین کہین چھچھورے پن کا شائبہ نہ تھا۔ تکلف یہ تھا کہ تمکنت اور غرور بھی اصلاً نہین پایا جاتا تھا۔ عضب کا بھولاپن تھا۔ مگر وہ بھولاپن نہین جسکو حماقت کہتے ہین بلکہ دُنیا کے مکر فریب سے بے خبر ہونا ہوشیاری چالاکی اُس سے دُور تھی لیکن نیکی کے ساتھ جو ذہانت متانت اور اقبال مندی کے آثار ہوتے ہین وہ اُس کے ہر انداز سے پیدا تھے، وہ حکومت کرنے کو پیدا ہوئی ہے کسی کی محکوم نہ رہے گی اُس کے آگے لوگ ہاتھ پھیلاتے رہین گے اُس کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

قریب شام دونون لڑکیان سعادت گنج مین (مرزائی بیگم جعفری کی پھوپھی کے مکان مین پہونچین) اختری کو مرزائی بیگم نے دیکھا نہ تھا لیکن اُس کے خورشید مرزا کی لے پالک ہونے کا حال اُن کو معلوم ہوگیا تھا۔ مرزائی بیگم نے دونون لڑکیون کو گلے لگایا مختصر حالات دریافت کئے۔

مرزائی بیگم کے دو بچے ایک لڑکا کوئی سات برس کا دوسری لڑکی ۵ برس کی، یہ دونون بچے بہت پیارے تھے جب یہ دونون سواریان آئین وہ دونون بھی قریب آگئے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی اور کے بھی آنے کی اُن کو توقع تھی۔ بات یہ تھی کہ جعفری تو ہمیشہ کی اکل کھری تھی اور سب سے اُس کا یہی انداز تھا لیکن نادری کے مزاج کا حال سبکو معلوم ہوچکا ہو کہ وہ بڑی ملنسار عموماً ہر بچہ

سے اور خصوصًا ان دونوں بچوں سے اُسکو خاص محبت تھی کبھی خاص ان کی خاطر سے پھوپھی کے مکان پر آتی اور دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لے جاتی، کئی کئی دن تک ساتھ رکھتی، ہرچند جعفری بیگم کے خلاف ہوتا مگر وہ ٹال جاتی، اب بہت دن سے نادری کا آنا نہیں ہوا تھا جب سے اختری آئی تھی اور جعفری کی بے رُخی اختری کی طرف سے دیکھی تھی اوسکو اختری کے ملال کا بہت خیال تھا، ہر وقت اُسی کے ساتھ رہتی تھی اور اُس کا دل بہلاتی رہتی تھی۔ جعفری بیگم کبھی پھوپھی کے پاس نہ جاتیں مگر مرزائی بیگم نے جعفری سے کچھ روپیہ قرض لیا تھا، خاص اُس کے تقاضے کے لئے گئی تھی، اختری کو اس کا حال معلوم نہ تھا۔ جعفری نے رات کو تو کچھ نہ کہا دوسرے دن صبح کو روپیوں کا تقاضہ کیا اور اس طرح کہ اختری پر بھی یہ حال کھل گیا۔ مرزائی بیگم بیچاری کے پاس روپیہ نہ تھا حیلہ حوالہ کرنے لگیں، دونوں بچوں کو اس جھگڑے کی تو خبر نہ تھی، نادری کو بار بار پوچھتے تھے۔

لڑکا۔ چھوٹی باجی نہیں آئیں۔

لڑکی۔ اب وہ کہاں آتی ہیں۔ برسوں ہو گئے (اس چھوٹی لڑکی کا برسوں چھ مہینہ سے زیادہ نہ تھا)

اختری نے اپنے ہر دل عزیزی یہاں بھی ظاہر کر دی۔ مرزائی بیگم کو کہیں اتفاق سے اکیلا پا کے، لے لیجئے پھوپھی اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو یہ دس دس روپیہ کے دو نوٹ میرے پاس ہیں جعفری باجی کو دے دیجئے مگر اُن سے نہ کہئے گا، کہ میں نے دئیے ہیں۔ مرزائی بیگم اختری کی یہ مروت یہ فیاضی دیکھ کے دنگ ہو گئیں۔

مرزائی بیگم۔ پھر بٹیا خدا جانے تم کو کب ضرورت ہو اُسوقت میرے پاس روپیہ نہ ہو تو تم کو تکلیف ہو گی، مرزائی بیگم کو کیا معلوم تھا کہ اختری کو ایسے ایسے بیس روپیہ کے واپس لینے کی ہرگز ضرورت نہ ہو گی۔ اگر اختری کو مرزائی بیگم کے ملال کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ اُسی وقت کہدیتی کہ واپس دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اُسکو خیال تھا کہ مرزائی بیگم کی غیرت شاید اس بار احسان کو قبول نہ کرے، اختری نے دبی زبان سے کہا جی نہیں مجھکو اس کی ابھی ضرورت نہیں ہے جب آپکے پاس ہونگے دیدیجئے گا۔ جب آپ جعفری نادری کی پھوپھی ہیں تو آخر میری بھی کوئی ہوئیں، مرزائی بیگم نے اس قرض حسنہ کو بخوشی منظور کیا، دل سے دعا نکلی۔

مرزائی بیگم کے میاں نواب مرزا مصوری کا کام کرتے تھے، اگلے مصوروں میں تھے مگر اب عکس کشی پر بسر اوقات تھی، بیوی سے اختری کی نیک دلی اور فیاضی کا حال سُن کے اُن کو بھی اس لئے پاک

لڑکی کا خیال پیدا ہوا - اختری کی رغبت تصویرون کی طرف دیکھ کے اُنھون نے بہت سی قلمی اور عکسی تصویرین اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی اختری کو دکھائی - اِن تصویرون کو دیکھ کے اختری کے دل مین ایک نیا خیال پیدا ہوا اُس کے پاس ایک چھوٹی سی عکسی تصویر مان کی موجود تھی - ہان جعفری سے شاید اُسنے سُن لیا کہ پھوپھا تصویر بناتے ہین، اسی لئے ساتھ لیتی آئی تھی، بہر صورت اختری کو یہ خیال ضرور آیا تھا کہ غیر مرد کو مان کی تصویر دکھاؤن یا نہ دکھاؤن پھر اُسنے دل ہی دل مین فیصلہ کیا تمام پردہ ستر جیتے جی کا ہے وہ تو اب ایسے پردہ مین ہین کہ تا قیامت اُن کو کوئی نہین دیکھ سکیگا - تصویر کا پردہ ایک مہمل خیال ہے - ظاہر ہے کہ اختری کوئی مجتہد نہ تھی جو صحیح رائے قائم کر سکتی مان کی محبت نے اُسکو یہی فتوی دیا کہ اس سے بہتر موقعہ نہ ملے گا، امان جان کی بڑی سی تصویر قلمی رنگین لباس اور زیور کے ساتھ زندگی بھر اُن کی صورت میری آنکھون کے سامنے رکھے گی - آخر اُسنے نواب مرزا سے چپکے چپکے بات چیت طے کی، تصویر بنگال کے وہی، ڈھائی سو روپیہ پر فیصلہ کیا، نواب مرزا صاحب نے دو مہینہ کی مہلت چاہی، اب روپیہ کے پہونچانے کی دقت تھی، اختری نے وعدہ کیا کہ گھر جا کے مین سوا سو روپیہ آپ کو دون گی، اس کے سوا اور بھی میرا ایک کام ہے مگر ابھی اُس کا موقعہ نہین ہے جاڑے کے بعد مین آپ کو پتے کے پہاڑ پہ بھیجون گی اور امان جان جہان دفن ہین اُس جگہ کی ایک تصویر آپ سے بنواؤن گی -

ظاہر ہے کہ ان معاملات سے نواب مرزا کو اختری کی خفیہ مقدرت کا کچھ حال معلوم ہوگیا ہوگا - اس کے

بعد میان بیوی مین جو باتین ہوئین یہ ہین :-

نواب مرزا - (بیوی سے) یہ لڑکی اختری جسکو بھائی خورشید مرزا نے اپنے گھر مین رکھا ہے کوئی ایسی ویسی لڑکی نہین معلوم ہوتی - اوّل تو اُس کی صورت شکل پر امیرانہ پن ہے دوسرے بھائی خورشید مرزا کے پاس ایسی کہان دولت پھٹی پڑی ہے کہ وہ ایک لے پالک لڑکی کو سیکڑون ہزارون روپیہ خرچ کرنے کو دے سکین -

مرزائی بیگم - مین نے تو صورت دیکھتے ہی کہدیا تھا کہ یہ کوئی بڑے گھرانے کی صاحبزادی ہے - خدا جانے بیچاری پر کیا مصیبت پڑی جو پرائے گھر مین آ کے پڑی ہے، اور سنا تم نے بی جعفری اُس کو اپنے باپ کے گھر کا پیچ پڑا ہوا ہے کہ ہر وقت کوڑی رہتی ہے - سچ کہون مجھکو تو بڑا معلوم ہوا بلکہ مین نے دو ایک دفعہ ٹوکا بھی میرے تو جی مین آیا تھا کہ وہ دن گیا کہ ایک تم بکتی ہو کہ بیس روپیہ کے لئے ڈولی پر چڑھ کے تقاضے کے لئے ڈیوڑھی آئین تم سے تو یہ غیر لڑکی اچھی کہ کبھی کی جان نہ پہچان بیس روپیہ کھٹ سے رومال کے پھینک دئے مگر کیا کہون اُسنے قسمین ایسی دیدی تھین کہ کسی سے نہ کہئے گا -

نواب مرزا - تو کیا تم کو اُسنے بیس روپیہ دئیے تھے -

مرزائی بیگم - یوں سمجھو کہ دے ہی دئے - یہ بھی اُس کی انسانیت ہے کہ قرض کے نام سے دئے پھر قیامت کا وعدہ جب چاہے اگلا دیجئے گا - یہ روپیہ آپ اپنا ہی سمجھئے - گویا اشارہ کنایہ سے یہ کہا کہ انکے پھیرنے کی ضرورت نہ ہوگی، اب کیا میں ایسی بچہ ہوں کہ اتنا بھی نہیں سمجھتی -

نواب مرزا - اور بی جعفری اپنے گہنے پاتے پر کیسی اتراتی ہیں - اختری کے کانوں میں جو دو آویزے پڑے تھے وہ بھی تم نے دیکھے -

مرزائی بیگم - ہاں قیمتی ہوں گے - اتنا تو میں بھی سمجھ گئی -

نواب مرزا - جی ڈھائی ہزار سے کم کا جوڑ نہیں ہے - ابھی ان دنوں میں جب میں راجہ صاحب کے تعلقہ پر گیا تھا دو بیسے زمرد کے بکنے کو آئے تھے اُس کے زمرد اس سے ذرا چھوٹے تھے - جوہری ۳ ہزار مانگتا تھا - میں نے تو اسی خیال سے اختری کے کان سے اُتروا کے دیکھے - جوہری کے بندوں سے بڑے اور زمرد اسکے بہت رنگین ہیں، اُن کا رنگ ایسا تھا میں نے ڈرتے ڈرتے ڈھائی ہزار کہے ہیں، میرے خیال میں تو کوئی آنکھ بند کرکے بیچے تو ڈھائی ہزار چھوٹتے ہی جوہری دے دیگا اور وہ پانچ ہزار کو کسی سرکار میں لگا دیگا، بی جعفری کا سارا گہنا پانسو چھ سو سے بڑھ کے نہ ہوگا اُسپر بچوں کے بھل چلتی ہیں - گھر پر تو میں نے کبھی پہنے نہیں دیکھا، یہاں ہم کو شان و شوکت دکھانے آئی تھیں، اس طرح بیس روپیہ مانگنے کو مجھکو سخت ناگوار ہوا لڑکی بڑی اختری ہے - اس سے چھوٹی بہن لاکھ درجہ اچھی ہے اُس کی صورت پہ بھولا پن ہے آنکھ میں پیلا ہے -

مرزائی بیگم - یہ تو کہو اختری سے تم سے بھی تو کچھ چپکے چپکے باتیں ہو رہی تھیں کیا کہتی تھی -

نواب مرزا - ماں کی عکسی تصویر دی ہے - رنگین بڑی تصویر بنوائی ہے ! دو جانے کے بعد پہاڑ پہ بھیجی کو کہہ گئی ہے - تصویر کا معاملہ ڈھائی سو روپیہ ٹھہرا ہے آدھے روپیے پہلے دے گئے ہیں -

مرزائی بیگم - یہ روپیہ کس طرح ملیں گے -

نواب مرزا - کہا ہے جس وقت آپ وہاں آئے گا، چیک دوں گی یا نوٹ -

مرزائی بیگم - یہ لڑکی ضرور مالدار ہے - یہ بھی بھائی صاحب کی خوش قسمتی ہے - معلوم ہوتا ہے ماں ہاتھ میں ہاتھ دے گئی ہے - آباد لے لوبات میں بات نکل آئی بھیا کی چھٹپن میں کہیں شادی ٹھہری تھی ہو نہ ہو وہی سلسلہ ہے - یہ خورشید بیگم کی لڑکی تو نہ ہو، تصویر کی پشت پہ بھی نام تھا -

نواب مرزا - اچھا تو اس کو ہم کیا - میں تو سچ کہوں مجھے تو یہ لڑکی بہت ہی اچھی معلوم ہوئی اور مجھ سے جہاں تک ہو سکیگا اُس کے کسی کام میں کوتاہی نہ کروں گا -

مرزائی بیگم۔ نہین صاحب، تم کبھی کبھی جاکے دیکھ آیا کرو۔ گر بہیا تو نہ بُرا مانین۔

نواب مرزا۔ یہ مین نے پہلے ہی سمجھ لیا ہی، خورشید مرزا صاف دل کے آدمی ہین یہ جعفری خدا جانے کس پر پڑی ہی اکل کھری جگ سے بُری۔ خورشید مرزا کو میری نسبت کوئی شک نہین ہوسکتا، وہ مجھکو خوب جانتے ہین کہ مین غریب ہون مگر کبھی مین نے کسی کے مال کی پروا نہین کی نہ کسی کا آجتک دو پیسے کا ممنون ہون، ہان اِس امیرزادی کی غربت ملنساری بھولے پن اور دل کی فیاضی نے میرا دل کھینچ لیا، یہ بھی اُس کی نیکی تھی کہ مجھ سے مان کی تصویر بنوائی، ایسی کیا ضرورت تھی، یہ ایک طور سے احسان کرنا تھا اور اس طرح احسان کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔ ڈھائی سو جس کام کے لئے دئے ہین زیادہ سے زیادہ سو روپیہ کا کام ہے۔ مین نے یون ہی دل دیکھنے کو ڈھائی سو کہے تھے اُسنے میرے منہ سے نکلتے ہی منظور کرلئے، پھر مین نے خود گھٹانا چاہا مگر اُسنے اِس بہانہ سے کہ مین اول درجہ کا کام چاہتی ہون۔ جیسا روپیہ دیا جائے گا ویسا ہی کام ہوگا۔ اتنے سے سن مین یہ رئیسانہ خیال بے شک کوئی خاندانی رئیس زادی ہی اِس لڑکی نے اگلے رئیسون کا سا دل پایا ہی۔

مرزائی بیگم۔ چلتے چلتے پانچ روپیہ بچون کو مٹھائی کے نام سے دے گئی۔ ایک بات میری سمجھ مین آتی ہی یہ لڑکی محبت کی بھوکی ہی۔ یہان کچھ اکیلی سی پڑ گئی ہی۔ اُس کا جی چاہتا ہی کہ لوگون کو اپنا بنا لون یہ بھی تم نے دیکھا آنکھ مین موہنی ہی۔ یہ جسکو ایک نظر دیکھ لے گی اپنا گرویدہ بنا لے گی۔

اچھا نواب اُس کی خوشی ہی اُس کی مان کی تصویر دل لگاکے بنا دو۔ ذرا مین بھی تو دیکھون کیسی تصویر ہے کس کی تصویر ہی۔ تصویر (دیکھ کے) کچھ خواب سا یاد آتا ہی، بے شک خورشید کی تصویر ہی۔ ذرا پھر دیکھون پھر غور سے دیکھ کے۔ ہان میان کو تصویر کا ایک نشان دکھا کے۔ یہ کیا ہی اِس طرف گال پر۔

نواب مرزا۔ مسا ہی یا بڑا سا تل ہی۔

مرزائی بیگم۔ ہان، ہان خورشید بیگم، ضرور خورشید بیگم۔ مین نے بچپن مین دیکھا تھا، جب امان جان زندہ تھین۔ اچھا تو اب مجھ پر سارا حال کھل گیا۔

نواب مرزا۔ خدا کے لئے کسی کے آگے نہ لے بیٹھنا، خدا جانے کس مصلحت سے یہ بھید چھپایا گیا ہی۔ ہم کیون ظاہر کرین۔

مرزائی بیگم۔ کیا مجھے تم نے دیوانہ بنایا ہی، مین ایسی پیٹ کی ہلکی نہین ہون شاید چھپایا ہی بہتر ہو کوئی اور دعویدار نہ ہو۔ شاید ظاہر ہونے مین اِس بن مان بن باوا کی بچی پر کوئی آفت آجائے۔ بھلا مین کہون گی، میری زبان سے آدھی بات نکلے تو زبان کاٹ ڈالنا۔ سب ایک طرف اُسنے مجھکو بھتیجین دی

ہین کہ ذراسی بات کسی سے نہ کہئے گا اسمین مجھکو نقصان پہونچیگا۔ اگر کہتی تو اب کبھی نہ کہون گی، ہمین کیا کام آم کھانے سے غرض ہو یا پیڑ گننے سے، خدا کرے جیتی رہو اور نصیب اچھا ہو۔

نواب مرزا۔ ہا، یہ نہ کہو، آم کھانے سے بھی غرض نہ ہو تو بھی پیڑ نہ گننا چاہیے، کسی کے راز کا افشا کرنا گناہ عظیم ہو۔

مرزائی بیگم۔ تم مجھ سے خاطر جمع رکھو۔ تو پھر آج جاؤ۔ مرزائی بیگم کو سوا سو روپیہ ملنے کی جلدی تھی۔

نواب مرزا۔ ذرا صبر کرو، آج کل نہین۔ اس طرح کہ ابھی کل دونون لڑکیان گئی ہین، مین جاؤن گا تو لوگ چرچا کرینگے۔

مرزائی بیگم۔ ہان، سچ ہو خصوصًا یہ جعفری آفت کی بنی ہوئی ہو، خدا جانے کیا خیال کرے۔

نواب مرزا۔ کوئی کچھ خیال کرے۔ مین آج کے چوتھے دن جمعہ کی نماز سے ہو کے جاؤن گا۔

باب ۶

ہُرمزی

خورشید مرزا کے مکان کے پچھواڑے، میر کاظم حسین زردوز کا مکان تھا، کچا یک منزلہ صرف ایک دالان اُس کے آگے چھپر سامنے ڈیوڑھی باورچی خانہ۔ انگنائی بھی بہت بڑی نہ تھی، کچی چھت پرانا چھپر جو تھوڑی سی بارش سے ٹپکنے لگتا تھا۔ میر صاحب ایک بیوہ زینب بیگم اور ایک لڑکی ہرمزی چھوڑ کے انتقال کر گئے تھے۔ زینب بیگم نے سلائی کر کے لڑکی کو پرورش کیا، خلاف دستور لڑکی کو اسکول مین پڑھنے کو بھیجا اسپر محلہ والون نے بڑا چرچہ کیا مگر زینب بیگم نے کسی کی نہ سُنی، بن باپ کی لڑکی تھی بسر اوقات کی کوئی صورت نہ تھی خیال کیا کہ اگر لڑکی پڑھ جائے گی تو کہین اسکول مین پڑھانے پر نوکری ہو جائے گی۔ اُسکی جوانی اور میرا رنڈاپا کسی نہ کسی طرح کٹ جائے گا۔ عزیز کنبہ مین لڑکیون کی شادیان ہوتے دیکھ کے شادی سے اُس کا دل بھر گیا تھا۔ یہان تو کچھ دینے کو نہ تھا جو لڑکیان بھاری جہیز لے کے بیاہی گئین اُن مین سے کئی کا انجام یہ ہوا کہ شوہر صاحب بدوضع نکلے، سارا جہیز چار دن مین بیچ کے رنڈیون کو کھلا دیا، جب کچھ نہ رہا بیوی کو بھی میکے کا راستہ بتایا خود شہر سے فرار ہو گئے۔ اگر شہر ہی مین رہے شہدون کے ساتھ ہو

میں لٹھ لئے خاصے کتّے ماروں کی شکل ادہر اُدہر پلیس کی آنکھ بچا کے اینڈتے پھرتے ہیں کسی غریب کو روپیہ
بھناتے دیکھا جا کھڑے ہوئے حضت وہ کل والے پیسے تو دلوائیے، روپیہ بھنانے والا حیران کہ پیسے کیسے،
جی آپ بھول گئے، کل یوسف بیگ کے جوتے پر قرض نہیں لئے تھے چار راہگیر جمع ہو گئے کسی نے سچ
جانا کسی نے جھوٹ، آخر انھیں کے ساتھ والے گرگوں میں سے ایک نے سمجھایا حضت یہ بڑا شہدا ہے
کچھ دے کے جان چھڑائیے، غرض دو آنہ پر فیصلہ ہوا۔ کوئی راہ گلی میں اکیلا مل گیا چادر اُتروا لیا۔
کپڑے چھین لئے، کہیں گرفتار ہو گئے تو جیل خانہ آباد کیا، غرضکہ شریف بھلے آدمیوں کی اولاد نے یہ شیوے
اختیار کئے ہیں۔ ہشت مشت جوتی پیزار کے قابل، اور کوئی ہنر آتا نہیں محنت ہو نہیں سکتی، پھر جوانی
کی بے اعتدالیوں سے بھیانک امراض میں مبتلا، گٹھیا کا عارضہ لنجے اپاہج بھیک مانگنے لگے، اور بھی بہت
سے طریقے پیٹ پالنے کے ہیں ایسے جس میں محنت نہ ہو اور صبح سے شام بلکہ آدھی رات تک بارہ آنے روپیہ
مل جائے مگر ایسے پیشوں کے ذکر سے ہم پرہیز کرتے ہیں، انھیں باتوں سے لکھنؤ بدنام ہو گیا۔ اب کچھ دنوں
سے اچھی آمدنی کا پیشہ اکّے ہنکانا خواہ اپنا ذاتی ہو خواہ کسی کی نوکری، اسمیں اچھی آمدنی ہے، چڑھے
ٹڑھے پھرتے ہیں اکثر اکّہ والوں کو گانے کا شوق ہے تو وہ دن رات گاتے رہتے ہیں ان میں سے بعض خوش
آواز بھی ہیں، اس کے سوا درزی کا کام، بوٹا سازی، بہت چلتے ہوئے کام ہیں، چکن کامدانی
زردوزی کا رواج اب نہیں رہا، پھر بھی بڑی مشقت سے صبح سے شام تک چار آنہ ملے، اگر چنڈو کا شوق
ہے تین آنہ کا چنڈو پیا، ایک آنہ کی روٹی نانبائی کی دوکان پر آ کر بیٹھ کے کھائی، غرضکہ شریف بربادی
کا زمانہ ہے اور یہ سب اپنے ہاتھوں کسی قسم کی تعلیم نہیں اچھی صحبت نہیں پھر بنے تو کیونکر بنے انھیں بھیک
مانگنے والوں میں وہ لوگ ہیں جن کے بزرگ صاحب حکومت تھے۔

انھیں خیالات سے زینب بیگم نے لڑکی کی شادی نہیں کی، اب وہ کسی اسکول میں دس روپیہ ماہوار
پاتی ہے ٹیچر جی کہلاتی ہے، ماں مدت ہوئی آنکھوں نے جواب دیا، سوئی کا ناکہ نہیں سوجھتا، ٹانکے
نہیں دکھائی دیتے، دوسرے فالج کے گرنے سے دونوں پاؤں رہ گئے، چارپائی پر اکیلی پڑی رہتی ہیں
پانچ بجے کے قریب بیٹی کی ڈولی اسکول سے آئی، دال پکائی چپاتیاں توے پر ڈالی تھیں، ماں کو
کھلائی تھی پھر جب بیٹھ کے خود بھی کھانا کھایا خدا کا شکر کرکے سو رہی پھر صبح سے اٹھی نماز پڑھی تڑکے
سے دال خشکا چپاتیاں تیار کر دیں، ماں کو کھلائیں خود کھائیں، اتنے میں اسکول سے ڈولی آ گئی،
ٹیچر جی چلیں ٹیچر جی روانہ ہوئیں ادھر پانچ بجے امّن زینب بیگم اکیلی پڑے پڑے پلنگ کے پائے توڑا کریں
ہیں، کیا بری زندگی ہے، مگر شریف خاندان سادات تباہ ایسی شکایت سے لب آشنا نہیں ہر وقت

تقوی، عبادت کی فکر، نماز روزہ کا ذکر جو حال ہے بہت خوب ہے نہ اس سے ترقی کی اُمید ہے نہ خدا کی رحمت سے تنزل کا خوف۔ لڑکی کے دَم کا سہارا، خدا اُسکو جیتا رکھے بلکہ میری زندگی بھی اُسی کو جائے، ہر فرزی نہ ہوتی تو اب تک خیرات خانہ میں ہوتی یا کسی سڑک پر آکے سے کچل کے مری پڑی ہوتی۔ اب آرزو ہے کہ ہر فرزی کے ہاتھوں میری مٹی سوارت ہو جائے۔

ایک دن سر شام اختری نادری کے ساتھ کوٹھے پر چڑھی ایک طرف مونکھا تھا اسمیں سے سر نکال کے نادری نے کسی کو سلام کیا، کسی نے دُعا دی جیتی رہو۔ نادری نے پوچھا ہر فرزی آپا اچھی ہیں جواب ملا ہاں اچھی ہے۔

نادری۔ کہاں ہیں؟ جواب۔ اسکول گئی ہے۔ کب آئیں گی؟ جواب۔ وہی چار بجے کے بعد۔ اب اختری کو اشتیاق ہوا۔ نادری سے کہا، بہن میں بھی دیکھوں کس سے باتیں کرتی ہو۔ نادری نے زینب بیگم سے بطور خود تعارف کیا اس طرح ایک ہماری بہن ہیں وہ بھی آپ کو تسلیم کرتی ہیں۔

زینب بیگم۔ کیا جعفری کے سوا کوئی اور بہن ہیں۔ یہ کون سی بہن ہیں۔

نادری۔ یہ آبا جان کے رشتہ کی کوئی بہن تھیں اُن کی بیٹی ہیں اب ہمارے ہی ساتھ رہتی ہیں۔

آخر اختری نے مونکھے میں منہ ڈال کے زینب بیگم سے خود بات چیت کی۔ اتنے میں ہر فرزی بھی آ گئیں اختری سے فوراً جان پہچان ہو گئی۔

اختری۔ (ہر فرزی سے) بہن ہمارے گھر میں آؤ گی۔

اس مُلاقے میں تی الجملہ تفرقہ پایا جاتا تھا غریب آدمی جن میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے ذرا نازک مزاج ہوتے ہیں۔ ہر فرزی نے جواب دیا جو ہمارے گھر میں آتا ہے ہم بھی اُس کے گھر میں جاتے ہیں۔ یوں آپ ہی آپ کسی کے گھر پر دوڑ کے جانا اپنی ذلت اور دوسرے کو تکلیف دینا ہے۔

اگر کوئی اور ہوتا تو شاید اس جواب کا توڑ کے ہاتھ پر رکھ دینے سے بُرا مان جاتا اور پھر کبھی ان لڑکیوں میں میل جول نہ ہوتا۔ اختری بات کا پہلو سمجھ گئی، نہایت عاجزانہ لہجہ میں جواب دیا۔

اختری۔ تو کیا بہن ہم کو تمہارے گھر پر آنے میں کوئی عذر ہے۔ میں سر آنکھوں سے آؤں گی اچھا تو جب میں پہلے آؤں گی پھر تم آؤ گی۔

اختری محبت کی بھوکی تھی وہ سمجھ گئی کہ ان غریبوں سے میری ایچ نبھے گی۔

ہر فرزی۔ نہیں نہیں، ہر فرزی کو اتنے جواب کی توقع نہ تھی، وہ اپنی غریبی کسی کو دکھانا پسند نہیں کرتی تھی ابھی ایسے تم نے ایسا جواب دیا تھا جسمیں یہ آمد و رفت کا سلسلہ کبھی نہ جاری ہو۔ اور اب بھی اُس کو اس کی بہت کم توقع تھی۔ وہ جعفری کو جانتی تھی کہ اُس کو اپنے باپ کی دولت کا بڑا گھمنڈ ہے۔ اگرچہ وہ اُسکے

ساتھ کی کھیلی ہوئی اور شاید کچھ دنون ایک ہی اُستانی سے پڑھا بھی تھا۔ یہ جب کا ذکر ہے جب وہ اسکول مین
نہین داخل ہوئی تھی، ہرمزی کے اسکول مین داخل ہونے کے بعد آمد رفت کا سلسلہ بند ہوگیا تھا نہ اس لئے
کہ خورشید مرزا اور لوگون کی طرح ہرمزی کے اسکول مین بھیجنے کے خلاف تھے بلکہ کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی
مگر ہرمزی کے چال چلن سے بہت خوش تھے۔ اُس کے امتحانون مین کامیاب ہونے انعام پانے مڈل پاس
کرنے نوکر ہوجانے کا حال معلوم تھا، مڈل اُس زمانہ مین چھوٹی فضیلت کا درجہ مانا گیا تھا، لڑکیون کا کیا ذکر محلہ
کے مسلمان لڑکون مین سے ڈو ہی ایک اس درجہ تک بھی پہونچے تھے باقی سب ابتدائی تعلیم کے بعد اسکول
چھوڑ کے آوارہ پھرنے لگے تھے۔ اس لڑکی کا مڈل پاس کرنا ایک تعجب کی بات تھی۔ خورشید مرزا ہرمزی کو کوئی
چیز سمجھتے تھے مگر صرف دس روپیہ کی نوکری سے جو کہ انکے نزدیک ایسی پڑھی لکھی لڑکی کے لئے بہت ہی
کم تھے۔ ان کی نظر مین نسوانی تعلیم کی وقعت کم ہوگئی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے خصوصاً اپنی لڑکیون کو سنا کے

خورشید مرزا۔ ہرمزی بڑی لائق ہے۔ اُسنے اپنی ماں کو خوب سنبھال لیا۔ اگر یہ لڑکی نہ ہوتی زینب بیگم،
بیچاری کی کون خبرگیری کرتا۔ مشکل یہ ہے کہ وہ کسی کا احسان بھی تو نہین اُٹھانا چاہتی۔ یہ شرافت ہے،
تیسرا فاقہ ہو تو بھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائین۔ کیا کہنا سیدانیان ایسی ہی ہوتی ہین۔

خورشید مرزا کی دونون لڑکیون کو پڑھنے لکھنے کا شوق نہ تھا خصوصاً جعفری تو صرف روپیہ کی لالچی تھی،
چمڑی جائے دمڑی نہ جائے، اگرچہ جزرسی بلکہ خست عورت کی صفت ہو تو اس صفت مین جعفری بے مثل تھی
خورشید مرزا ہرمزی سے میل جول کو پسند کرتے تھے بلکہ جعفری نے جو محلہ کے کم ظرف کمینون چھوٹے درجہ
کی لڑکیون سے ملنا شروع کیا تھا وہ خورشید مرزا کو ازحد ناگوار تھا۔ جعفری نے اس لئے ان لڑکیون سے میل
کیا تھا کہ سودا سلف انکے ذریعہ سے ہوتا تھا، نظیرن، الہٰ بخش کنجڑے کی لڑکی سے ترکاری بہت سستی ملتی ہے
نصیبن قلعی گر کی لڑکی دو پیسہ پر چھوٹی پتیلی قلعی اپنے باپ سے قلعی کرا لائی، کریمن منہیا کی لڑکی عید کے دن
دو آنے کو وہ جوڑا پہنا گئی جو اور چوڑی والیان چار آنے سے کم کو نہ دیتین۔ غرضکہ اسی قسم کے ذلیل خیالات
سے ان چھوکریون کو لگا رکھا تھا، ایک فائدہ ان سے یہ تھا کہ ماما اصیلون کی چوریان یہ لڑکیان خوب کھولتی
تھین۔ کتھ ڈلی مین بُوا حشمت نے ایک آنہ کتر لیا، کریمن سے معلوم ہوا وہ پنساری سے جا کے پوچھ آئی۔
اختری کی طبیعت ایسے کمینی صحبت مین کیا لگتی وہ ایسی لڑکیون کو دو چار آنہ انعام کے طریقہ سے دیدینے
کو بُرا نہین سمجھتی تھی مگر یہ کہ وہ خاص کمرے مین اس کی مسہری کے پاس جا کے بیٹھین اور گھل مل کے باتیں
ہون ہنسی مذاق ہو۔ ڈھول بجے گانا ہو یہ سب اس کے مزاج کے خلاف تھا، المختصر ہرمزی کو اپنی طبیعت
کے موافق پاکے فوراً میل ہوگیا، زیادہ تر اُسکو زینب بیگم کی تنہائی پر ترس آتا تھا، خورشید مرزا کی اجازت

عام ہوچکی تھی - یہ اکثر کھانا کھاکے وہین چلی جاتی اور دن دن بھر رہتی، زینب بیگم کے دل سے دعا نکلتی تھی - اختری اکثر سلوک بھی کرتی رہی مگر اس خوبصورتی سے کہ غیرت دار آدمی کو ناگوار نہ ہو - اختری کے حمایتی رفتہ رفتہ ترقی کرتے جاتے تھے - جعفری کو یہ بھی شاق تھا -

باب

اختری کا راز خورشید مرزا حکیم جعفر علی، نواب مرزا مصور اور اُن کی بیوی، اتنے لوگون پر کھلا ہوا تھا کم و بیش ان مین سے ہر شخص کو اختری کی مقدرت کا حال معلوم تھا، اگرچہ صحیح اندازہ کسی کو نہ تھا - انکے سوا دو اور شخص تھے جن کو صرف اتنا معلوم تھا کہ خورشید مرزا کسی نہ کسی طرح سے زر کثیر پر تصرف رکھتے ہین ان مین سے کسی کو یہ بھید نہین بتایا گیا تھا - ایک شیخ احمد علی مختار عام خورشید مرزا صاحب کے یہ بڑے دیانت دار کارگذار شخص تھے، لیکن اب مدت سے صاحب فراش تھے اور جانبری کی کوئی اُمید نہ تھی ان کا بھتیجا مراد علی اب چچا کا قائم مقام تھا، یہ بڑا چالاک تھا مگر کام مین بھی بہت ہوشیار تھا - قانون رائج الوقت سے بھی اچھی طرح واقف تھا - مقدمہ تصنیف کرنا اس کے بائین ہاتھ کا کرتب تھا یہ ہر وقت اسی اُدھیڑبن مین رہا کرتا تھا کوئی مقدمہ ایسا ملے جسمین جعل کی ضرورت ہو جھوٹی دستاویزین بنا رکھی ہین، خلاف واقعی شہادت بہم پہونچائی جائے جھوٹے گواہ بنائے، اِن ناجائز کارروائیون کو یہ بڑی دانشوری اور قابلیت خیال کرتا تھا - جب سے یہ اس سرکار مین دخیل ہوا تھا اسنے بعض مقدمات مین ایسی کامیابی حاصل کی تھی کہ خورشید مرزا کو اس کی ذات پر پورا بھروسہ ہوگیا تھا اور شیخ احمد علی کی قدامت کے خیال نے بھی اُن کو اسکا بہت خیال تھا گویا کہ اب یہی مختار عام تھا - یہ دن رات اسی فکر مین رہتا تھا کہ یہ روپیہ کہان سے آتا ہے - نواب صاحب کی کل جائداد مکانات دوکانین ایک موضع مین چھ آنے کا حصہ باغ پرامیسری نوٹ ان سب سے واقف تھا، اگرچہ جائداد پر قرضہ کا بار عظیم بھاری سود پر نہ ہوتا تو ساڑھے تین سو روپیہ کی آمدنی تھی مگر سود کے مد مین نصف سے زیادہ منافع جاتا تھا، اس لئے خرچ کی تنگی تھی، مگر دستاویزون کے بار بار اُلٹنے سے جو روپیہ ملتا رہتا تھا اُسی پر نوابی ٹھاٹھ تھے اسمین مراد علی کا نفع تھا اُسکو ہر دستاویز کے پلٹنے پر خاطر خواہ کمیشن ملتا رہتا تھا، مالک کو نقصان پہونچاکے اور مہاجنون کا نفع کرا دینے سے بھی

خفیہ رقمیں بطور رشوت مل جایا کرتی تھیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ اُسنے اپنی ظاہری چال سے نواب صاحب کے دل پر اپنی ایمانداری کا نقش بٹھا رکھا تھا، نواب صاحب کا پورا مزاجدان تھا، ہر معاملہ میں دخیل تھا، یہانتک گھر کا انتظام بھی اسنے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا خرید فروخت اسی کی معرفت ہوتی تھی، بزازسے لے کے کنجڑے قصاب تک سے اسی کے ہاتھوں سودا سلف ہوتا تھا اسمیں انتہا کی خیرخواہی اور کفایت شعاری دکھاتا تھا پیسہ پیسہ کا حساب نہایت سختی سے لیتا تھا، کمیشن تک جو ملتا تھا سرکار میں داخل کر دیتا تھا، پھر چاہے نواب صاحب اُس سے دو چند سہ چند سلوک کر دیں اور ایسا ہی ہوتا تھا غرضکہ اپنی چالاکی سے اُسنے نواب صاحب کو شیشہ میں اُتار لیا تھا۔ حکیم جعفر علی کی نسبت نادری سے قرار پا چکی تھی وہ نواب صاحب کے داماد ہونے والے تھے وہ اس کی چالاکیوں سے کچھ کچھ واقف تھے، نواب صاحب کے گھر میں نہیں معلوم کس وجہ سے نادری کو اس کے نام سے نفرت تھی اُسنے اختری کو بھی کسی حد تک اُس سے بدگمان کر دیا تھا مگر یہ بدگمانی کسی وجہ معقول سے نہ تھی۔ مثلاً نادری کہتی تھی اختری سے میں کیا کہوں مجھے تو اس موئے کی آواز سے ڈر لگتا ہے۔ اختری، آخر کیوں؟ نادری، خدا جانے دیکھو تو چال کس طرح چلتا ہے جیسے ریپ جیسے پر تیندوا۔ نادری، اس موئے کی شکل پر خراٹ پن برستا ہے۔

ناظرین یہ نہیں کہ سکتے کہ نادری کی نفرت کا کیا سبب تھا سوا اس کے کہ نیک طبیعتیں دلوں کا آئینہ ہوتی ہیں نیک باطن بد باطنوں سے اور ایماندار بے ایمانوں سے قدرتاً کھٹکتے ہیں۔ مگر ان گھر کی بیٹھنے والی لڑکیوں کو اس مختار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے کہ یہ دل کی نیک تھیں، جعفری اُس کی لیاقت کی قائل تھی وہ جو کچھ بھی اُس کی ایسی صفت تھی جس سے جعفری اُس سے خوش تھیں۔

شیخ احمد علی مختار کے ایک اور بھائی تھے شیخ محمد تقی وہ خورشید مرزا کے گاؤں پر ضلعدار تھے، یہ لڑکا اُنھیں کا تھا، سات برس کا تھا جب باپ نے انتقال کیا، ماں پہلے مر چکی تھی اسی سن سے چچا اپنے ساتھ لکھنؤ میں لے آئے تھے اسی زمانے سے یہ نواب صاحب کے محل میں آ جاتا تھا گویا اسی گھر کے ٹکڑوں پر پرورش ہوئی تھی اس لئے اس سے کچھ ایسا گہرا پردا بھی نہ تھا۔ ع،

دستے ہیں ٹھیکرے کی طرح صاف جواب
اے ظفر کھا کے پلے جو مرے گھر کے ٹکڑے

یہ تو اسکی کیا مجال تھی کہ ٹھیکرے کی طرح لونڈے کے جواب دیتا مگر نمک حرامی میں کوئی شک نہیں جس کا حال ناظرین پر کھلتا جائیگا، نادری تو اسکی صورت سے جلتی تھی بلکہ ڈرتی تھی، البتہ جعفری بیگم صاحب کا بڑا رفیق تھا۔

باب ۸

نادری کی سال گرہ ماہ رجب کی ستر ہوین کو ہونے والی تھی آج نوین رجب کی تھی، نادری اور اختری مین صلاح ہوئی کہ چلو بہن پھوپھی کے گھر چلین، بہت دن ہوئے بدھن منن کو بھی نہین دیکھا ہے گرہ بھی ہی لگاتی ہین چلو اُن کو کہتے آئین گے، دو دن پہلے سے چلے آئین گے جعفری کو یہ مہانداریان ناگوار تھین، جب سے اختری گھر مین آئی اور جعفری نے اُس سے بے رخی کی تھی برخلاف اس کے نادری نے اُس کی بڑی خاطر داری کی، یہان تک کہ دونون مین سگی بہنون سے زیادہ محبت ہوگئی تھی خورشید مرزا کو اختری کا بڑا خیال تھا، نادری اُس سے محبت کرتی تھی اس لئے وہ نادری سے بہت خوش تھے، اور جتنا نادری سے خوش تھے اُتنا ہی جعفری سے ناخوش تھے، اس ناراضی کی کسر بے گناہ اختری سے لی جاتی تھی مگر اختری کو اس کی زیادہ پروا نہ تھی، ہان اسکو رنج ضرور تھا، وہ جعفری کی چھچھوری باتون کا بے پروائی سے کچھ جواب نہ دیتی تھی۔ اگر اختری سے بنائے رکھتی تو جعفری بہت خوش رہتی مگر اُس کی تقدیر مین ہمیشہ جھینکنا پٹینا اور خواہ مخواہ جلنا لکھا تھا، وہ اختری کے پیچھے پڑ گئی اور طرح طرح سے رنج پہونچاتی تھی، مگر یہ اختری کا ظرف تھا کہ اُسنے کبھی خورشید مرزا سے اس کی شکایت نہین کی، ہر ایذا کو برداشت کرلیا مُنھ سے اُف نہین کی۔

سالگرہ کے دن نادری چاہتی تھی کہ نیا جوڑا پہنون اُسنے پہلے اپنی دلی خواہش جعفری سے ظاہر کی ان لڑکیون کو باپ جو کچھ وقتاً فوقتاً دیتے تھے وہ جمع رہتا تھا، کپڑے تو خورشید مرزا خود ہی بنا دیتے تھے مگر کبھی کبھی اپنے پاس سے بھی اپنی خوشی کا کپڑا خرید کے خود بھی اپنے کپڑے بناتی رہتی تھین۔

نادری - اللہ اماّن زیادہ نہین پچیس ۲۵ روپیہ دیدو کچھ میرے پاس ہے ملا جُلا کے ایک جوڑا بنجائیگا۔

جعفری - صندوق مین کپڑے بھرے پڑے ہین نئے جوڑے کی کیا ضرورت، تمھین تو ہر بات کا ہوکا ہے مین تمھاری طرح دیوانی نہین ہون نہ میرے پاس روپیہ ہے، تم نے اپنا روپیہ کیا کیا۔ ہان وہ بدھن منن کی گڑیا کی شادی مین دیا گیا ہوگا، بڑی روپیہ والی۔ رکھنا نہین جانتین، نیا جوڑا نہ پہنو گی تو کیا ہوگا مین روپیہ نہ دون گی۔

ایسا روکھا جواب اور اس سختی اور بےرحمی سے نادری کو بہت ملال ہوا۔ بدھن منن کی گڑیا کی شادی

بڑی دھوم سے ہوئی تھی اور نادری نے سارا خرچ اُٹھالیا تھا، دس روپیہ کے قریب خرچ کئے تھے اسکو سال بھر سے زیادہ زمانہ ہوچکا تھا مگر جعفری جب سے ہزار مرتبہ تو بہن کو گودچکی ہوگی۔

اختری چاہتی تو نادری کو روپیہ دے دیتی مگر اُسکو اپنی مقدرت ان بہنوں پر ظاہر کرنا مقصود نہ تھی، دونوں بہنوں میں جو باتیں ہوئیں وہ اختری نے سُنیں اُسے فکر تھی کہ نادری کی خوشی ہوجائے جعفری نے ایسی بُری طرح باتیں سُنائیں کہ نادری کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اختری کو اسکا بڑا ملال ہوا مگر کیا کرسکتی تھی، آخر اُسنے ایک تدبیر نکالی۔

خورشید مرزا گاؤں پر جانے والے سخت گرمی پڑ رہی تھی لو چلتی تھی۔

اختری۔ اموں جان اندنوں بڑی گرمی پڑتی ہے لو چلنے لگی ہے اندنوں ذرا دن چڑھا اور لوگ تہ خانوں میں چلے گئے پانچ چھ بجے تک تہ خانوں سے نہیں نکلتے اور آپ باہر جنگلوں میں جائیں گے اور ابھی چار دن ہوئے دشمنوں کا مزاج ناساز تھا۔ میں تو جانتی ہوں آپ اپنا جانا ملتوی کیجئے۔

نادری۔ جی ہاں (موئے، یہ بہت چپکے سے کہا تھا مگر پھر بھی خورشید مرزا نے سُن لیا) مراد علی کو بھیج دیجئے، آخر یہ کس کام کے لئے ہے۔

خورشید مرزا۔ (نادری کی نفرت مراد علی سے جانتے تھے اس لئے مسکرا کے) ہا! بٹیا اُس کی جان نہیں ہے، باپ کو تو تہ خانے میں آرام کرنے کو کہتی ہو اور مراد علی کو جنگل میں بھیجتی ہو، وہ بھی تو آدمی ہے۔

نادری۔ وہ مُوا ہٹا کٹا مسٹنڈا اُسکو کیا لو لگے گی۔

اختری۔ جی نہیں اس خیال سے نہیں مگر وہ ایک تو دیہاتی ہے اُسکو اس موسم کی برداشت ہے دوسرے آپ کے سن میں اور اُس کے سن میں بڑا فرق ہے۔ آپکے آرام کرنے کے دن ہیں اُس کے محنت کرنے کے سن ہیں۔

خورشید مرزا۔ (اس معقول وجہ کو سُن کے اور اپنے ساتھ لڑکیوں کی ہمدردی دیکھ کے خوش ہوگئے) میں اُسکو ضرور بھیجدیتا اور خود نہ جاتا۔ مگر اُس کے نام مختار نامہ نہیں ہے اور نہ شیخ احمد علی کے جیتے جی کسی کے نام کا مختار نامہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اُن کی دلی خواہش ہے کہ بھتیجے کے نام مختار نامہ ہوجائے مگر میں اس خیال سے کہ شاید وہ اچھے ہوجائیں ابھی ٹالتا ہوں۔ اگر زیادہ بیمار ہوگئے تو مختار نامہ کرنا پڑیگا۔

اختری۔ ایک وجہ آپکے روکنے کی اور بھی ہے، اسمیں آپ کی شرکت ضرور ہے، شاید آپ کو یاد نہیں ہے نادری کی سالگرہ قریب ہے۔

خورشید مرزا۔ اہاہا! کیئے بی نادری اب آپ کتنی بوڑھی ہوئیں۔

نادری ۔ جی یہ پندرھوین گرہ ہی ۔

ناظرین کو شاید یہ خیال ہو کہ یہ لڑکیان اتنے سن کی ہو گئین رواج ملک کے موافق ابھی تک ان کی شادی کیون نہین ہوئی، بات یہ ہی کہ ہندؤن مین تو عموماً دس بارہ برس کے سن سے پہلے شادی ہو جاتی ہی اور مسلمانون مین خصوصاً امیر گھرانون مین لڑکیون کے سن بڑھ جایا کرتے ہین اور شادی نہین ہوتی ۔ راقم الحروف کو خوب معلوم ہے کہ اونچے گھرانون مین کبھی پچیس ۲۵ تیس برس کے سن تک لڑکیان بیٹھی رہی ہین اس کے بہت سے وجوہ ہین، بعض عام اور بعض خاص، عام وجہ تو یہ ہی کہ اچھا بر نہین ملتا، معاشرت کی خرابی سے اکثر امیرزادے پورے جوان بھی نہین ہونے پاتے طرح طرح کی بلاؤن مین مبتلا ہو جاتے ہین، بیٹی والے کو ایک تو یہ مشکل کہ لائق لڑکا نہین ملتا دوسرے عام وجہ شادی کے واسطے روپیہ کا نہ ہونا، چاہتے ہین کہ اپنے نام نمود کے موافق لڑکی کو جہیز دیکے رخصت کرین، لکھنؤ مین خاص بیٹے والے کھانے جوڑے کے لئے تکرار کرتے ہین، رقم کثیر طلب کرتے ہین، یہ روپیہ مانجھے کے رسم کے ساتھ دیا جاتا ہی، مانجھا بھی دھوم دھام سے ہو دولھا کا جوڑا قیمتی ہو اگرچہ یہ جوڑا کسی طرح قابل پہننے کے نہین ہوتا، اکثر لڑکے گھڑی دو گھڑی بہن کی ماں بہنون کی خوشی کر دیتے ہین، اور بعض ضدی دولھا تو جوڑا پہننا کیسا کنگنا باندھنے مین بھی مضائقہ کرتے ہین، ادہر لڑکی والے چاہتے ہین کہ لڑکا جوڑا پہن کے باہر نکلے شہر مین پھرے، عزیز کنبہ مین جائے ہمارا نام ہو، نہین تو لوگون کو کس طرح معلوم ہوگا ہم نے کیسا جوڑا دیا ۔

خاص وجہ شادی نہ ہونے کی لڑکی کی مان کا نہ ہونا باپ کا بے پروا ہونا مگر سب سے بڑی وجہ ناداری ہے جس سے ہزارون خرابیان پیدا ہوتی ہین، قدیم رسم و رواج کی پابندیان اکثر واجب شرعی امور مین حارج اور مانع ہوتے ہین ۔ مگر اب خدا کے فضل سے اصلاح ہوتی جاتی ہی، اب امیر خاندانون مین چپ چپاتے شادیان ہونے لگی ہین جو کچھ ممکن ہوا عقد کے بعد دولھا کے باپ کو دے دیا ہزار دو ہزار یا پانچ ہزار جیسا اتفاق ہوا اور لڑکی کو رخصت کر دیا ۔ آگے لڑکی کی تقدیر ۔ اگر اچھے کے ساتھ ہوا تو خیر ورنہ زندگی بھر کو دوزخ ہی ۔ ادہر لڑکی جلتی ہی ادہر غریب ماں باپ کڑھتے ہین مگر کچھ بنائے نہین بنتی ۔ یہ ساری عورتون کی تعلیم نہ ہونے سے ہین خواندہ عورت کو شوہر بے وجہ نہین دبا سکتا، علم مین بڑی قوت ہی اگر ماں باپ لڑکیون کو واقعی چاہتے ہین تو اُن کو اچھی طرح پڑھانا لکھانا چاہیے ۔

اختری ۔ ماموں جان تو پھر نادری کو سالگرہ کے دن کیا دیجیے گا ۔

خورشید مرزا ۔ انھین سے پوچھو، مین تو اکثر ایک آدھ عمدہ زیور کا بنوا دیا کرتا ہون، اس مرتبہ بھی جس چیز کی کمی ہو بنوا دی جائے، یا بنی بنائی مول لے دیجائے ۔

اختری۔ مگر اس مرتبہ تو آپ میری خاطر سے نقد دے دیجئے، آپ کی بدولت گہنا موجود ہے کسی چیز کی کمی نہین۔ (نادری کے پاس پورا جوڑ گہنے کا نہ تھا مگر اختری نے دل مین ٹھان لیا کہ شادی کے موقع پر مین اپنے گہنے سے جن عدد دن کی کمی ہوگی پورا کردون گی مگر اسکو زبان سے نہین سناتی تھی اسی خیال کو دل مین لے کے) اور آپ کی سلامتی مین بہت سا گہنا ہو جائیگا اسوقت تو زر نقد کی ضرورت ہے، یہ اپنی خوشی ہے گہنا نہ سہی کپڑا سہی۔

خورشید مرزا۔ (اپنی چھوٹی لڑکی کو جانتے تھے کہ روپیہ رکھنے کا اسکو ڈھنگ نہین آتا) روپیہ فضول اٹھانے کے لئے۔

اختری۔ میرا ذمہ فضول ایک پیسہ نہین خرچ ہوگا۔

خورشید مرزا۔ (کہ ہر طرح اختری کی خوشی منظور تھی) اچھا نقد سہی، صندوقچہ منگوایا پچاس ۵۰ روپیہ کا نوٹ چھوٹی بیٹی کو دیا، یہ رقم نادری کی توقع سے سہ چند سے بھی زیادہ تھی اس لئے کہ خورشید مرزا سالگرہ کے دن پندرہ روپیہ کی گنی دیا کرتے تھے، اب کی خاطر سے اختری کے اور یہ بھی کچھ اشارہ سمجھ گئے تھے کہ کپڑے بنین گے تو پھر ایک گنی مین کیا ہوتا ہے سالگرہ کے موقعہ پر پہننے کے لائق صرف اطلس کے پائجامہ کے لئے پچاس ۵۰ ساٹھ ۶۰ روپیہ چاہئے ہونگے۔

اس رقم کے ساتھ ہی لڑکی کی آنکھ بچا کے سو ۱۰۰ روپیہ کے دس ۱۰ نوٹ اختری کو خرچ کے لئے دئے اور چپکے سے کہا بیٹا آجکل ذرا خرچ کم ہے۔ سمجھ کے اٹھانا۔

یہ بات سن کے اختری دنگ ہوگئی، کیونکہ اس کا روپیہ ایسا کیا اوچھا تھا جو یہ کہا جائے کہ خرچ کم ہے۔ اسوقت اختری کو معلوم ہوا کہ خورشید مرزا نے آجتک جو کچھ مجھکو دیا ہے اپنے پاس سے دیا ہے اسکو یہ معلوم نہ تھا، جانتی تھی کہ خورشید مرزا کی آمدنی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، اس قلیل آمدنی پر میرا بار اور قیامت ہے۔

اختری۔ ماموں جان تو آخر وہ روپیہ (اپنے روپیہ کی طرف اشارہ تھا) کس کا ہے، اس سے زیادہ میری خوشی نہین ہوسکتی کہ آپ اس کو صرف کرین، اور الٹے میرا بوجھ بھی آپنے اپنے سر پر اٹھا لیا ہے مین آپ سے ایک پیسہ آج سے نہ مانگون گی نہ لون گی، چاہے کیسی ہی ضرورت ہو۔

خورشید مرزا۔ یہ مین نہین چاہتا کہ تم کو تکلیف ہو کیونکہ اس سے کیا تم کو تو ملا جاتا ہے۔

اختری۔ نہین ماموں جان مین ایسے لینے سے باز آئی، جب آپ کو تکلیف ہو، نہین تو میرے سر کی قسم کھائیے کہ میرے روپیہ سے آپ صرف کرینگے، اور مہاجن سے کیا فیصلہ ہوا۔ مین کئی دن سے اس فکر مین تھی کہ آپ سے اس کے بارے مین کچھ کہون موقعہ نہین پاتی تھی۔

مہاجن کا یہ معاملہ تھا کہ دس ہزار اصل قرضہ کے بارہ مین جو خورشید مرزا پر واجب الادا تھے، اب پندرہ ہزار اصل وسود کے ہوئے اُسنے مکان اور شہر کے متصل جو باغ تھا اُسکو قرق کرا کے نیلام پر چڑھا یا تھا اور خورشید مرزا کو کہین سے روپیہ قرض نہین ملتا تھا - اسمین مراد علی کی سازش تھی، اُسنے اس خفیہ رقم کی بھنک پا کے مہاجنون کو بہکا دیا تھا چاہتا تھا کہ اس رقم کا حال کھلے تو مجھکو غبن کا پورا موقع ملے خورشید مرزا کی آمدنی کے ذریعے محدود تھے، اور اب نئی دستاویزین بھی کم ہوتی تھین اس لئے اُسکو کمیشن کی رقمین بھی نہ ملتی تھین، اب وہ بیچین تھا کہ کس طرح اس خفیہ دولت کا پتہ چلے تو کارروائی کا موقع ملے، خورشید مرزا اُسکے کم عمر ہونے کی وجہ سے اس راز کو چھپائے ہوئے تھے، چچا سے کچھ تھوڑا بہت حال معلوم ہوا تھا مگر وہ کافی نہ تھا، اسکو غبن کا موقعہ نہ ملتا تھا، اس امانت کے کاغذات یا کلکتہ کے اٹرنی کے دفتر مین تھے یا وہان کے بنکون مین ضروری اسناد خورشید مرزا کے بکس مین بند تھے اور یہ بکس خود اختری کے کمرے مین تھا - کنجی اختری کے پاس تھی - خورشید مرزا ہرگز اختری کی دولت کو ہاتھ نہ لگاتے مگر واقعات نے ایسا مجبور کیا کہ آخر آج بقسم اُن کو اقرار کرنا پڑا کہ مین اس روپیہ سے بطور قرض اپنی ضرورتون کے لئے لونگا اور اختری کو بھی اگر ضرورت ہوگی تو اُس کی رقم سے اُسکو دیا کرونگا، ورنہ اختری نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ اب مین ایک حبّہ صرف نہ کرونگی اور یہ بڑا ستم تھا کہ روپیہ ہوتے ساتے اُسکو تکلیف ہو، یا جو اُس کی خوشی ہو وہ پوری نہ ہو - اُس کے اخراجات کیسے ہی فضول ہون مگر اُس کی دولت کے حساب سے وہ کچھ بھی نہ تھے چھ سات سو روپیہ ماہوار کا خرچ بہت ہی کم تھا - اس گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ آیندہ جو اُسکو ضرورت ہو رقعہ لکھ کے لے لیا کرے -

نادری پچاس روپیہ کی رقم وصول ہوتے ہی اسقدر خوش ہوئی کپڑے خریدنے کا انتظام کرنے لگی، کریمن سے کہا کہ بھاگ کر بزاز کو آج ہی بلا لا، تو بڑی باجی (جعفری) اور اختری باجی کی رائے سے کپڑا خرید کر لیا جائے،

خورشید مرزا - اُٹھ کے باہر گئے، جعفری بیگم صاحبہ خراماں خراماں انگنائی مین آئین اور آگ لگاتی ہوئی آئین اُن کو تو ہر طرح اختری کے ستانے سے کام تھا، اب اسمین چھوٹی بہن کو صدمہ پہونچے اور وہ آٹھ آٹھ آنسو روئے تو اُنکی بلا سے یہ اور ٹھٹھے لگائینگی -

جعفری - بی نادری آج آپکو پچاس روپے ملے - اختری کے طفیل سے مندرہ کے پچاس روپے ہو سکے اپنے باپ سے اور غیرون کی سفارش اُٹھا کے روپیہ لینا، غیرت والے ہوتے تو ایسے روپیہ پر تھوک کر بھی نہ مارتی، ایسے کپڑے کو آگ لگا دیتی، مگر بی نادری کو شرم کہاں -

اس [illegible] کی بھی [illegible] [illegible] [illegible] ہو [illegible]

وہ دن بھر منہ لپیٹے پڑی رویا کی ۔ اختری کو تاؤ بہت آیا مگر وہ اور باتوں کی طرح یہ بھی اپنے دل پر لے رہی۔ تو تو
مَین مَین اُسکے نزدیک باندیوں کا شیوہ ہے شریف زادیاں کسی سے لڑتی نہیں اور اگر لڑ پڑیں تو پھر ملنا
نہ ہوگا۔ ابھی گھر میں رہنا ہے جعفری کا انتظام ہے کھانا پینا اُسکے ہاتھوں ہے۔ یہ سچ ہے کہ میرے ذرا سے
اشارہ سے میری ماما میری باورچن میری بھشتن سارا عملہ جدا ہوسکتا ہے مگر رہنا تو اسی گھر میں ہے یہ تو اُسوقت
مناسب تھا جب الگ مکان بھی ہوتا۔ میں تنہا کہاں جاکے رہوں، ماموں جان اسے کیونکر گوارا کریں گے
کمرے میں اکیلے رہنے کو میری ضد سے اُنھوں نے مان لیا اکیلے مکان میں رہنا کہاں، ابھی میرے چھٹکارے
کے زمانہ میں کئی برس باقی ہیں آخر یہ سب اونچ نیچ سوچ کے اُسکو چپ ہی رہنا پڑا۔ جعفری کی ایک بات کا
جواب نہیں دیا۔

آخر سہ پہر شام نادری کو ساتھ لے کے پھوپھی کے مکان پر چلی گئی۔

مرزائی بیگم، نواب مرزا بہت ہی خوش ہوئے، بڑی خاطرداری کی، سب سے زیادہ بڈھن (لڑکا منن
(لڑکی) کو خوشی ہوئی۔ ادھو نادری باجی آئی ہیں لے لو اختری باجی بھی ساتھ ہیں، اب یہاں ہمارے
گھر میں مہمان رہیں گی۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نادری کی آنکھ بچا کے اختری نواب مرزا کے کارخانہ میں چلی گئیں، ماں کی تصویر قریب تیاری کے
تھی، وہی ایک دن کا کام اور تھا، پھر سنہری چوکھٹا اور شیشہ لگا کے تصویر اختری کو دی جائے گی۔
ابھی قبر پر جاکے سامان کا نقشہ بنا کے لانا ہے، اس کے لئے اخراجات دے دئے گئے، تصویر کے باقی
سوا سو روپئے پہلے ہی ادا کر دئے گئے تھے۔ نواب مرزا اسی ہفتہ پہاڑ پر جائیں گے، کام بھی ہے اور سیر
مفت ہے۔ عکس تصویر کشی کے سامان کی جو کچھ کمی تھی وہ بھی اختری کی مدد سے پوری ہوگئی، بڑی تصویروں
کی فرمائش تھی، بڑے کمرے کی ضرورت تھی، اسکے اور ضروری تیزاب کی بوتلیں اور اور اجزا یہ سب خرید
کر لئے گئے تھے، نادری کی سالگرہ کے دوسرے دن جب مرزائی بیگم گھر پر آجائیں گی، نواب مرزا روانہ ہونگے

باب ۹

ہم بھی اپنی تدبیر سے غافل نہین ہین

یہ لوگ تو یہان اِن ساما نون مین تھے، خورشید مرزا کسی ضرورت سے ایک دن کو گاؤن پر گئے تھے میدان خالی تھا، مراد علی کو جعفری نے بلوا بھیجا خفیہ باتین ہوئین، دیوار ہم گوش دارد، نصیبن مہری کی صحنچی قریب تھی وہ منہ لپیٹے پڑی تھی، جعفری نے کچھ خیال نہین کیا، اُس نے سب سُنا اور یاد رکھا۔ اختری کو سب معلوم ہوگیا، مگر وہ کیا کر سکتی تھی، خاموش ہوگئی۔

معمولی پرسش کے بعد۔

مراد علی۔ آخر یہ نئی بیگم صاحبہ کون ہین؟

جعفری۔ کیا معلوم۔ اتنا جانتی ہون جب سے آئی ہین گھر کو تہ و بالا کر دیا ہے، کیا کہون ابا جان کو کیا ہوگیا ہے، ہماری نواب کوئی اصل ہی نہین ہے۔ ہم تو ماما اصیلون سے بدتر ہین، کھانا اُن کی فرمائش سے پکتا ہے، کپڑا اُن کی خوشی کا آتا ہے۔ ہمپر حکومتین ہوتی ہین (یہ سب جھوٹھ اُس بیچاری نے دو ایک مرتبہ خورشید مرزا کے اصرار سے کسی چیز کو کہدیا ہو کہدیا ہو ورنہ جو کچھ گھر مین پکا چپکے سے کھالیا) اور تو اور بی نادری ایسی بو کھلائی ہوئی ہین، جانتی ہین کہ ابا جان اُن کے کہنے پر چلتے ہین آئے دن اُنکے پاس گھسی رہتی ہین جیسے ہم کوئی نہین، اب وہی ہین جو کچھ ہین۔ آڑ مین ابا جان سے فرمائشین ہوتی ہین، مٹھائی چلی آتی ہے، ترکاریون کا ڈھیر لگا رہتا ہے اپنے بیگانون کے گھر بھرے جاتے ہین (یہ اشارہ مرزائی بیگم اور زینب بیگم کی طرف تھا) کھانا جا رہا ہے ترکاریان بٹ رہی ہین لٹائی جا رہی ہین مال مفت دل بے رحم، باپ کا سا مال، مین کہتی ہون اس گھر کا خدا حافظ ہے۔ مکان تک نیلام پر چڑھ گیا، نواب صاحب (باپ) کے کانون پر جون نہین رینگتی، اب سنتی ہون کسی سے بیس ہزار اور قرض لیے جاتے ہین۔ سود بڑھتے بڑھتے سب جائداد مہاجنون کی ہوجائے گی۔ یہ ہونا کیا ہے۔ یہ مکان یہ باغ یہ گاؤن یہ بی اختری سب نگل جائین گی۔

بھلا تم کو بھی یاد ہوگا، میری سالگرہ مین نادری کی سالگرہ مین کبھی مہمانداری ہوئی تھی، ڈومنیان

آئی تھین، اب کی یہ سب ہوگا۔ بی نادری کو اختری کی سفارش سے ابا جان نے پچاس روپئے دیئے ہین نیا جوڑا تیار ہوگا ہر سال ایک اشرفی ملا کرتی تھی یہ دن کب نصیب تھے۔ بہت خوش ہین یہ نہین خیال آتا کہ گھر مٹ رہا ہے۔ نادری اور خود بدولت پھوپھی صاحبہ کو لینے گئی ہین، پھوپھی کے بچے روز آتے ہین اُن کی خاطرین ہوتی ہین۔ اس شاہانہ خرچ کے لئے تو قارون کا خزانہ ہوتا۔ نواب مرزا آتے ہین اختری سے چپکے چپکے کچھ صلاح مشورے ہوتے ہین،

مُرادعلی۔ نواب مرزا کون ہے،

جعفری۔ تم نہین جانتے، ہمارے عزیز ہین۔ مگر کبھی اتنی آمد رفت نہ تھی، بی اختری کی ذات سے اب عزیز داریان خوب چمکی ہین، ہم کوئی نہین بڑی عزیزداری میل جول بی اختری سے ہے۔ پھوپی جان بھی اُنھین سے خوش ہین گویا ہم غیر ہوگئے۔ اب جو کچھ ہین اختری ہین کیون نہین اُن سے تو روپیہ ملتا ہے ہم کیون دین اور کہان سے دین، کوئی آیا ایک دن کھانا کھلایا کھڑے کھڑے آیا ایک ٹکڑا پان دیدیا رخصت کردیا۔ یہ سب کی بڑی خیرخواہ بڑی دوست دار۔

مُرادعلی۔ مگر یہ پتہ لگانا چاہئے کہ آخر یہ ہین کون۔

مرادعلی سمجھ گیا تھا کہ یہ اخراجات خورشید مرزا کے روپیہ سے نہین ہوسکتے ضرور کوئی خفیہ ذریعہ آمدنی کا ہے اور اُسکا تعلق اختری سے ہے، مگر ایسے لوگ اپنے دل کی بات دل مین رکھتے ہین اُسکو کیا غرض تھی کہ اختری کی دولت کی چھان جعفری کو دیتا اوسکا تو مطلب اسمین تھا کہ گھر مین جھگڑے ہون، جعفری جانتی ہے کہ میرے باپ کا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ یہ غلط خیال ہے مگر مین اس غلطی کو کیون بیان کرون۔ جعفری کو یہی سمجھنے دو اسی سے پتے چلین گے۔ لوگون کو دھوکے مین رکھنے سے بلکہ دھوکا دینے سے اپنا مطلب نکلے تو اس سے بڑھ کے ہوشیاری نہین جن لوگون کو فریب دینے کی لیاقت نہین ہے وہ فریب کو بُرا کہتے ہین مگر یہ دولت پیدا کرنے والون کا حق ہے اُسکو بُرا نہ کہنا چاہئے۔

جعفری۔ یہ منصوری پہاڑ کا کیون نام آتا ہے۔

مرادعلی۔ چچا سے سُنا تھا کہ نواب صاحب کی کوئی عزیزہ تھین اُنھون نے منصوری پہاڑ پر انتقال کیا تھا۔ بس اسی قدر مجھکو معلوم ہے اور کچھ نہین جانتا۔ چچا کو بھی کچھ خبر نہین ہے ہان قبر کے لئے ایک قطعہ آراضی خریدنے کا کچھ ذکر آیا تھا، ماہواری قرآن خوان کی تنخواہ بھی چچا کی تحویل سے جاتی ہے۔ غریبون کی قبر کے لئے آراضی نہین خریدی جاتی۔ قرآن خوان برسون نہین نوکر رہتے یہ سب امیرون کے ڈھکوسلے ہین (مرادعلی مذہب کا زیادہ پابند نہ تھا ایک بندۂ زر کو یہ مقدس زمین جسمین روپیہ کا صرف ہو یقیناً فضول معلوم ہوتی ہون گی اُسنے تو مُردے کو ایک کھٹیا پر ڈال کے تکیہ پر لے جاتے اور کسی طرح دو مٹھی خاک ڈال کر لوٹ کے چلے

آتے دیکھا تھا، مر گئے مردود جنکی فاتحہ نہ درود، اُس کا چچا مرے گا تو وہ شاید اپنا بھی نہ کریگا، خدا قدردان آقا (خورشید مرزا) کو سلامت رکھے اُن کی بدولت گور گڑھا ہو جائے گا ہاں جو کچھ مال متروکہ یا چڑھی ہوئی تنخواہ لینی کو مرآدعلی موجود تھا)۔

منصوری کا نام آتے ہی یہ سر ہوگیا ہو نہ ہو وہین سے کچھ سلسلہ ملتا ہو - اچھا تو مین منصوری جاؤن گا۔

جعفری بیگم۔ ہان بھیا تمھین کچھ پتہ لگاؤ - کہ یہ صاحبزادی کون ہین، انھون نے تو گھر مٹا دیا۔

مرادعلی۔ کیا آپ پتہ لگانا چاہتی ہین - مجھے یقین ہو کہ منصوری پہاڑ پر جانے سے کچھ بھید کھلے، اچھا تو مین جاؤن گا - کرایہ میرے پاس نہین ہو۔

جعفری۔ بڑی کنجوس تھین مگر اسوقت اختری کی جلن مین کچھ گرہ سے بھی خرچ ہو جائے تو مضائقہ نہین بڑی مشکل سے دس روپیہ کا نوٹ نکال کے مرادعلی کے حوالہ کیا۔

مرادعلی۔ دلہین چلو کرایہ تو مل گیا - کوئی تعلقہ حال ہی مین کورٹ ہوا تھا وہان سربراہ کاری کے لئے مرادعلی بھی اُمیدوار تھا، منیجر صاحب پہاڑ پر گئے تھے - دراصل مرادعلی کو اُن سے ملنا تھا، اچھا یک کرشمہ دوکار - اس قبر کا پتہ بھی لگالون گا۔) اچھا تو مین جاتا ہون آپ خاطر جمع رکھئے، مین پورا پتہ لگا کے آپ کو بتا دون گا - دس بجے دن کا وقت تھا جب مرادعلی جعفری سے رخصت ہو کے جا رہا تھا، اُسی وقت اتفاق سے نادری کی سواری آئی دوسری سواری مین اختری تھی، بڈھن نادری کے ساتھ منتن اختری کے ساتھ ڈولیون مین بیٹھ کے آئے - مرادعلی اندر مکان مین تھا اس لئے اختری کی سواری کے اُترنے مین کسی قدر توقف ہوا - جب مرادعلی جا چکا تو اختری اُترکے اندر گئین، نادری نے اُسکو جاتے دیکھا، معلوم ہوا کہ بڑی دیر سے آیا ہوا تھا، جعفری سے باتین ہو رہی تھین۔

نادری اختری سے ملکے، خدا خیر کرے آج یہ موا مرادعلی کیون آیا تھا، سنا ہو جعفری باجی سے دیر تک خفیہ باتین ہوا کین۔

اختری۔ پھر تمھین کیا، کچھ کام ہوگا۔

نادری۔ اے بہن تم کو نہین معلوم تم بھولی بھالی آدمی زمانے کے چھل فریب کو تم کیا جانو یہ موا بڑا چلبلہ ہے، اس کا آنا بے سبب نہین ہو، کوئی فساد برپا کریگا۔

اختری۔ نہین وہ کیا کر سکتا ہو۔

نادری۔ اے بڑا چلتا پرزا ہو اسکو کم نہ جانو - پھر جعفری باجی کو ایسا کیا کام تھا کہ اسکو گھر مین بٹھا کے پہرون باتین کین، میرا تو دل دھڑک گیا - جب سے مجھکو پچاس روپیہ ملے ہین جعفری انگار دل پہ لوٹے رہتی

ہین، بین تو راضی ہون وہی لے لین اُسکا کلیجہ تو ٹھنڈا ہوجائے۔
اختری۔ کیون بیوقوفی کی باتین کرتی ہو۔ وہ بڑی بہن ہوکے چھوٹی کو اپنے پاس سے دینے سے رہین اُلٹے تمھارے روپے چھین لین گی۔ اب جعفری ایسی بھی نہین۔
نادری۔ مجھین سے رات دن اوکٹر پیچ کیا کرتی ہین تم چُپ ہوجاتی ہو۔ مین تو کہتی ہون تمھارا پتھر کا کلیجہ ہے کوئی لڑنے والا ہو تو دن رات جوتی پیزار ہو۔
اختری۔ نوج خدا نہ کرے۔ خیر وہ مجھ سے جس طرح پیش آتی اسکا سبب تم کو نہین معلوم شاید میری ہی خطا ہو۔ میری خطا نہین ہو کچھ یون ہین بن پڑی ہو۔
نادری۔ واہ رے دل فرشتون کا تو نام سُنا ہے مگر تم کو دیکھا یہ صبر یہ بُردباری تمھارا ہی کام ہو۔
اختری۔ تو پھر کیا کرون تمھاری صلاح ہو تو مورچہ بندی ہوجائے، خدا نہ کرے جعفری سمجھین گی اور سمجھین گی، اور جب سمجھین گی تو وہ ضرور شرمندہ ہون گی۔
اِن چند لفظون کے بعد اختری نے باتہ کو ٹال دیا۔ بزاز ڈیوڑھی پر آگیا تھا، اطلس کے طاقے کھُلنے لگے۔ اختری نے اپنی پسند سے بہت ہی خوش وضع پھولدار سچی سنہری بوٹیان ملکے گلابی رنگ کی اطلس خریدی۔ اُسکا جی چاہتا تھا کہ جعفری کے لئے بھی اسی طرح ایک پاجامہ ہو مگر کیا مجال تھی جس طرح بد بدی سے نہین باز آتے اسی طرح نیک نیکی کو نہیں چھوڑتے۔

باب ۱۰

ہم کوئی ہین، تم کون ہو
رازداران محبت کے کرشمے دیکھو
دل سے دیکھا انھین اس بھید کا پردا کرکے

جیٹھ بیساکھ کے دن پہاڑ پر جنت کو لطف دیتے ہین، گرم میدانون سے جاکے جو دفعتہً ٹھنڈی گھاٹیون مین پہونچ جاتے ہی سفر کی سختیان فوراً کافور ہوجاتی ہین۔ گویا دوزخ سے بہشت مین آگئے۔ جب آنکھون کو ٹھنڈک پہونچتی ہی غنودگی سی آتی ہو تو آدمی کو خیال ہوتا ہو شاید یہ وہی جنت ہو جسکا ہم سے وعدہ ہوا ہو آسانی

جنت نہ سہی زمین کی جنت ضرور ہے۔ مگر صرف گرمی کے موسم مین - ہر طرف سرسبزی شادابی، صاف ستھرے چشمے کی چٹانین طبقہ پر طبقہ راستہ کیسے خوشنما خم و پیچ کے ساتھ جیسے سانچے مین ڈھلتے ہوئے آسمان تک چلے گئے ہین، سرکاری باغون مین وہ مختصر سرکیون سے پٹا ہوا احاطہ جہان چھوٹے چھوٹے مصنوعی پہاڑ - پہاڑ نہین بلکہ پہاڑون کے کھلونے بنائے گئے ہین جسکو سمرموس اور ہندی مین کھیٹ کہتے ہین، چارون طرف صاف پانی کی نالیان بہ رہی ہین، بیچ مین بڑا حوض پانی کا بھرا ہوا فوارا قد آدم سے کچھ اونچا اوچھل رہا ہے، پانی پر پانی کے گرنے سے جو خوش آیند صدا نکلتی ہے کوئی راگنی ایسی دلچسپ نہین، راگنون مین سُر ہین سُرون مین تاثیر ہے لیکن اوسکا اثر ایک ہی حاسہ تک ہے اور کانون تک محدود ہے باقی جو کچھ ہے واہمہ کی کارستانی ہے اوسمین بہت کچھ اضافہ کرکے خوش کرتی، وہ جنت نگاہ یہ فردوس گوش ہے - قوت لمس کو سردی گرمی کے حاسہ متاثر کرکے عجیب لطف دیتے ہین، یہ مصنوعی پہاڑون کے نمونے فوارے، ذرا ذرا سی چیزین ہین، اس چھوٹے سے منظر کو پھیلا و خیال کو وسعت دو، جیسے مصور چار اُنگل کے فوٹو سے قد آدم تصویر بنا سکتا ہے خیال مین پیمانہ کے وسیع کرنے کی بہت بڑی طاقت ہے بچہ کو دیو بنا کے دکھاتا، رائی کو پربت بنا دینا اسی کا کام ہے - اس کوہستانی منظر کو اس طرح تصور کرو کہ ایک سیکڑون کوس کے گردے مین ہر طرف چشمہ آبشار قدرتی فوارے طرح طرح کی قدرتی سجاوٹین، کنگنا ہوئے کیسی خوبصورت سبز سبز پتیان اُن پہ پانی کے قطرے زمرد کی تختیون پر موتیون کی طرح جھلک رہے ہین، رنگا رنگ کے پھول جیسے الہ دین جہان سے چراغ لینے گیا تھا اُسی طرح جواہرات کے ڈھیر، اگر جنگل سے بازار مین آئے میوہ فروشون کی دوکانون مین میوے اور ترکاریون کے انبار، جدہر آنکھ اُٹھا کے دیکھ لیا، بازار مین گھر دن کوٹھون پر ہر جگہ کوہستانی مناظر قدرت سامنے ہین، سب سے بلند مقام پر جاؤ سامنے ہمالیہ پہاڑ کی فلک نما مخروطی چوٹیون پر بارہ ماسی سفید برف جمی ہوئی ہے، ان سفید مخروطون کے نیچے آسمان سے زمین تک صدہا کوس تک سرسبز وسیع منظر اللہ اکبر جل شانہ جل جلالہ یہ قدرت یہ وسعت یہ عظمت وہ تماشہ جسکے دیکھنے سے نگاہ کبھی نہین تھکتی پھر پہاڑی دیہات اور اُن کی کھیتیان جو پہاڑ کی بلندی سے چھوٹی چھوٹی سرسبز کیاریان سی ڈھالون پر بنتی چلی گئی ہین جیسے کسی عالیشان قصر کے زینون پر سبز مخمل کا فرش ہے اُس کے پاس چھوٹے چھوٹے کھپریلون سے پٹے ہوئے پہاڑیون کے رہنے کی جھونپڑیان جن کی آزادانہ زندگی اور ایسے خوشنما مقامون مین بسے رشک قابل رشک ہے - شہرون کی تیرہ و تار گلیون کے رہنے والے اس لطف کو کیا جانین، ایسی ہی کسی گھاٹی کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد کے پاس ایک پختہ قبر ہے جسپر اسوقت سبز پوشش پڑی ہوئی ہے - اس سبز پوشش پر جالدار پھولون کی چادر قبر کے سرہانے دو سبز کنول رکھے ہین جن مین رات کی آدھی جلی ہوئی سفید مومی بتین

لگی ہوئی ہین، ان دونون کنولون کے بیچ مین ایک تازہ شاداب کھلے ہوئے پہاڑی پھولون کا گلدستہ بدری گلدان مین نظرون کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے - نواب مرزا عکس کشی کے کرے کی تپائی ایسے موقعہ سے لگا رہے ہین کہ مسجد اور قبر نمایان طور سے عکس تصویر مین دکھائی دے، مسجد کے پاس تختہ سطح پر شست لگی ہوئی ہے فیتہ تختہ پر رکھا ہے دو تین فٹ تختہ سے لٹک رہا ہے، زمینی نقشہ پنسلی تیار ہو چکا ہے جسمین یہ مختصر احاطہ مسجد قبر صحیح پیمانہ سے دکھایا گیا ہے - احاطہ کے کنارے پہاڑ کی ڈھال کا نقشہ تھوڑا بنا کے چھوڑ دیا ہے - احاطہ کے پاس سے چھوٹی سی ندی برف کے پانی سے بھری خوش آیند روانی سے بہتی ہوئی - زمینی نقشہ بالکل مکمل ہو چکا ہے -

عکسی تصویر کا فوکس درست کر کے نواب مرزا پلیٹ لگا چکے ہین کہ ان کو دو آدمی کچھ فاصلہ سے ادہر آتے نظر آئے جنمین سے ایک تو وہی میر صاحب ہین جو اس قبر کے مجاور اور قرآن خوان ہین، دوسرے ایک نوجوان منشیانہ پگڑی باندھے ہوئے پہلے تو نواب مرزا کو منڈی ڈاڑھی بڑی بڑی مونچھون اور پگڑی کی بندش سے شبہ ہوا کوئی ہندو منشی جی ہین مگر قریب آنے کے بعد معلوم ہوا کوئی مسلمان صاحب ہین - ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ مراد علی آپ ہی ہین -

مراد علی - آتے ہی آتے نواب مرزا سے بغیر صاحب سلامت کئے کڑے تیور ڈال کے تحکمانہ آواز سے تم یہ تصویر کس کے حکم سے بنا رہے ہو (اس تم کے جواب مین نواب مرزا تم کر کے خطاب کرتے مگر یہ تجربہ کار مصور تھے اور ذرا مزاج مین متسخر بھی تھا - غصہ آیا اور انتقام کو بھی جی چاہا مگر ضبط کر کے شرافت نے انکی زبان سے تم نہ نکلنے دیا) نواب مرزا نے پہلے تو پوچھنے والے کی طرف بے پروائی سے دیکھا اور خاموش ہو رہے جیسے ان سے کسی نے کچھ پوچھا ہی نہ تھا - اس بے تہذیب خود ساختہ حکومت کا جواب ہی کیا تھا -

مراد علی - اس سکوت کو نہین معلوم کیا سمجھا - پھر اسی انداز سے آواز ذرا اور بلند کر کے - مین تم سے پوچھتا ہون یہ تصویر کس کے حکم سے تم بنا رہے ہو؟ -

مکرر بلکہ سہ کرر "تم" سے انکو سخت غصہ آیا - مگر پھر ضبط کر کے، جناب مین آپ کا مطلب نہین سمجھا، اتنا کہہ کے مراد علی کو سر سے پاؤن تک ایک نظر دیکھ کے پھر چپ ہو رہے اور اپنے کرے کو سنبھالنے لگے -

مراد علی - مین جانتا ہون نواب خورشید مرزا کی فرمائش سے یہ بنائی جاتی ہے، مجھے یقین ہے -

نواب مرزا - جب ایک بات آپ کو پہلے سے یقین ہے تو پھر پوچھنے کی تکلیف کیون اٹھائی -

"مگر یہ جواب استغنا آمیز شگی سے دیا گیا تھا جس سے مراد علی کو معلوم ہو گیا کہ جواب دینے والے نے میری کوئی حقیقت نہین سمجھی" مگر خورشید مرزا [illegible] آج ہی سنا -

مراد علی۔ تو پھر اختری بیگم نے بھیجا ہوگا۔ اس سے تو انکار ہو نہیں سکتا۔
نواب مرزا۔ اب مین ایک ہی بات کہہ کے اس قصہ کو ختم کئے دیتا ہون، یہ آپ کس کے حکم سے یہان تشریف لائے اور کیون آپ کسی کے کام مین حارج ہوتے ہین، شاید اپنے وقت عزیز کی آپ کو قدر نہین مگر دوسرے کا وقت ضائع کرنا آپ کو کیا حق ہے؟ آپ ضرور جانتے ہونگے کہ خورشید مرزا اور اختری کو تو اس قبر کے بارے مین کسی تفتیش کی ضرورت ہو نہین سکتی۔
مراد علی۔ اس سے آپ (اب دیکھا کہ میرا تحکمانہ رعب بیکار ثابت ہوا) کو کیا کام۔
نواب مرزا۔ مسکرا کے تو بس آپ کو بھی میرے کام سے کیا کام؟ مناسب ہے کہ دونون اپنا اپنا کام کرین اور ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہو۔ لیکن جب آپ میرے کام مین دخل دینا چاہتے ہین تو وہی حق مجھکو بھی حاصل ہونا چاہیے۔
مراد علی۔ کو اپنے پہلے طرز گفتگو سے پشیمان ہونا پڑا۔ چہ کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ یہ مصور بڑی دور ہے میرے دباؤ کو ماننے والا نہین ہے۔ خیر مجھی سے غلطی ہوئی۔

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

اب مراد علی نے دوسرا طریقہ فریب دہی کا اختیار کیا۔ جناب کے اسم مبارک دریافت کرنے مین تو کوئی مضائقہ نہین ہے۔ لیجئے مین پہلے اپنا نام بتلائے دیتا ہون، مراد علی شاید میری پہلی تقریر سے آپکو ملال ہوا ہے مین معافی چاہتا ہون۔
نواب مرزا۔ (اس لاسے مین بھی پھنسنے والے نہ تھے) اس خاکسار کو لوگ مرزا کہتے ہین اور تو مجھے اپنا کوئی نام جو قابل آپ کی سماعت کے ہو ذہن مین محفوظ نہین ہے۔ معافی کی درخواست میری جانب سے بھی قبول ہو۔ پھر مسکرا کے اپنے کرے کی طرف متوجہ ہوگئے۔
مراد علی۔ (اس حقارت آمیز ترکی بہ ترکی سے مراد علی کو پھر غصہ آیا چاہتا تھا مگر اسکو بیکار آمدنہ سمجھ کے ضبط سے کام لیا اور التجا کرنے کا طریقہ اختیار کیا) اچھا تو اب مین یہ چاہتا ہون کہ مجھپر نوازش فرما کے بتا دیجئے کہ یہ تصویر کس غرض سے بنوائی گئی ہے۔
نواب مرزا۔ (اسی طرح مسکرا کے اور اسی آہستگی اور بے پروائی کے انداز سے جس سے تحقیر ٹپک رہی تھی) مین سمجھتا ہون کہ مین سیدھا سادھا روش کا آدمی ہون نہ خود کسی کے کام مین دخل دیتا ہون نہ چاہتا ہون کہ مجھے کوئی تکلیف دے جسکی برداشت کی مجھ مین طاقت نہین اور نہ ہر کس و ناکس پر بیجا

نوازش کرے مقدور رکھتا ہوں۔

مرادعلی غصہ کو ضبط نہ کر سکا۔ بہت برہم ہو کے، ذرا آدمی کو دیکھ کے بات کیا کیجئے "ہر کس و ناکس" سخت الفاظ ہیں الفاظ کے اثر سے کہنے والے کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

نواب مرزا۔ مجھے آپکے اس طرح جلد جلد رنگ بدلنے سے صرف حیرت ہوتی ہے۔ خیر

بہر رنگیکہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

مرادعلی۔ برہمی کے لہجہ میں تو آپ کو میرے سوال کا جواب دینے سے انکار ہے (ذرا دھمکا کے بلند آواز سے) کیا آپ جواب نہ دیں گے۔

نواب مرزا۔ اب آپ مجبور کرتے ہیں تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ بے شک انکار ہے۔ پھر؟ برہمی اور دھمکی کا جواب بھی نواب مرزا نے اُسی آہستگی سے اور مسکرا مسکرا کے دیا جو طریقہ پہلے سے اُنھوں نے اختیار کر لیا تھا، جس سے مرادعلی کو بجائے خود کھولنے کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوا تھا۔

مرادعلی۔ تھوڑی دیر تک گھورکے دیکھتا رہا تعجب ہے ان کو مطلق پروا نہ ہوئی، اور اپنے کام میں بلا توقف مصروف رہے۔ بالآخر مرادعلی بڑبڑاتا ہوا۔ اچھا دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ جدہر سے آیا تھا اُدہر چلا گیا۔

نواب مرزا نے جگہ بدل بدل کے کئی پلیٹ لگائے اور اُتارے پھر جب حسب دلخواہ کام تمام ہوگیا۔ تختہ مسطحہ کا نقشہ بھی تیار تھا یہ سب سامان اک جا کر لیا، اتنی دیر میں میر صاحب حقہ بھر کے وہیں پہونچ گئے چند منٹ میر صاحب سے باتیں کیا کئے۔

میر صاحب (سادات بارھہ، بڑے تجربہ کار آدمی تھے) اُنھوں نے ایسی باتیں کیں کہ دیر تک ہنسی رہی

میر صاحب۔ میں اور طریقہ پر چلا پہلے تو میں نے شیشہ میں اُتار کر یا میں سب بتا دوں گا، اس فقرہ میں آکے دو روپیہ بھی میں نے اینٹھ لئے، بتایا تو یہ بتایا اور جو کچھ بتایا صحیح بتایا اور اتنا ہی مجھکو معلوم بھی تھا تو کچھ فریب بھی نہ ہوا۔

میں نے کہا کوئی ڈیڑھ سال ہوئے ایک بیگم صاحبہ بیمار ہوکے یہاں آئی تھیں نوکر چاکر ماما اصیلیں ہمراہ تھیں چند روز کے بعد اُنھوں نے انتقال کیا، اسی مسجد کے پاس جنازہ کی نماز ہوئی اُنھیں عورتوں نے جو ہمراہ تھیں قبر میں اُتارا۔ قبر پختہ بنوائی گئی۔ چراغ بتی قرآن خوانی میرے سپرد ہوئی، دس پندرہ دن یہ لوگ یہیں رہے اُس کے بعد چلے گئے۔

مرادعلی۔ خورشید مرزا کو آپ جانتے ہیں۔

میر صاحب۔ کئی صاحب شریف صورت ہمراہ تھے معلوم نہین کس کا نام خورشید مرزا نہ یہ کہہ سکتا ہون کہ اس نام کے کوئی صاحب تھے یا نہین۔ نواب صاحب، میر صاحب، مرزا صاحب، شیخ صاحب اس طرح ایک دوسرے سے کلام کرتے اکثر سُنا، معلوم نہین کون کون تھا۔

مراد علی۔ تنخواہ کون دیتا ہے۔

میر صاحب۔ یہان ایک مہاجن ہے وہ پانچ روپیہ ماہوار ماہ بماہ دے دیا کرتا ہے، زیادہ مین نے دریافت کیا نہ ضرورت تھی، کام سے کام ہے۔

مراد علی۔ وہ مہاجن کہان رہتا ہے۔

میر صاحب۔ آجکل دوکان بند ہے دو مہینہ کی تنخواہ پیشگی دیکے گیا تھا۔

مراد علی۔ کہان گیا تھا، اب کہان ہے۔

میر صاحب۔ شاید تیرتھ کو گیا ہے۔ خدا جانے کہان ہے مجھکو نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔

غرض اس طرح کے مہمل سوالات وہ کرتے رہے، مین جواب دیتا رہا کوئی بات ٹھکانے کی نہ مجھے خود معلوم تھی نہ ان کو بتا سکا۔ ہان خوب یاد آیا، ایک سوال، کوئی جوان لڑکی بھی بیگم صاحبہ کے ساتھ تھی۔

میر صاحب۔ خدا خدا کرو ایک رئیس زادی کے گھر کے اندر کا حال مجھے کیونکر معلوم ہو سکتا تھا جو عورتین باہر نکلتی تھین اُن کو آنکھون سے دیکھا، اندر نہین معلوم سب جوانین تھین کہ بڑھیان۔

نواب مرزا جب اختری کی مان کے مقبرہ کا نقشہ جو فقط پنسلی تھا اور جسقدر پلیٹ پہاڑ سے بناکے لائے اُن کو گھر پر لاکے درست کیا، زمینی نقشہ کو سیپٹا کرکے رنگ بھرا قبر اور مسجد کی جگہ پہاڑ کی گھاٹی سب مناسب رنگ بھر کے بہت ہی خوبصورت نقشہ بنایا پھر اپنی تجویز سے ایک نہایت خوشنما مقبرہ جسپر ایک شاندار گنبد طلائی کلس کے ساتھ دکھایا تھا، مسجد مین کچھ اضافہ تجویز کیا، ایک چھوٹا سا امام باڑہ یہ سب تجویزی نقشہ صرف اختری کا دل خوش کرنے کے لئے تیار کیا تھا، پھر عکسی تصویرین ہر ہر موقعہ کی بہت ہوشیاری سے چھاپ کے رکھ چھوڑی تھین۔

جب اختری اُن کے گھر گئی۔ یہ سب نقشے دکھائے مقبرہ کی تجویز اختری نے بہت پسند کی مگر اُس کی تعمیر اُسوقت کے لئے اُٹھا رکھی گئی جب اختری کو اپنا ذاتی اختیار ہوگا۔ اس کے بعد نواب مرزا نے مراد علی کا ذکر چھیڑا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ مراد علی نے اپنی صفائی جتانے کو اپنا نام بتا دیا تھا مگر نواب مرزا ایسے فقرون مین کب آنے والے تھے۔

نواب مرزا۔ یہ مراد علی کون شخص ہے؟ اور یہ کبھی تو آسکو تم سے یا تمھاری والدہ سے کیا مطلب ہے؟

اختری - پہلے تو ہکا بکا ہوگئی پھر تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد - جی ہاں مین سمجھ گئی - کیون!

نواب مرزا - جب مین تصویر بنا رہا تھا تو وہ وہان گئے تھے، اُنھون نے تو اس حکومت سے تفتیش شروع کی جیسے افسر پولیس خونی مقدمہ کی تحقیق کرتا ہو - مگر مین ایسے داؤن کب سہتا ہون، مین نے ایسے معقول جواب دئے کہ وہ بھی خوش ہوگئے ہونگے - میر صاحب (قرآن خوان) نے تو اُن کو اُلو بنا کے ۵ روپیہ بھی اینٹھ لئے مگر بتایا کچھ نہین -

نواب مرزا نے پورا واقعہ سوال وجواب حرف بحرف اختری سے بیان کیا اسپر دیر تک ہنسی ہوتی رہی، مگر اختری دل مین کچھ اور فکر کر رہی تھی اُسکو صاف معلوم ہوگیا کہ اسمین جعفری کی سازش ہو مگر اُسنے منہ سے نہین کہا صرف نواب مرزا سے -

اختری - یہ ماموں جان کے مختانہ کا بھتیجا ہو، ماموں جان اُس کی قابلیت کی بڑی تعریف کرتے ہین مگر بہن نادری کو اُس کی صورت سے نفرت ہو اور مجھکو بھی اُس کی کچھ کچھ باتین سُن کے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بھی کچھ اپنی حقیقت سمجھتا ہو - جعفری باجی کا بڑا خیرخواہ ہو اُن کا جو کچھ کام ہوتا ہے اُسی سے کہلا بھیجتی ہین کبھی کبھی کچھ صلاح مشورے بھی ہوتے ہین مگر مجھکو اس سے کیا - اور آپ کو کیا -

نواب مرزا - صفیہ بیگم صاحب تم میری بیٹی کے برابر ہو مگر تمھاری بہن اور بھولے پن نے مجھکو اتنا گرویدہ کر لیا ہو - شریف جب کسی سے محبت کرتے ہین تو وہ محبت زبانی نہین ہوتی مجھے ضرور اُس مردود سے اندیشہ ہے، مجھکو وہ پکا جعلیہ معلوم ہوتا ہے، بھائی خورشید مرزا اُس کی چالاکیون سے اُس کے دم مین آگئے ہین، وہ مختار کا بھتیجا ہو یا خود مختار سہی، اُسکو تمھاری ماں کے قبر پہ جانے اور تفتیش کرنے سے کیا واسطہ یہ کوئی گہری بات ہو اور ہمکو احتیاط سے کام لینا چاہئے - مگر تم خاطر جمع رکھو مین اس مردود کی پوری خبر لے لون گا، ایک شریف زادی کے حالات کی تفتیش سے کیا مطلب ہوسکتا ہو، شاید اُسکو کسی نہ کسی طرح معلوم ہوگیا ہو کہ تم صاحب جائداد ہو اب اُسکو اُس جائداد سے ناجائز نفع اُٹھانے کی فکر ہو - خورشید مرزا کو بہت ہوشیار رہنا چاہئے، مگر اُن سے کون کہے وہ اُس کے قابو مین ہین -

نواب مرزا - دُھن کے پکے اور قول کے پورے تھے جس دن سے مراد علی کو اختری کی ماں کی قبر پر دیکھا تھا اُن کو اُس کی فکر ہوگئی تھی - اکثر اُس کی ٹوہ مین رہتے تھے، اوّل تو وہ حکیم جعفری سے ملے کیونکہ اختری کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ اختری کی والدہ کے معالج تھے اور بہار پر بھی گئے تھے بلکہ اُن سے اختری سے قرابت بھی ہو یہ بھی اُن کو معلوم ہوگیا تھا کہ نادری کی شادی اُن سے ہونے والی ہو جعفر علی کے حسن اخلاق اور صاحب مروت اور خلوص اُن کو دل سے پسند تھا - پہلے اُنھون نے اسکو خوب ٹٹولا قابل

اطمینان پایا۔ آخر یہ ٹھہری۔

دو دل یک شود بشکند کوہ را

اس بے گناہ مالدار لڑکی کو جیلیون کے دام سے بچانا چاہیے، مگر وہ خود مراد علی کے حالات سے نابلد تھی البتہ شیخ احمد علی کا بہت دن تک علاج کیا تھا۔

نواب مرزا۔ تو مین آپ کی طرف سے شیخ احمد علی سے ملون۔ حکیم صاحب نے کہا مناسب ہو۔ حکیم صاحب نے نواب خورشید مرزا کے مکان پر اُن کو دیکھا تھا، مکان یہ بھی نہین جانتے تھے۔ نواب مرزا نے مراد علی کو اچھی طرح پہچان لیا تھا، جو ہندہ یابندہ ایک دن وہ راہ مین کہین مل گیا، نواب مرزا اسطرح اُس کے پیچھے پیچھے ہوئے کہ اُسنے اِن کو نہین دیکھا، پھر وہ ایک مکان مین گھس گیا یہ دُور کھڑے رہے کوئی آدھ گھنٹہ وہان ٹھہرنے کے بعد وہ اُس گھر سے نکلا اور اس درمیان مین ایک کرایہ کی گاڑی خالی دروازہ پر کھڑی ہوئی تھی، مراد علی گھر سے نکل کے اُس گاڑی پر بیٹھا اور کچہری کی جانب گیا، یہ سب دیکھ رہے تھے۔ جب وہ سوار ہو گیا تو اُنھون نے ایک دوکاندار سے جسکی دوکان اُس مکان کے دروازہ پر تھی دریافت کیا یہ کس کا گھر ہے؟ معلوم ہوا شیخ احمد علی مختار اس گھر مین مدت سے رہتے ہین یہان کو معلوم تھا کہ مراد علی کچہری گیا ہے غالبًا دیر مین آئے گا۔ میدان خالی تھا، نواب مرزا نے دروازہ پر دستک دی، اندر سے آواز آئی کون ہے؟ آئیے مردانہ مکان ہے، نواب مرزا بے تکلف مکان مین چلے گئے، دیکھا ایک بوڑھا سا شخص سیاہ فام سفید برف سے بال، چہرہ پہ جھریان پڑی ہوئی ضعیف بیمار پلنگ پر پڑا ہے، یہ سامنے گئے۔

نواب مرزا۔ السلام علیکم۔

ضعیف۔ (اُٹھنا چاہا نواب مرزا نے اصرار کر کے اُٹھنے نہ دیا) وعلیکم السلام۔

نواب مرزا۔ جناب کا نام شیخ احمد علی صاحب ہے۔

احمد علی۔ اس عاجز کا یہی نام ہے۔ کیا آپ نواب خورشید مرزا کے پاس سے آئے ہین۔

نواب مرزا۔ کل حکیم جعفر علی صاحب سے کچھ آپ کا ذکر سُن کے مین مشتاق ہوا تھا۔ مین نے عنقریب آپ سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حکیم صاحب نے کہا مجھکو بھی ایک مدت سے اُن کے مزاج کا حال نہین معلوم ہوا اگر آپ کا جانا ہو تو میری طرف سے بھی مزاج کا حال دریافت کیجیے گا، عجب ہے کہ شیخ صاحب نے مجھکو بُلا کے اپنا حال نہین دکھایا اس خیال سے کہ شاید کسی اور کا علاج ہے مین نے بھی خود جانا مناسب نہ سمجھا مگر مجھے اُن کا خیال ضرور ہے۔ مین ادھر کو جا رہا تھا معلوم ہوا کہ آپ اس مکان مین فروکش ہین بے تکلف چلا آیا معاف کیجیے شاید آپ کا کچھ حرج تو نہین ہوا۔

شیخ احمد علی۔ بڑی بندہ نوازی کی اور آپ اُلٹی معافی مجھ سے چاہتے ہیں، بڑی نوازش کی میری حالت ظاہر ہے مدّت سے صاحب فراش ہوں، زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں۔ اکیلا پڑا رہتا ہوں، آپکے آنے سے میرا دل بہل گیا۔

نواب مرزا۔ نہیں ابھی ایسی حالت تو خدانخواستہ نہیں ہے۔ علاج سے آپنے بے پروائی کی جیسا کہ حکیم صاحب سے معلوم ہوا ورنہ اب تک کب کی صحت ہو جاتی، برائے خدا آپ علاج کیجئے۔ میں حکیم صاحب کو آپکے مکان کا پتہ دے کے بھیجدونگا۔ کیا آپ یہاں بہت دن سے یہاں رہتے ہیں تو حکیم صاحب کو معلوم ہوگا،

شیخ احمد علی۔ اس مکان میں مدّت سے رہتا ہوں حکیم صاحب جانتے ہیں۔ آپ بھی طبیب ہیں، آپکی مریض نوازی سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

نواب مرزا۔ جی نہیں (اس طرح کہا جس سے نہ انکار نکلتا تھا نہ اقرار) میں حکیموں کے خادم ہونے کے بھی لائق نہیں ہوں۔

شیخ احمد علی۔ یہ آپکا انکسار ہے۔ خیر آپکے حالات میں حکیم جعفر علی صاحب سے دریافت کر لونگا، اسم مبارک!

نواب۔ مجھکو نواب کہتے ہیں، بھتیجے کو فقط مرزا بتایا تھا، چچا کو نواب۔

شیخ احمد علی۔ میر نواب صاحب۔

نواب مرزا۔ سیدوں کا خانہ زاد ہوں۔

شیخ احمد علی۔ آپکا انکسار ماشاءاللہ بہت بڑھا ہوا ہے اچھے لوگوں کا یہی قاعدہ ہے۔ اچھا تو حکیم صاحب کو میری طرف سے بہت بہت سلام و نیاز کہئے گا اور کہئے گا، اب میں بوڑھا ہوا کہاں تک حکیم صاحب گھسیٹ گھسیٹ کے مجھے زندوں میں ملانے کی کوشش کرینگے، بڈھوں کا مرنا ہی مناسب ہے تاکہ جوانوں کے لئے میدان خالی ہو، بس بہت جی چکے، اب کیا قیامت کے لئے بیٹھنا ہے۔

شیخ کی گفتگو میں اگرچہ یاس کا پہلو نکلتا تھا لیکن فی الجملہ مذاق سے خالی نہ تھی۔

نواب مرزا۔ آپکی باتیں ماشاءاللہ لطف سے خالی نہیں مگر ہیں آپکے بقید حیات میں کتنے اولاد ہیں۔

شیخ احمد علی۔ گھر کے لوگوں کو مرے ہوئے مدّت ہوئی، اولاد کی طرف سے بھی میں کم نصیب ہوں، کئی لڑکے لڑکیاں ہوئیں مگر کوئی زندہ نہ رہا۔ اب ایک بھتیجا ہے مراد علی۔ ماشاءاللہ بڑا لکھا پڑھا ہے اور قابل ہے۔ نواب خورشید مرزا صاحب نے براہ قدیم نوازی سب کاروبار انکے سپرد کر دیا ہے اور اُنہوں نے بھی اپنی کارگزاری

سے نواب صاحب کو راضی کر لیا ہے۔ کل کاروبار کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا ہے نواب صاحب کو ذرا سی تکلیف نہیں کرنے دیتا۔

نواب مرزا۔ کیوں نہیں اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں مگر یہ آپ کی محبت ہے بھلا آپ کی سی تجربہ کاری اور لیاقت کہاں سے کوئی لائے گا، میں تو نہ مانوں گا۔

شیخ احمد علی۔ جی نہیں وہ کہیں مجھ سے زیادہ کارگذار ہے جن تدبیروں سے وہ کام کرتا ہے خصوصاً مقدمات وہ طریقے میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم (یہ نہیں کہتے کہ وہ پکا جعلیہ ہے) ہاں سیاق میں مجھکو اچھی دستگاہ تھی لیکن مراد علی کہتا ہے کہ اب میرے حسابات میں اکثر غلطیاں ہوجاتی ہیں، اب میں قابل اطمینان نہیں رہا ہوں مجھکو یاد نہیں لگتا سنتا یاد نہیں رات روپیہ آنہ پائی نوک زبان تھا یا اب میرا خود جی گھبراتا ہے۔

پیری و صد عیب چنین گفتہ اند

یہ مصرعہ پڑھ کے پرانے کارگذار مختار کارنے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

نواب مرزا۔ شیخ صاحب ہمت نہ ہاریئے، آپ بیمار ہیں علالت خدا نے چاہا رفع ہوجائے گی پھر اسی طرح آپ کام کرنے لگیں گے۔ نواب مرزا نے فقط تشفی کی راہ سے کہا تھا، بڈھا سچ کہتا تھا۔

شیخ احمد علی۔ جی نہیں میر نواب صاحب اب میرے کام کرنے کا زمانہ گذر گیا، یہ سب ظاہری تشفی ہے مراد علی سچ کہتا ہے معاملات زمین میرے کام پر بھروسہ نہیں ہوسکتا۔

نواب مرزا۔ بات کا پہلو بدل کے۔ خیر تو مراد علی کے کام پر آپکو پورا بھروسہ ہے۔

یہ سوال سرسری طور سے پوچھا گیا تھا، مگر بڈھے مختار نے نہایت مضبوطی سے جواب دیا، مقصد یہ تھا کہ سوال کرنے والے کو شیخ احمد علی کی رائے استحکام کے ساتھ معلوم ہوجائے۔

شیخ احمد علی۔ مجھکو اس کی لیاقت پر کامل بھروسہ ہے۔ ہاں جوان آدمی ہے ذرا تنگ طبیعی ہوتی ہے اپنی سن و سال سے زیادہ ذمہ داری لینے کی جرات کر بیٹھتا ہے۔ کسی قدر جلدی بھی کر جاتا ہے یہ سن کا تقاضہ ہے۔ خون میں گرمی اور جوش زیادہ (یہ آخری فقرہ زیر لب گویا اپنے سنانے کے لئے کہا تھا جیسے نواب مرزا اسکے مخاطب صحیح نہ تھے) مگر نواب خورشید مرزا کی ریاست کا کام روز بروز بگڑتا جاتا ہے۔ روپیہ کی سخت ضرورت ہے اور روپیہ کہیں خارج بھی مگر نواب صاحب اس روپیہ میں ہاتھ لگانے کو نہیں کہتے۔ نواب صاحب نے مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ زیور امانت ہے اسکو چھونا نہ چاہئے۔

نواب مرزا۔ کیا یہ زیور امانت بھی اپکے بھتیجے کے اختیار میں ہے۔

شیخ احمد علی۔ جی نہیں اسکو زیور امانت سے کوئی تعلق نہیں ہے ڈپرانے مختار نے یہ اس طرح کہا تھا جیسے

کوئی جونک پڑتا ہے) مین نے اس امانت کے باب مین مرادعلی سے کوئی تذکرہ نہین کیا، میرے نزدیک بھی ایسا امانت کو ہاتھ سے نہ چھونا چاہیئے، ہر ایماندار شخص کی یہی رائے ہوگی، مین کچھ غلط تو نہین کہتا؟

نواب مرزا۔ آپ کا خیال بجا اور درست ہے اسمین کسکو شک ہوسکتا ہے۔

شیخ احمد علی۔ وہ جیسی امانت ہے خدا جلد تر اُسکو اس قابل کرے کہ وہ اپنے مال کی خود حفاظت کرسکے سنتا ہون بڑی نیک صاحبزادی ہے۔

نواب مرزا نے یہ جملے اس طرح سُنے جیسے انکو نہ اس معاملہ سے کوئی دلچسپی ہے نہ کوئی اطلاع۔

شیخ احمد علی۔ بہت بڑی جائداد ہے۔ نواب صاحب کہتے تھے، اسّی لاکھ کا تخمینہ ہے۔ اس رقم سے تو ایک اچھا خاصہ راج مول لیا جا سکتا ہے، بہت بھاری منافع ہے۔

نواب مرزا کو شیخ احمد علی کی خرافت کا پورا یقین ہوگیا۔ انھون نے خیال کیا کہ جب مجھ سے دو باتون مین انھون نے سارا راز کہدیا تو بھتیجے سے کیا نہ کہا ہوگا۔ اسی سے تو اوسکو بے تابی ہے کہ سب نہی تو اس جائداد سے رقم کثیر ہتّے چڑھ جائے۔

شیخ احمد علی۔ مجھے خوف ہے کہ نواب صاحب کہین مرادعلی کو اس راز مین نہ شریک کرلین۔

نواب مرزا۔ (تعجب سے) کیون ایک لائق اور ایماندار کارندے کو راز دار بنانے مین کیا ضرر ہوسکتا ہے؟

شیخ احمد علی۔ مرادعلی میرا بھتیجا ہے اور اُس کی دیانتداری پر مجھکو پورا بھروسہ ہے لیکن پھر جوان ناتجربہ کار ہے۔ شاید روپیہ ایسے کاروبار مین جھونک دے جسمین نقصان اُٹھانا پڑے۔ آئے دن بنکون کے دیوالے نکلا کرتے ہین تو اور کسی تجارت کا کیا ذکر ہے۔ جسکا روپیہ ہے اُسکو بجنسہ پہونچا دینا چاہیئے خود تصرف اچھا نہین ہے۔

نواب مرزا۔ (بوڑھے مختار کی دیانت اور دور اندیشی سے خوش ہوکے) بیشک یہ خیال آپ کا بیجا نہین ہے مین آپ کی تجربہ کاری اور دیانت کی داد دیتا ہون، بیشک زر امانت کو محفوظ رکھنا چاہیئے مگر ایک بات دریافت طلب ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہین کہ آپکے بھتیجے سے یہ راز اب تک چھپا ہوا ہوگا۔

شیخ احمد علی۔ (یہ سمجھ کے کہ یہ ٹیڑھا سوال ہے کچھ دیر سکوت کیا) ابھی تک تو اُس سے مخفی رکھا گیا ہے مگر ممکن ہے کہ اُسنے کسی نہ کسی طرح کچھ پتہ لگا لیا ہو کیونکہ اُس کی ہوشیاری مین کوئی شک نہین، جناب یہ اس زمانے کے لڑکے ہم کو آپ کو بھرے نخاس مین بیچ لین وہ ہمارا بھولا زمانہ نہ ہو۔

نواب مرزا۔ (یہ سمجھ کے کہ احمد علی کو میری طرف سے کوئی شبہ نہ پیدا ہو) بات کا پہلو بدل کے انتظام

کو بالکل اُڑا دیا اور ادہر اُدہر کی باتین کرنے لگے۔ دس منٹ کے بعد اجازت تخفیف تصدیع۔

شیخ احمد علی۔ تو کیا تشریف لے جائیگا، پھر بھی کبھی مجھپر کرم فرمائیگا، آپکے آنے سے بہت دل بہل گیا۔

نواب مرزا۔ فرصت کم ہوتی ہو مگر انشاء اللہ حاضر ہون گا۔

باب ۱۱
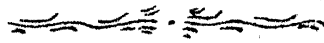
یہ ہمارے حال کا ہمزبان کون ہو؟
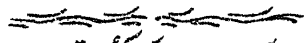
برسات کے دن ہین۔ ابر محیط آسمان سے برس کے کھل جاتا ہو۔ پھر برسنے لگتا ہو۔ آم اس فراطے سے ہو کہ ٹوکرے کے ٹوکرے گاڑیان کی گاڑیان جو منڈی مین نہین بکتین لوگ اسی طرح زمین پر ڈال کے چلے جاتے ہین باغون مین جھولے پڑے ہین چھوٹی چھوٹی لڑکیان گا رہی ہین، ہلکے ہلکے پینگ لے رہی ہین۔

نیم کی نمکولی پکی ساون کب آویگا

اور جو چالاک جوانین ہین وہ اونچے اونچے پینگ لے رہی ہین ڈرنے والیان وہی وہی کرکے چیخ رہی ہین، بھئی ہمین اُتار دو۔

آیا ساون کا مہینہ بہنو دھانی چوڑیان

خورشید مرزا کے مکان مین بھی خاص چہل پہل ہو نادری نے باغ جانے کی تیاری کی ہو۔ جعفری ایک مہینہ کے لئے اپنی بھائی کے گھر مین جو فیض آباد مین رہتی تھین مہمان گئی ہین، نادری آجکل گھر کی منتظم ہین۔ اناج گھی کوٹھریون سے بھی نکلواتی ہین، یہی کھانا پکواتی ہین، کنجیون کا گچھا ازاربند مین بندھا ہوا چھنچھنا رہا ہو نادری کبھی اندر آتی ہین کبھی باہر جاتی ہین۔ جعفری کے اکھل کھرے پن سے چھوٹون سے لے کے بڑون تک اُس کی اس چند روزہ باہر جانے سے خوش تھے یہان تک کہ خورشید مرزا بھی اگرچہ وہ جعفری کی ذرا سی بے چینی سے خود بے چین ہو جاتے تھے اس لئے کہ اُن کو معلوم تھا کہ جعفری بھلی ہو کسی کو بُرا کام کرتے دیکھ نہین سکتی مگر مجھکو بہت چاہتی ہو۔ مگر رات دن کی رنجشون سے جو اختری کی وجہ سے تھین جعفری کے جانے سے خوش تھے، یہ ویسی ہی خوشی تھی جو چھوٹے بچون کو مکتب مین مولوی صاحب کے کہین چلے جانے سے ہوتی ہو۔

نواب مرزا کا لڑکا لڑکی اسی گھر میں کھیلتے پھرتے ہیں، اختری کا چہرہ بھی بحال اب کسی قدر منہ کی اداسی کم ہوتی جاتی ہے۔ ہرمزی سے کبھی باغ کے چلنے پر اصرار کیا جاتا ہے وہ نوکری کا عذر کرتی ہے۔

اختری۔ اللہ بہن ہرمزی اچھا تو کل اتوار ہے دن بھر کے لئے تو تم بھی باغ میں چلو۔

ہرمزی۔ اتوار کے دن مجھکو کہاں فرصت ملتی ہے آٹھ دن کا دھندا اسی دن تو کرنا پڑتا ہے۔

اختری۔ اچھا تو آج ذرا سویرے سے چلی جاؤ۔ کل کے سب کام آج کر لو کل چلی آنا ۔۔میں سواری کے لئے قادر بخش کا اکہ بھیجدوں گی۔

ہرمزی۔ اماں جو اکیلی رہیں گی اور گھبرائیں گی۔

اختری۔ میں کہتی ہوں سے کہدوں گی وہ دن بھر بیٹھی رہے گی، ہرمزی نیم راضی ہو گئی۔ باغ جانے کی بڑی خوشی تھی سواریاں ڈیوڑھی پر لگی تھیں۔ اتنے میں خورشید مرزا اندر آئے مگر چہرہ پر تشویش کے آثار جسکو اختری دیکھ کے فکر کرنے لگی کہ آخر کیا ہے جو آج ماموں جان الٹے فکرمند معلوم ہوتے ہیں۔

نواب مرزا۔ (اختری کو علیحدہ بلا کے) کل مراد علی آیا تھا؟

اختری۔ جی ہاں آیا تھا بہن نادری نے ایک تھان جا، اس سے منگوایا تھا وہ دے کے چلا گیا۔ شاید آپ سے بھی ملنے والا تھا، شاید وہ کہتا تھا کہ اسکو کوئی ضروری کام ہے۔

خورشید مرزا۔ یہاں تو ملاقات نہیں ہوئی۔ کل میں شیخ احمد علی کو دیکھنے گیا تھا وہاں وہ بھی ملا تھا شاید یہاں سے ہو کے میری تلاش میں وہاں گیا ہو۔ مجھے خیال تھا اسنے خود تم سے بلا کے کچھ کہا ہے۔

اختری۔ مجھ سے تو کبھی اس سے باتیں نہیں ہوئیں (اور کسی قدر منہ بنا کے) مجھ سے وہ کیوں باتیں کرتا!

خورشید مرزا۔ کیا تم کچھ اس سے چھپتا ہو۔ گھر کا کارندہ ہے۔ اسی گھر میں پرورش ہوا ہے آپ ابتدا ہوا تو کیا برائی ہے۔ امیرزادیاں اپنے کارندوں سے بات کرتی ہیں حکم احکام دیتی ہیں اس میں کوئی عیب نہیں ہے تمکو معلوم ہے میرے ایسے تنگ اور بیہودہ خیالات نہیں ہیں، میں عورتوں کی کال کوٹھریوں میں بند رکھنے کو بہت برا جانتا ہوں۔ عورتوں کو خود اپنی حرمت کا خیال ہوتا ہے، مردوں کو ان پر اعتبار چاہئے۔

اختری۔ نہیں میں تو اس سے آزردہ نہیں ہوں۔ بہن نادری کو البتہ اس سے نفرت ہے بلکہ وہ تو کچھ ڈرتی سی ہیں۔

خورشید مرزا۔ نادری بالکل بے وقوف ہے بھلا اس سے ڈرنا کیا کوئی جوجو ہے۔ تم نادری کی حماقت پہ خیال نہ کرو۔ بڑا لائق کارندہ ہے بہت کارگذار ہوشیار۔ ابھی جامدانی کا تھان منگوا کے دینا اور پھر

ڈرتی بھی ہیں، بالکل مہمل بات ہے۔

اختری۔ نادری، اسکی تو قائل ہیں کہ سودا سلف اس سے بہتر کوئی نہیں لا سکتا، مگر وہ کبھی اس سے بات نہیں کرتیں۔

خورشید مرزا۔ نادری کی بے وقوفیوں کا ذکر چھوڑو۔ ہاں تو مراد علی نے تم سے کچھ نہیں کہا یا کہلایا۔

اختری۔ ذرا گھبرا کے تو کیا کوئی خاص بات میرے متعلق تھی۔

خورشید مرزا۔ ہاں یہی بات ہے۔ لیکن مجھکو تمہاری کوئی خوف نہیں ہے۔ مراد علی کو بڑی تشویش ہے۔
نواب صاحب کو خود تشویش تھی مگر اپنی طبیعت کے ضعف کو مراد علی کی آڑ میں چھپانا چاہتے تھے، خود نواب صاحب کے چہرہ پر تشویش کے آثار تھے جسکو خود اختری پہچان گئی جو دیکھتا پہچان لیتا۔

اختری۔ ماموں جان آپنے تو جیسے مجھکو ڈرا دیا۔ تو وہ کیا بات ہے کہہ دیجئے تو مناسب ہے۔

خورشید مرزا۔ ایسی بات کے کہنے کو میں نے تمھیں بلایا ہے۔ اچھا شیخ احمد علی کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔

اختری۔ آپکے پرانے مختار مراد علی کے چچا ہاں میں نے اکثر ان کا ذکر سنا ہے شاید بہت بیمار ہیں۔

خورشید مرزا۔ سخت علیل ہیں انتہا کا ضعف ہو گیا ہے ضعف دل، ضعف دماغ، نسیان حد کا بڑھ گیا ہے۔ حساب کتاب سے الجھتے ہیں دماغ میں بات نہیں سماتی۔ اب وہ کسی کام کے نہیں ہیں خیر خدا زندگی رکھے میرے بڑے رفیق اور خیر خواہ ہیں۔ انھیں کا بیان ہے کہ چند روز ہوئے کوئی شخص جسکو احمد علی نے آسمان کے سوا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شیخ احمد علی کے دروازے پر دستک دی۔ شیخ صاحب سے ملنا چاہا۔ شیخ صاحب مردانے مکان میں تنہا رہتے ہیں انھوں نے بے تکلف بلا لیا۔ وہ تمھاری جائداد کے بارے میں ہندی کی چندی پوچھتے تھے، کس کس بینک میں کن مہاجنوں کے پاس ہے کس کس کارخانہ میں کن کمپنیوں میں کتنے حصے ہیں، جیسے کوئی پورا بھید لیتا ہو۔

مراد علی کا بیان ہے کہ چچا کے حواس درست نہیں ہیں ممکن ہے کہ چچا نے ان کو کچھ پتہ دیا ہو، بیان تو ان کا یہی ہے کہ میں نے ایسی باتیں شاید بتا کے ان کو ٹال دیا۔ مراد علی کو اس کا خیال بھی نہ ہوتا اور وہ کہتا ہے کہ اس مہمل بات کا آپ سے (یعنی مجھ سے خورشید مرزا سے) ذکر بھی نہ کرتا۔ مگر چار دن ہوئے شیخ احمد علی کو ایسا ہی آدمی پھر اس بات کا خیال آ گیا یا مراد علی نے چھیڑ کے پوچھا، بہر صورت شیخ صاحب نے مراد علی سے بتا دیا کہ آل نواب صاحب سے اس کا تذکرہ ضرور ہو اور خود صاحبزادی (یعنی تم اختری سے) دریافت کرنا چاہئے کیا واقعی تمہارے کوئی چچا ہیں۔

اختری۔ مجھے تو کوئی چچا یاد نہیں۔ مگر کون پوچھنے والا ہے۔ شیخ صاحب کے حواس درست نہیں ذرا سی

بات کا بتنگڑ بنا لیا ہوگا۔

خورشید مرزا۔ میرا بھی یہی خیال ہی۔ مین نے تم سے کہا نہ کہ شیخ صاحب اس گھر کے بڑے خیر خواہ ہین۔ کوئی بات ہوئی ہوگی کچھ کسی سے سن لیا ہوگا، شیخ صاحب کی احتیاط پیرانہ سالی اور ضعف مرض کے سبب بڑھ گئی ہو بلکہ خوف کہنا چاہیے، جب دل کمزور ہو جاتا ہو چھوٹی سی کنکری کو آدمی پہاڑ سمجھنے لگتا ہی۔

اختری۔ درست ہی (منہ سے تو درست بجا کہدیا لیکن اختری کو بڑی دیر تک اسی کا خیال رہا) آخر فکر کرتے کرتے وہ سمجھ گئی ہون نہ ہون نواب مرزا ہون۔ مگر اس کا تذکرہ خورشید مرزا سے مناسب نہ تھا۔ سالے بہنوئیون مین رنجش ہو جانے کا خوف تھا۔ پھر اختری نے چاہا کہ منصوری پہاڑ پر نواب مرزا کو جو واقعہ پیش آیا تھا اُس کا تذکرہ کیا جائے لیکن یہ بھی مناسب نہ معلوم ہوا اس لئے کہ اسمین بھی نواب مرزا کا نام آتا اختری ہرگز نہین چاہتی تھی، کیا ضرور تھا کہ نواب مرزا کی خیر خواہی خورشید مرزا پر ظاہر ہو، خدا جانے کیا خیالات پیدا ہون، بالآخر اُسنے فکر کر کے کہا تو یہ کہا "مین نہین خیال کرتی کہ اس کی چوری کا ہے کی مجھکو جو کچھ ماں باپ کے ترکہ مین ملا ہے وہ میرا مال ہے لوگون کو خدا جانے کیا فکر پڑی ہی۔

اصل واقعہ یہ ہی بقول حافظ شیراز۔

نہان کے ماند آن رازے کزو سازند محفلہا

جو خرابیان اب تک پیدا ہوئین یا آگے ہون وہ اس کے چھپانے سے ہوئین اور ہون گی، ظاہر ہی کردینا چاہیے تھا۔

خورشید مرزا۔ مین تو پہلے ہی سے اس کے خلاف تھا۔ تم کو یاد ہوگا تمھاری مان نے کس اصرار سے مجھکو راضی کیا تھا۔

اختری۔ مجھکو خوب یاد ہی۔ اور جن باتون کا آپ کو خیال تھا وہ سب آگے آئین، اور ابھی دیکھیے کیا کیا ہوتا ہی۔ پھر مین کہون گی کہ میرا مال میری جائداد لوگون کو کا ہے کا ملولا ہی۔

خورشید مرزا۔ (اختری کی ناتجربہ کاری پر مسکرا کے) ابھی تم بچہ ہو، دولت بہت اچھی چیز ہے اور بہت بری چیز ہے۔ اچھی اس لئے ہی کہ دنیا کا کوئی کام بغیر اسکے نہین چل سکتا، سچ تو یہ ہی کہ خدا بھی دولت سے ملتا ہی۔ بری اس لئے کہ دولت والے کے ہزارون دشمن پیدا ہو جاتے ہین، شیطان کو اس کے ذریعہ سے بہکانے کا اچھا موقع ملتا ہی۔

اختری۔ یہ بجا ہے لیکن دولت والا چاہے تو اُس کے دوست بھی بہت پیدا ہو سکتے ہین۔ (یہ نواب مرزا اور سرفرازی کو دل مین رکھ کے کہا تھا)

خورشید مرزا۔ دولت کی وجہ سے جو دوست پیدا ہوتے ہین وہ درحقیقت دولت کے دوست ہوتے ہین، اور دولت والے کے دشمن۔

اختری۔ مگر سب بندگان خدا یکسان نہین ہوتے، اکثر خدا کے بندے تنکا اُتارنے کا احسان مانتے ہین

خورشید مرزا۔ مگر اچھے کم اور بُرے بہت ہین، اس لئے دوست کم اور دشمن زیادہ ہین۔

اختری۔ (ذرا اُلجھ کے) جب سب طرح مشکل ہی تو پھر کیا کیا جائے۔

خورشید مرزا۔ یہی اصل بحث ہی اور دولت والے کو اس کا فیصلہ کرنا ہوتا ہی۔ دولت والے کی بڑی بھاری ذمہ داریان ہین اُسکو دُنیا مین پھونک پھونک کے قدم رکھنا پڑتا ہی، دولت ہونا بھی مشکل، نہ ہونا بھی دشوار۔ رکھنا بھی مشکل، اُٹھانا بھی دشوار۔ مردون کو مشکلین پڑتی ہین، عورت ذات کے لئے تو سخت مشکلین ہین۔

اختری۔ دل مین خدا چاہے تو سب آسان ہو جائے اُسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ خدا عادل ہی ظالم نہین ہی نیکی کا بدلہ نیکی ہی کریگا۔ وہ تو بُرون کے ساتھ بھی نیکی کرتا ہی، بس آدمی کو چاہئے نیک نیت رکھے۔

باب ۱۲

دوسرا دعوے دار ولایت

کوئی گلچین ہو یا صیاد ہو   جو عدو ہے باغ ہو برباد ہو

برسات کا سامان، لڑکیان بالیان چھوٹے لڑکے نوکر چاکر باغ مین کوئی جھولا جھول رہا ہے کسی نے ٹپکے آم ایک درخت کے تھالے مین جہان برسات کا پانی بھرا ہے اکٹھا کئے ہین، لیکن آم کھائے جاتے گٹھلیون سے چوتھی کھیلی جاتی ہی۔ کسی کے کپڑے کیچڑ مین لت پت ہین کوئی سر سے پاؤن تک اَمرس بن گیا ہی۔ پانی برس رہا ہے، ٹھنڈی ہوائین چل رہی ہین درختون کی ڈالیان مستانہ جھوم رہی ہین، بیلے چمیلی، جوہی کے پھولون کی مہک سے تمام باغ معطر ہو رہا ہے۔ پھول چنے جاتے ہین گلدستے بنائے جاتے ہین، ہار گوندھے جاتے ہین، نازک مزاج بیویون نے کانون کے لودون مین بیلے کی ایک ایک کلی ڈال لی ہی۔ ماما اصیلون کی چوٹیان ہارون مین لپٹی ہوئی ہین۔ جھولے کا رسّا کھُل گیا جھولنے والے دھما دھم گرے، چھوٹے لڑکے رو رہے ہین ٹیٹے

پھر سنبھل سنبھل کے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں پھر سے جھولا ڈالا جاتا ہے - ایک طرف دیہاتی چولھوں پر جو اسی وقت بنائے
گئے ہیں پوریاں تلی جاتی ہیں ترکاریوں کی بھجیا بنائی جاتی ہے کوئی گھر سے توشہ بھر دسنے کے چلا ہے بیٹھے
آموں سے روغنی روٹیاں کھائی جاتی ہیں، نادری اختری کو جھولا جھلانے کے لئے بڑے اصرار سے لائی ہے
یہ راضی نہیں ہوتی وہ ضد کر رہی ہے یہاں تو یہ جشن ہو رہا ہے۔ خورشید مرزا کنوئیں کی جگت کے پاس سر پکڑے
بیٹھے ہیں ان کی قسمت میں تردد اور فکر مندی لکھدی گئی ہے، آج بہت ہی اداس ہیں - اختری سے تو یہ
کہدیا تھا مجھے کچھ خوف نہیں ہے مگر وہ غضب کا اندیشہ ہے کہ عمر بھر نہ ہوا تھا، دل ہی دل میں کہتے ہیں میں چین
سے اپنے گھر میں بیٹھا تھا لڑکپن کی عاشقی کے خیالات بھول بھال گئے تھے، خورشید بیگم رحلت کر گئیں
پچیس برس کے بعد بیٹھے بٹھائے ایک نیا غم دے گئیں خود تو بہشت نصیب ہوئیں مجھکو عذاب میں گرفتار کر گئیں
ابھی سال بھر ادھر تک مجھکو کوئی خوف نہ تھا۔ لیا امانت جہان کا تھان تھا - ادھر مجھ پر مصیبت پہ مصیبت
آئی، جائداد نیلام پر چڑھ گئی، ادھر لڑکی نے انہیں دے کے مجھے اپنا روپیہ صرف کرنے کی ترغیب دی ادھر اس
مراد علی نے جو روپیہ کا حال کہیں سن پایا تھا پیچھے پڑ گیا، آج دس ہزار منگوائے کل دو ہزار، مہاجنوں کا سود
در سود لاکھوں دیدئے گئے، میں نے بھی بے تکلف صرف کرنا شروع کر دیا، لڑکی نے کئی ہزار دینا بھیج
کئے آج ہزار روپیہ بھیجئے کل دو ہزار روپیہ بھیجئے، خدا جانے اسکو دیتی ہے کیا کرتی ہے مگر انصاف یہ ہے کہ اگر
اس کے ذمہ دس بھیج ہیں تو میرے حساب میں ہزار، اچھا خاصہ بار مجھ پر ہو گیا ہے - بھلا یہ ادا کس طرح ادا
ہوگا، ابھی تک تو یہ خیال تھا کوئی پوچھنے والا نہیں ہے یہ قصہ جو مراد علی نے بیان کیا ہے اگر سچ ہے، علیجان کا
سگا بھائی زندہ ہے تو وہ لڑکی کا سگا چچا ہے - میں قدرتی رشتہ کا معترف ہوں اسکو ہر طرح ولی ہونے کا
حق پہونچتا ہے اگر دعوی ہوا اور ضرور ہوگا میں نے خود اخبار میں پڑھا ہے اسنے پتہ دریافت کرنے کو اشتہار
دیا ہے - یہ جو شیخ احمد علی کے پاس کوئی آیا تھا وہ خود تھا یا اس کا کوئی پیروکار تھا بڑا غضب ہوا، وہ
کوڑی کوڑی کا حساب لے گا، لاکھوں روپیہ میرے ذمہ ہے - اگر میں کہوں کہ لڑکی کی رضامندی سے میں نے
خرچ کیا ہے تو معقول جواب ہے کہ نابالغ کا کوئی قول فعل قابل اعتبار نہیں، لڑکی کا ذاتی حساب مجھکو شش
ماہی دینا پڑتا ہے وہ تو اس خیال سے کہ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے مصنوعی بنا کے دیدیا جاتا تھا، اب خیانت
ثابت ہوگی - سوائے جیل خانہ کے کہیں ٹھکانا نہیں ہے - ان جھگڑوں میں بے آبروئی ہوئی - مراد علی کے
سوا کوئی رفیق نہیں اسنے جو مصالحت کی صورتیں پیدا کی ہیں اسی سے کچھ بہتری کی امید ہے بشرطیکہ وہ لڑکی
رضامند ہو جائے، وہ کہتا ہے کہ رضامند ہوگا -
سخت مشکل یہ ہے کہ میں اختری کو اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتا ہوں خدا نے اس کی محبت میرے دل میں ڈال دی ہے

ایسی نیک ایسی سیرچشم اپنا روپٹ دیکھکے عاجزی کرنا اُسی کا ظرف ہے - پھر جعفری کے خواہ مخواہ کے ملنے اور اُس
کی بُردباری، اگر یہ لڑکی مجھ سے چھن گئی اُدھر تو وہ ہلاک ہوجائے گی اِدھر مین مرجاؤن گا - دیکھئے کیا ہوتا ہے
اِس تمام تشویش اور اضطراب کا سبب مرادعلی کی وہ تقریر تھی جو اُسنے شیخ احمد علی کے مکان پر خورشید
مرزا کے گوش گذار کی تھی وہ تقریر یہ تھی!

مرادعلی - (خورشید مرزا کو نہایت ادب سے مخاطب کرکے) حضور اُمیدوار ہون کہ چند ضروری باتین اِس
خادم کی سماعت فرمائی جائین، بشرط اجازت عرض کرون -

خورشید مرزا - ہان ہان بیان کرو، نواب صاحب کو بالکل گمان نہ تھا کہ یہ تقریر ایسی خوفناک ہوگی -

مرادعلی - اختری بیگم صاحبہ کے واقعات سے حضور نے مجھکو مطلع نہین کیا، لیکن خادم کو محض براہ خیر
خواہی جو کچھ معلوم ہوگیا اُسکو یاد رکھتا گیا، یہان تک کہ جملہ واقعات پر اطلاع ہوگئی، خادم نے خود دخل
در معقولات کا قصد نہین کیا اس لئے کہ جب سرکار نے مجھکو قابل خطاب نہ سمجھا تو میری کیا مجال اور کیا ضرورت
تھی کہ زبردستی دخل دیتا مگر بعض واقعات چچا صاحب کو کسی اور معاملہ کے تذکرہ مین ضمناً کہنا پڑے شاید
وہ بھی نہ کہتے مگر محض خیر خواہی اور پاس نمک سے ضعف اور بدحواسی کے عالم مین زبان سے نکل گئے بعض
واقعات اعتدالیون سے معلوم ہوئے جنکی تفصیل کو حضور کی سمع خراشی کے لحاظ سے مین فروگذاشت کرنے
پر مجبور ہون ٹھیک اُسی طرح جیسے دانہ دانہ خرمن اور قطرہ قطرہ دریا ہوجاتا ہے ایک مدت مین اِس خاکسار
کو جملہ حالات معلوم ہوگئے - سرکار سے اِس امر کے اظہار کی مین معافی چاہتا ہون یہ فی الجملہ خلاف ادب ضرور
ہے کہ جو راز حضور نے مجھ سے پوشیدہ رکھا مین اُس کا انکشاف کرون اور پھر بیتابانہ اپنی واقفیت کا اظہار بھی
کرون جب یہ راز مجھپر منکشف ہوگیا تھا خیر خواہی نے مجبور کیا کہ عرض کردون کیونکہ اب نہ کہنا سرکار
کو ایک قسم کا فریب دینا تھا، مگر افسوس خادم کو یہی خیال ہوا -

خورشید مرزا - نہین تمھارا کوئی قصور نہین مین خود کسی وقت مناسب پر تم سے ضرور کہدیتا، تمھاری
کم سنی کے خیال سے نہین کہا گیا - کیونکہ تم کتنے ہی لائق اور ہوشیار کیون نہ ہو جاؤ میری نظر مین تو تمھارا
وہی زمانہ ہے جب تم ولایت کی انگوٹھی باندھے ننگے بوٹی سے پھرا کرتے تھے -

مرادعلی - ذرا جھپکے گردن جھکالی - یہ سرکار کے بزرگانہ الطاف کا پورا ثبوت ہے - یہ سرکار کی
قدردانی ہے کہ کسی وقت مجھکو رازداری کے قابل تصور فرماتے -

خورشید مرزا - معلوم ہوا کہ سب طرح یہ اہم معاملہ تم کو علم ہے تو اِس اسکول مین رکھو اور وقت مناسب
تک سکوت اختیار کرو، اور وقتاً فوقتاً مناسب احکام کی تعمیل کے لئے آمادہ رہو - پھر مرادعلی کی طرف دیکھکر

کیا مجھکو کچھ اور اس معاملہ مین کہنا ہے۔

مراد علی۔ ابھی تو خاص واقعہ قابل توجہ خادم نے عرض ہی نہین کیا جس کے لئے یہ تمہید اٹھائی اور سرکار کی سمع خراشی کی۔ مگر قبل اس کے کہ کچھ عرض کر سکون ایک امر سرکار سے دریافت طلب ہے۔ وہ یہ ہے کہ کیا علی جان کا کوئی حقیقی بھائی بھی تھا۔

خورشید مرزا۔ (چونک پڑے وہ نہ جانتے تھے کہ مراد علی اس حد تک اس معاملہ سے واقف کہ وہ خورشید بیگم کا علی جان سے نکاح ہونا بھی جانتا ہے) تم علی جان کو بھی جانتے ہو؟۔

مراد علی۔ صرف اسقدر کہ وہ اختری بیگم کے باپ تھے، اور کچھ ان کے بارے مین مین نہین جانتا۔

خورشید مرزا۔ (دل مین، اور اس سے زیادہ کیا جاننے کی ضرورت ہے) صرف اسی قدر وہ اختری کے والد تھے۔

مراد علی۔ (کے چہرہ پر وہ بشاشت نظر آتی ہے جیسے کسی جنگ مین حریف کو مغلوب کرنے سے ہوتی ہے) اب مراد علی خورشید مرزا کے اضطراب سے لطف اٹھا رہا تھا جس طرح ظالم شکاری کسی مرغ نیم بسمل کے پھڑکنے سے خوش ہوتا ہے، کلام کا انداز بالکل مودبانہ اور نہایت سہولت کے ساتھ جسمین شائبہ جوش کا نہ تھا) مجھے چند ہی روز سے بعض اہم واقعات کا علم ہوا ہے، یہ بھی حسن اتفاق ہے ممکن ہے کہ مین کسی نہ کسی طرح سرکار کی کوئی خدمت کر سکون۔

خورشید مرزا۔ (بدحواس ہوکے) کونسا اہم واقعہ؟

مراد علی۔ (دلمین نواب صاحب نے گویا نہین سنا یا میرا مطلب نہین سمجھا) علی جان کے بھائی میان جان کا ابھی انتقال ہونا۔ مگر اختری بیگم کے حقیقی وارث ہونے مین کوئی شبہ نہین ہے، اور یہ راز جن دوراندیشیون سے اختیار کیا گیا ہے وہ بھی مجھسے پوشیدہ نہین رہا۔ بہرصورت اختری کو کوئی نقصان نہین پہونچسکتا۔

خورشید مرزا۔ (بہت خوش ہوکے، گو یہ خوشی محض مصنوعی تھی جسکو مراد علی خوب سمجھتا تھا) پھر کوئی محل تردد کا نہین ہے، اصلی مقصد تو یہی ہے کہ اختری محفوظ رہے۔

مراد علی۔ (شاید نواب صاحب ابتک مجھی سچ مچ بچہ سمجھتے ہین جیسے ابھی محبت سے ظاہر فرمایا تھا) مگر اسمین ایک بات ہے شاید حضور نے اس طرف توجہ نہین فرمائی۔ یعنے اختری بیگم کے ولی ہونے کا حق۔ اس لئے کہ میان جان حقیقی چچا ہے اگر وہ ظاہر ہوکے نابالغہ کے ولی ہونے کا دعوی کرے تو قانوناً کامیاب ہونے مین کوئی شبہ نہین ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ سرکار سے دور کی رشتہ داری ہے وہ بھی ان کی جانب ہے۔

خورشید مرزا۔ (کے اضطراب کی وہ حالت تھی جس کا مراد علی ایسے چلتے پرزے سے پوشیدہ رکھنا غیر ممکن

تھا - اگرچہ خورشید مرزا نے کمال خودداری کو کام فرمایا اور لب ولہجہ سے استقلال ظاہر کیا - لیکن مجبوری بڑے زور سے دبائے ہوئے تھی جیسے کسی کو شکنجہ مین کس دیا ہو - بلکہ قبر کے فشار کا سا عالم تھا ، کیونکہ یہ اُن کے سان گمان مین نہ تھا کہ میرے سوا اور کوئی اختری کا ولی ہو سکتا ہو - ماں نے ہاتھ مین ہاتھ دیا ، کلکتہ ہائی کورٹ نے ولایت کا سارٹیفکٹ عطا کیا - اس سے بڑھ کے کیا پختگی ہوگی - یہ قانونی ولی کہان سے نکل آیا وہ اختری جسکو مین نے بچون کی طرح گھر مین رکھا اب وہ مجھ سے زبردستی چھین لیجائے گی - خورشید مرزا نے نہایت دلیر ہو کے یہ پیرایۂ تقریر کا اختیار کیا ، جیسے کوئی ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا لیتا ہو) مراد علی میرے خیال مین کوئی چچا اختری کا زندہ موجود نہین ہو - جب ہائی کورٹ سے اشتہار جاری ہوا اُسوقت اُسکو سامنے آکے عذر دار ہونا تھا - اب کیا ہوتا ہو -

مراد علی - (نے خورشید مرزا کو اپنی تقریر سے بیوقوف بنایا) سرکار قانون کے اینچ پینچ سے واقف نہین خادم دن رات یہ کرشمے دیکھا کرتا ہو ، لاعلمی کا ثبوت کچھ ایسا مشکل نہین ہوا وگا تو نام بروہ ایک ہندوستانی ریاست مین مدتون سے ملازم ہو - شاید آجکل اجین مین ہو جو مہاراجہ جیاجی راؤ سندھیہ کی عملداری مین ہو ، دوسرے شاید وہ ثابت کر سکے کہ جب یہ سارٹیفکٹ حاصل کیا گیا ہو تو مدعی ملک عرب مین مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے گیا ہوا تھا اور وہان کئی سال تک رہا - اب آیا ہو اور آنے کے چند روز کے بعد اُسکو علم ہوا ہے - جس تاریخ سے وہ اپنا علم ثابت کریگا بس وہی تاریخ بنا ر مخاصمت قرار پائے گی -

خورشید مرزا - (اس جواب کی متانت اور معقولیت کو اچھی طرح سمجھ گئے مگر اپنی بے پروائی کے اظہار کے لئے کہا) یہ دُور از کار خیالات ہین دیکھا جائے گا ، پیش از مرگ واویلا ، کیا ضرور ہو - کہتے تو یہ کہہ رہے تھے مگر دل کا جو عالم تھا وہ دل ہی جانتا تھا -

مراد علی - ایک تازہ چھپا ہوا اخبار جیب سے نکال کے ، نواب صاحب کو ایک اشتہار دکھایا -

اشتہار کا مضمون یہ تھا :-

" میری حقیقی بھتیجی اختری بیگم سن تخمیناً سولہ ۱۶ برس میرے حقیقی بھائی علی جان مرحوم ساکن مٹیا برج کلکتہ کی بیٹی مسماۃ خورشید بیگم کے بطن سے مفقود الخبر ہے جو شخص اُس کے ٹھیک پتہ سے مجھکو اطلاع دیگا سو ۱۰۰ روپیہ انعام کا مستحق ہوگا "

المشتہر ، میان جان صوبہدار پنشن خوار گوالیار ساکن چھاؤنی اُجین

باب ۱۳

سعدیا مژدۂ بہار بیار
خبر بد بہ بوم شوم گذار

خورشید مرزا کے خیالات مراد علی کی طرف سے چُبے نہ تھے ، آج پہلا دن تھا کہ خورشید مرزا کا دل اُس کی
طرف سے پھر گیا ۔ اس کی کوئی وجہ معقول ہو یا نہ ہو ، اوّلاً تو بد خبر دینے والا کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا
خصوصاً جبکہ بُری خبر دینے والے کی نیت بھی بُری ہو ۔ مراد علی کی نیک نیتی گو اُس کی انداز گفتگو سے ظاہر تھی
اعتدال سے زیادہ مصنوعی ادب کا اظہار ضرورت سے زیادہ سرکار ، اور حضور اور خادم اور غلام کے استعمال
نے تقریر کو سامعہ خراش بنا دیا تھا ، پھر اُس کے بشرے سے اُس خلوص کے اظہار کے خلاف شہادت ملتی تھی
وہ گویا خورشید مرزا کی مایوسی اور مجبوری پر متحیر کر رہا تھا ۔ جب خورشید مرزا غور کر رہے تھے کہ اختری کا پتہ مشتہر کو
کون دیگا تو سب سے پہلے مراد علی کا نام اُن کے ذہن میں آیا نہ صرف اس لئے کہ مراد علی کو سو روپیہ کے
انعام کا لالچ ہو بلکہ اس لئے کہ اگر یہ معاملہ ٹھیرا تو مراد علی خود مدعی کا شریک ہوجائے گا یا پوشیدگی
سے سازش کرے گا ، وہ کھلم کھلا شرکت کرنے سے بھی بدتر ہے ۔ کبھی کبھی خورشید مرزا کو یہ گمان ہوا کہ شاید یہ
پورا قصہ مصنوعی ہو ۔ مگر مراد علی کی طرز تقریر سے جو سراسر خورشید مرزا کے خلاف تھی اصلیت پائی جاتی
ہی اُن کو یہ خیال تھا کہ اگر یہ قصہ مصنوعی ہوتا تو مراد علی ایسا دلیر بنکے گفتگو نہ کرتا ۔ کبھی کبھی یہ بھی گمان ہوتا
تھا کہ مراد علی اگر خیر خواہ نہیں ہے تو بدخواہ بھی نہیں ہے جو فقط آسودگی سے مل سکتا ہے میں اُس کے دینے
کے لئے موجود ہوں ، مراد علی کے چچا نے عمر بھر میرا نمک کھایا ہے ، مراد علی خود خانہ زادوں کی طرح میرے
گھر کے ٹکڑے کھا کے پلا ہے ۔ اب ایسا کبھی کیا اندھیر ہے کہ مراد علی میرے ہی گلے پر چھری پھیرنے کو
آستین چڑھائے گا ۔ میں نے نہ اُس کے چچا شیخ احمد علی کے ساتھ کوئی بُرائی کی نہ مراد علی کے ساتھ
پھر مراد علی میرا دشمن جانی کیوں ہونے لگا ۔ ۔ خورشید مرزا کو یہ علم نہ تھا کہ خود غرض بندۂ زر مروت کو گناہ
عظیم جانتے ہیں ۔ البتہ یہ خبر ان کو قدرتاً ناگوار ہوا ہے سنتے ہی عقل پر ازراہ خیر اندیشی چھا گیا کیا جبکی
ناگواری نے خبر دینے والے کو میری نظر میں بُرا بنا دیا ، غرض کہ خورشید مرزا کے دل نے ابھی تک فیصلہ نہیں
کیا ہے بلکہ مراد علی کی نیک نیتی اور خیر خواہی کا خیال غالب رہا ہے

باب ۱۴

جعفری کی فرمائش اور صاف جواب

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

جعفری بیگم، پھر گھر پر آگئیں نادری کی چند روزہ حکومت کا زمانہ ختم ہوا۔ کنجیوں کا گچھا نادری کے کمربند سے کھل کے جعفری کے قبضہ میں آیا۔ جعفری جو کچھ جنس چھوڑ گئی تھیں اُس کا صفایا ہو گیا تھا گھی تیل نمک مصالحہ سب غائب تھا کچھ تو نادری کی ناتجربہ کاری سے ماماؤں کو خوب اُڑانے کا موقع ملا، بارہ کی مہمان داریوں میں بھی اچھا خاصہ صرف ہوا جعفری کی قسمت میں دن رات کا جھینکنا لکھا تھا، لے لو میرے پیچھے خوب لوٹ ہوئی، دو مہینہ کے حساب سے آج آیا تھا، مجھے گئے ہوئے ایک مہینہ ہوا کیوں لگا نصیبن چھلیا تو لگا کو لیے بیٹھی تھیں ہاں میں ہاں ملانے والی، ہاں بیوی مہینہ تو ہو گیا، وہی میری نواسی کلو کی دودھ بڑھائی کے دوسرے دن آپ سدھاری تھیں چھٹا چاند تھا لے پھر وہی چھٹا چاند ہے دو بارہ وفات کا مہینہ تھا اب میران جی کا ہے۔

جعفری۔ انگلیوں پر حساب کرکے، ہاں ایک مہینہ سے دو دن اوپر ہوئے، نا صاحب میں ایسی گھر داری سے باز آئی، باوا جان آئیں تو میں کہوں اب بی نادری گھر داری کریں۔

مگر یہ سب زبانی باتیں تھیں جعفری پر حکومت کا نشہ تھا بھلا وہ کب نادری کو اختیار دے سکتی تھی، جھینک بیٹھ کے آخر چپ ہو رہی، نادری کو سالگرہ کے دن پچاس روپے ملے، اختری کو چپکے چپکے دیا جاتا ہے، اب میری باری ہے آنے دو باوا جان کو۔ جعفری تو ان خیالوں میں تھیں اُن کو کیا معلوم تھا کہ باوا جان کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔ ع

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد

خیر شام جب مرزا صاحب دیوان خانے میں آئے گھر کوئی سلام لیتا اور ان کے بشرہ کی طرف دیکھتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ وہ سخت پریشانی کے عالم میں ہیں پریشانی کا سبب ناظرین کو معلوم ہے۔ اپنی جائداد پوری تلف ہو چکی ہوتی

اگر اختری کا روپیہ نہ ہوتا نیلام ہو جاتی - اختری کی رضا مندی سے سہی مگر وہ کمسن ناسمجھ ہے دولت کی قدر نہین جانتی، اُس کی مان نے میرے حوالہ کیا تھا مجھکو نہایت دیانت سے کام کرنا تھا اُس کے روپیہ اپنے صرف مین نہ لانا تھا، اگر اُس کی مان زندہ ہوتی اور مجھ سے کہین حساب لیتی تو مجھکو کیا کہتی، اچھا وہ تو مر گئی مگر خدا تو زندہ جاوید ہے، قیامت کا دن دُور نہین - قیامت بھی دور سہی، یہ میان جان کہان سے بیچ مین آیا اگر کل آ کے مجھ سے حساب فہمی کرے اور ضرور کرے گا - تو پھر؟ کسقدر خوفناک نتیجہ ہوگا - جیل خانہ! اس ضعیفی کے عالم مین قید با مشقت چار دن بھی زندہ نہ رہون گا - مرجانا تو سہل ہے یہ زندگی بھر کی سپاہی خاندانی ریاست آج تک عزت سے بسر ہوئی - اب آبرو پر بن گئی - ساری عزت خاک مین مل جائے گی - دیکھئے کیا ہوتا ہے - پھر پھر کے وہی مراد علی - اسوقت کوئی خیر خواہ ہے تو وہ مراد علی ہے - شیخ احمد علی کا زندون مین شمار نہین - اب یہ مراد علی کے ہاتھ ہے کہتا تو ہے کہ حتی المقدور کوشش کر کے مصالحت کرا دون گا، جائداد اختری کے نام منتقل ہو جائے گی - مین جائداد سے باز آیا، خاندانی وثیقہ پنشن سوا سو روپیہ اہوار اسی پر بسر اوقات ممکن ہے، تنگی سے سہی مگر آبرو تو بچ جائے گی - اور اگر خدانخواستہ میان جان مصالحت پر راضی نہ ہوا اور قانونی گرفت کی تو سخت مشکل کا سامنا ہوگا - پھر سوائے قید کے کوئی پہلو مفر کا نہین نظر آتا - خورشید مرزا کے یہ خیالات تھے اسی حالت مین جعفری نے اپنی سنجھی مین مُلا کے ایک کمخواب کا پاجامہ بنت ٹنکی ہوئی بہت بھاری کوئی پانسو کی تیاری کا جو کہین سے بکنے آیا تھا دکھا کے ؎

جعفری - ابا جان یہ پاجامہ بکنے آیا ہے پانسو کی تیاری کا ہے مگر جن کا پاجامہ ہے وہ آجکل مفلس ہین سب اسباب اپنا فروخت کر رہی ہین، بیچاری کربلا جانے والی ہین سو روپیہ کم قیمت کو مل جائیگا بہت اچھے ابا جان یہ پاجامہ مجھکو لے دیجئے - اللہ آپنے نادری کو پچاس روپیہ سالگرہ مین دئے مین تو کبھی آپسے کچھ مانگتی نہین یہ پاجامہ مفت جاتا ہے -

خورشید مرزا - سخت برہم ہو کے، تم کو معلوم بھی ہے مجھپر کیا بنی ہے (جو خیالات اصل تھے وہ کسی سے کہنے کے نہ تھے) خدا جانے کس طرح معمولی خرچ چل رہا ہے - آجکل اتنا روپیہ فضول اخراجات کے لئے ہرگز ممکن نہین، بس یہ کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے - دوبارہ کچھ کہنے کا بھی جعفری کو موقعہ نہ دیا -

جعفری، مایوس ہو کے رہ گئی مگر انتہا کا غصہ آیا، اے لو نادری کو چپکے سے پچاس حوالے کئے، اختری کو برابر روپیہ دیا جاتا ہے - ہان وہ بھی اختری کی سفارش سے نہین تو میری طرح اُسکو بھی صاف جواب مل جاتا اب تو جو ہین بی اختری ہین، اچھا تو اب اختری اس گھر مین رہین گی یا مین رہونگی -

اگر اختری کو جعفری کی فرمایش کا حال معلوم ہوتا جس طرح بنتا منت سے خوشامد سے اُسکو روپیہ دیتی

مگر اس سے کیوں کہتیں اور کیوں لیتیں وہ تو باواجان کی بیٹی تھیں مری ہوئی ماں کی اصل قائم مقام تھیں۔
اس واقعہ سے جعفری کو اختری سے سخت نفرت پیدا ہوگئی، اب وہ گویا کھلم کھلا اختری کو آزار پہونچانے کے درپے ہوگئیں اُسنے دل میں ٹھان لیا کہ میں اختری کو کسی نہ کسی موقعہ پر گھر سے نکال کے رہوں گی۔
انھیں دنوں میں جعفری کو ایک پرچہ کاغذ انگنائی میں پڑا ہوا مل گیا جو غالباً خورشید مرزا کی جیب سے گر پڑا تھا۔ یہ اختری کا رقعہ تھا:۔

ماموں جان جو پچاس گنیاں آپنے عنایت کی تھیں وہ صرف ہوگئیں اب سو گنیاں مجھکو اور دیجیے ایک غریب شریف زادی کا عقد ہے کچھ اسکو دوں گی۔ اماں جان کے روزے نماز کے لئے تو آپ کی شفقت سے جو کچھ دینا تھا دیدیا گیا۔ حج اور زیارت کے لئے سات سو روپیہ دینا ہیں، ایک سید بڑے نمازی پرہیزگار جناب قبلہ و کعبہ کی تجویز اور ہدایت سے نیابتہً حج بجالائیں گے اور بھی اسی قسم کے اخراجات ہیں زیادہ حدادب، فقط

عریضہ ادب "اختری"

اس رقعہ کو پڑھ کے جعفری کو جنون سا ہوگیا اللہ ہمکو اتنی تو نے روپیہ نہ دئے گئے اور یہ پندرہ سو کی رقم اختری کو چپکے سے مل گئی، اس کے پہلے ہزار لے چکی تھیں۔ یہ اماں کون تھیں؟ اہاہ اب کھلا یہ ہماری اماں کی سوت تھیں! تو کیا اختری آباجان کی بیٹی ہیں، نہیں نہیں، تو پھر وہ ماموں جان کیوں کہتی خدا جانے کیا ہیر پھیر ہے۔ یہ اختری کی اماں جان ہونہ ہو اباجان کی ..... ہوں۔ کوئی رنڈی ہوگی جعفری نے جوش انتقام میں ایک مری ہوئی باعصمت شریف زادی کو رنڈی بنا دیا اور اپنے باپ کو بھی عیب لگا دیا۔
اختری کے جلاپے میں جعفری کو باپ کے ادب کا بھی خیال نہ رہا اُسنے باپ کی طرف سے ناپاک خیالات کو دل میں جگہ دے کے خود گناہگار ہوگئی، کسی کی طرف سے بدگمانی اچھی نہیں خصوصاً ماں باپ مگر رشک و حسد نے دل میں آگ لگا رکھی تھی۔ انتقام پر اُبھار رہی تھی، اُس کا بس نہ تھا کہ اختری کا قیمہ بنا کے چیل کوؤں کو بانٹ دے۔ کچھ بس نہ چل سکتا تھا اس لئے دل میں کینہ رکھنے پر مجبور تھی۔
اس درمیان میں خورشید مرزا اور اختری سے اکثر علیحدہ باتیں ہوئیں۔
خورشید مرزا۔ یاد کرو تمھارے باپ کے کوئی بھائی تھے۔ آخر تم نے کسی کو دیکھا تھا، تمھاری ماں کی عزیزوں کو تو اچھی طرح جانتا ہوں مگر تمھارے باپ کے قرابت داروں کا حال مجھے نہیں معلوم۔ تمنے اپنی ماں سے کسی کا نام سنا ہو تو یاد کرکے بتاؤ۔ کس سے پوچھوں سخت حیرانی ہے۔
اختری۔ جی نہیں آباجان کا کوئی بھائی نہیں ہے سنتی ہوں کہ ایک بھائی تھے مگر میں نے نہ اُن کو دیکھا نہ اُن کا کوئی تذکرہ سنا، شاید وہ آباجان کے مرنے سے پہلے مر گئے ہوں گے۔

خورشید مرزا۔ تو مجھیں اچھی طرح یاد نہیں۔ تم کہتی ہو شاید۔ مر گئے ہوں یہ شبہ کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ زندہ ہوں
بلکہ مراد علی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ ہیں۔

اختری۔ اس معاملہ میں مراد علی کا نام سن کے سمجھ گئی کہ اُسی کا شگوفہ چھوڑا ہوا ہے۔ مگر خورشید مرزا سے مراد علی کی خیر خواہی کی تعریف بار بار سن چکی تھی اس لئے اُسکو مراد علی کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ماموں جان مراد علی کو اچھا سمجھتے ہیں میرا بدی کرنا خلاف مزاج ہوگا۔

آخر اختری نے یہ رائے دی کہ بھائی جعفر علی سے تو مشورہ لیجئے دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں، وہ کبھی کلکتہ جایا کرتے تھے اُنھوں نے آبا جان کو بھی دیکھا تھا شاید ملے بھی ہوں۔

خورشید مرزا۔ ہاں ہاں یہ تم نے اچھی صلاح بتائی۔ خورشید مرزا نے اس مشورہ کو پسند کیا بلکہ اُن کو پہلے ہی یہ خیال آیا تھا، مگر حکیم جعفر علی سے وہ اس معاملہ میں مشورہ لینے سے پس و پیش کرتے تھے، اس کے اکثر وجوہ تھے ایک تو جعفر علی خورشید مرزا کے بھانجے تھے اس لئے وہ اختری کے طرفداروں میں تھے۔ دوسرے خورشید مرزا سے ہر طرح چھوٹے باعتبار سن کے بھی رشتہ میں بھی اور اب اُن سے دامادی کا رشتہ ہونے والا تھا بلکہ تقرر کے اعتبار سے گویا ہو چکا تھا۔ خورشید مرزا اختری کے مال میں بہت کچھ تصرف کر چکے تھے اس لئے وہ جعفر علی سے کہتے ہوئے ذرا جھینپتے تھے۔ اُن کا خیال تھا اور بیجا نہ تھا کہ چھوٹے داماد کی نظروں میں حقیر ہو جاؤں گا اُن کا خیال قائم رہا کہ جعفر علی کچھ مجھ سے حساب تو پوچھنے کا نہیں، شاید اتنی جرأت میرے مقابلہ میں نہ ہو اچھا تو مشورہ کرنا چاہیے"۔

خورشید مرزا۔ ہاں جعفر علی کو بلا کے کہوں گا وہ بھی لائق ہیں معقول مشورہ دیں گے، یہ کہہ کے خورشید مرزا دیوانخانہ میں چلے گئے اور امام علی خدمتگار کو جعفر علی کے پاس روانہ کیا، اس اثنا میں مراد علی آ گیا، اُس سے باتیں ہونے لگیں۔ اختری کا کمرہ قریب تھا اس لئے جو باتیں ہوئیں اختری نے سب سنیں اختری کو یقین ہو گیا کہ مراد علی جھوٹا ہے۔

مراد علی۔ میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ اختری بیگم کی جائداد اپنے نام منتقل کر لیجئے اور اُس روپیہ کو ضرورت بلا ضرورت کام میں لگا دیجئے، راجہ کا علاقہ فروخت ہو رہا ہے دس لاکھ وہاں لگا دیجئے، کاغذ کل کے چھپے رکھے ہیں تین چار لاکھ کی وہاں کھپت ہے۔ جواہرات زیور سب آپ اپنے قبضہ میں کر لیجئے منتقل کر کے اپنی مہر لگا کے جیسا مل سکے کوٹھی میں رکھوا دیجئے، کیونکہ خدانخواستہ اگر قرقی آئی تو یہ سب ہاتھ سے نکل جائیگا۔ یہ اختری بیگم کی یقینی خیر خواہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔ بیس لاکھ کے نوٹ اپنے نام سے خرید کر لیجئے آج کل نوٹوں کا بھاؤ اترا ہوا ہے اس سے آئندہ بہت بڑی منافع کی امید ہے۔ غرضکہ وہ دوراندیشی کی بھی باتیں

ہے کہ اختری کے نام ایک حبہ نہ رہے ورنہ میان جان سب لے جائے گا - اور جب اُسکو یہ معلوم ہوگا کہ جائداد کچھ بھی نہین خالی لڑکی ہے اگر مین لے جاؤن گا تو اپنے پاس سے کھلانا پڑے گا - اس معاملہ سے خود ہی دست بردار ہوجائے گا -

خورشید مرزا - اور ولایت کی سند مین جو تفصیل موجود ہے -

مراد علی - اُس کی تدبیر بہت سہل ہے - مین اس شکل پر غور کرچکا ہون اور اُس کی تدبیر پر بھی آپ تردد نہ فرمائین مین سمجھ لون گا -

خورشید مرزا - مین تو اسی کو بہت دشوار جانتا ہون -

مراد علی - مین عرض کر رہا ہون کہ یہ کچھ دشوار نہین ہے - مگر بالفعل قابل عرض کے نہین ہے، آپ اگلے زمانہ کے ہین آپکو قانونی پیچ اور مقدمہ بازی کے فن مین دخل نہین ہے - اس معاملہ کے لئے اس خانہ زاد پر اعتماد کیجئے جب وہ وقت خدانخواستہ آئیگا کہ آپ کی ذات سے کوئی تعرض ہو اُسوقت مین آپکو صاف بچا لاؤن گا، بلکہ آپ کو عدالت مین جانے کی تکلیف ہی نہ ہوگی اس خانہ زاد کے ہوتے حضور کو کوئی تکلیف ہو سکتی ہے -

خورشید مرزا کو مراد علی کی قابلیت کا پہلے ہی سے یقین تھا اب اس مشکل کے وقت مین کُل ذمہ داری اپنے سر اُٹھا لینے کے وعدہ سے وہ یقین اور بھی پختہ ہوتا جاتا تھا - مگر کبھی کبھی یہ خیال بھی آہی جاتا تھا کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اگرچہ بظاہر میرے فائدہ کے لئے کہتا ہے مگر اسمین اس کی غرض بھی شامل ہے - ایسا نہ ہو کہین وقت پر فتنہ و فساد کے جھگڑے میں جھونک دے اور خود ایک معمولی کارندہ کی حیثیت سے بالکل علٰحدہ کھڑا ہو جائے -

مراد علی - ایک امر قابل گذارش ہے - میرے نام مختارنامہ اب تک نہین ہے - چچا صاحب ہی کا فدوی دستخط لے کے کام چلا لیا کرتا ہون - اب میرے نام مختارنامہ کا ہوجانا بہت ضروری ہے -

خورشید مرزا - میرے نزدیک شیخ احمد علی کی حین حیات تک اسی طرح کام کئے جاؤ -

مراد علی - خانہ زاد کو کوئی عذر نہین ہے - مگر اکثر مقدمات دور دور کے اضلاع مین ہین اور آیندہ بکثرت ہونگے - چچا صاحب ضعف کی وجہ سے مشکل کر سکتے ہین اُن کو دوسرے اضلاع مین دستخط کے لئے کہان لے جا سکتا ہون - کیا خانہ زاد کے نام مختارنامہ کرنے مین کوئی تردد ہے - اچھا اختری بیگم صاحبہ کا مختارنامہ میرے نام ہو جائے آپ بحیثیت ولی اختری کی طرف سے دستخط کر سکتے ہین -

خورشید مرزا - کسی وکیل سے اسمین مشورہ کرکے اطلاع دو کیا ایسا ممکن ہے

مراد علی۔ (کچھ سوچ کے) اچھا تو حضور کے ذاتی مختار نامہ میں عجلت چاہئے، آج رجسٹرار صاحب کو لے آؤنگا۔ مجھے بہت جلد کلکتہ جانا ہوگا، اُس سے پہلے یہ مختار نامہ میرے نام ہو جانا چاہئے، اسکے بعد مراد علی رخصت ہوا۔ وہ ابھی رخصت نہ ہوتا اس اثنا میں حکیم جعفر علی صاحب آگئے تھے اور خورشید مرزا صاحب کے چشم و ابرو سے مراد علی کو معلوم ہوا کہ تخلیہ منظور ہے لہذا مراد علی قبل اس کے کہ اُٹھایا جائے خود چلا گیا۔ چلتے چلتے اُسکا جی چاہتا تھا کہ خورشید مرزا اور جعفر علی کی ملاقات میں اُسکو بھی دخل در معقولات کا موقع دیا جائے اس لئے مراد علی نے ان الفاظ میں رخصت چاہی جس سے اُسکو بیٹھے رہنے کو کچھ نہ سہی تو اشارہ تو اجازت ہو جائے کیونکہ وہ حکیم جعفر علی کو جانتا تھا کہ یہ اسی زمانہ کے آدمی ہیں جو کل ہی میں نئے چڑھائے ہیں ایسا نہ ہو اُن کو کھول دیں تو میری تمام اُمیدیں خاک میں ملجائینگی۔ الفاظ رخصت طلب یہ تھے۔

مراد علی۔ اگر میرا حاضر رہنا خلاف مصلحت نہ ہو تو میں حاضر رہوں۔ ورنہ رخصت ہو لوں۔

خورشید مرزا۔ اُس کی اتنی حقیقت نہیں سمجھتے تھے کہ اُس کے حسن طلب پر لحاظ کیا جاتا۔ ہاں اب تم کو آئے ہوئے دیر ہوئی اچھا جاؤ۔

مراد علی۔ دل میں کہتا جاتا ہے کہ جعفر علی صاحب کی کوئی حکمت یہاں نہیں چل سکتی اُسکو خبر نہ تھی کہ پڑھے لکھے آدمی بلا کے چلتے ہوتے ہیں وہ بھی اسی زمانہ کے تھے، خورشید مرزا کی طرح اگلے وقتوں کے بھولے آدمی نہ تھے۔

حکیم صاحب۔ کیا آپ دیر سے آئے ہوئے ہیں۔ اب کچھ ہی تو وقت گیا ہے۔

آخر مراد علی کو جانا ہی پڑا۔

خورشید مرزا اور حکیم جعفر علی، بعد معمولی مزاج پرسی کے،

خورشید مرزا۔ اب اختری بیگم کا مزاج رو بصلاح ہے کوئی تشویش باقی نہیں۔

حکیم صاحب۔ جی ہاں ماشاء اللہ جوارش نے بہت فائدہ کیا۔ مگر ابھی اُسکا استعمال ترک نہ کیا جائے وہ عرق ہاضم برابر پیتی رہیں، ذرا آپ تاکید رکھئے، وہ اکثر اپنے علاج سے غافل ہو جاتی ہیں، ضعف ابھی باقی ہے مقویات ترک نہ ہوں۔ ہاں بہن جعفری بھی تو فیض آباد سے آگئی ہیں۔

خورشید مرزا۔ اس پچھلی بات کا کسی قدر بے پروائی بلکہ طنز سے جواب دیا، جی ہاں تشریف لائی ہیں۔ [illegible] اس [illegible] سے بہت خفا تھے۔

حکیم جعفر علی۔ ان دونوں میں نہیں بنتی۔

خورشید مرزا۔ کون دونوں۔

حکیم صاحب۔ ہان جعفری بیگم اور اختری بیگم ہین۔
خورشید مرزا۔ یہ آپنے آپس کا میل ملاپ ہے۔ مین تو آپ ہین زیادہ دخل نہین دیتا۔
حکیم صاحب۔ مین نے اسی سے عرض کیا کہ اختری کے مزاج مین غیرت ہے اور غصہ کے ضبط کرنے کی عادت ہے۔ ذرا سی بات خلاف مزاج ہوئی اور وہ دل ہی دل مین پیچ کرنے لگین، یہ اُن کی صحت کے لئے سخت مضر ہے۔ اس خاندان مین خاص امراض کے پیدا ہونے کی صلاحیت ہے اس سے خوف ہوتا ہے۔
خورشید مرزا۔ خاندان کے نام سے سلسلہ خیالات اصل مقصود کی طرف رجوع ہوئے۔ ہان خوب یاد آیا جعفر علی تم نے کبھی اپنی خالہ مرحومہ کی زبانی یا اور کسی سے سنا ہے کہ اختری کے کوئی حقیقی چچا میان جان نامی زندہ ہین۔
حکیم جعفر علی۔ جی نہین مین نے تو کبھی یہ نہین سنا میرے خیال مین تو علی جان مرحوم کے ایک بھائی تھے اور وہ اُن کے ہین حیات مر چکے تھے۔
خورشید مرزا۔ (فی الجملہ تسکین ہوئی) مگر یہ شہادت منفی ہے۔ کہنے والا اثباتی شہادت دیتا ہے، بلکہ خود میان جان نے یہ اشتہار دیا ہے (اشتہار حکیم جعفر علی کو دکھاکے)
حکیم جعفر علی۔ یہ اشتہار یہان کیسے پہونچا۔ کیا آپ یہ اخبار منگاتے ہین، مین نے تو کبھی یہ آگرہ کا اخبار لکھنؤ مین نہین دیکھا خصوصاً آپکے پاس۔
خورشید مرزا۔ اخبار مراد علی لایا ہے۔
مراد علی کا نام آتے ہی حکیم کا ذہن مقدمہ کی تہ کو پہونچ گیا، خصوصاً اس وجہ سے کہ چند روز ہوئے مراد علی آگرہ گیا تھا۔
حکیم صاحب۔ یہ اشتہار مراد علی آگرہ سے اپنے ساتھ لائے ہونگے۔ ماموں جان مین آپ سے بارہا کہہ چکا ہون کہ مراد علی بڑا مفسد ہے اور منتفنی ہے۔
خورشید مرزا۔ جعفر علی کی بیجا بدگمانی سے کسی قدر آزردہ ہوکے تو کیا جائے ع

باہمین مردمان بیا مد ساخت

مراد علی لایا ہے یا کوئی اشتہار موجود ہے۔ میان جان کا پتہ موجود ہے کسی کو جھوٹے اشتہار دینے کی جرأت ہو سکتی ہے، ہان یہ اور بات ہے کہ میان جان خود اسم فرضی ہے۔ مگر یہ قیاس بہت بعید ہے۔
اگلے لوگ سفید ہی پر سیاہی چڑھانا یعنی کاغذ پر کچھ تحریر کرنے کو نوشتہ کی سچائی کا پورا ثبوت جانتے تھے کیا ایسے لے ایمان کوئی ہین جو کاغذ پر جھوٹی بات لکھتے ہین، جھوٹی بات کا اخبار مین چھپ جانا اسکو تو

قطعی محال جانتے تھے، خورشید مرزا اسی خیال کے تھے اُن کو خبر نہ تھی کہ ابکا دنیا میں اس کی اُن نہیں رہتا جس طرح جھوٹی بات منہ سے کہدینا سہل ہے اُسی طرح لکھنا یا اخبار میں چھاپ دینا صاحب اخبار کو واقعہ سے کیا غرض، بس اشتہار کی اُجرت ملی مشتہر کی ذمہ داری پر چھاپ دیا۔

حکیم جعفر علی۔ (خورشید مرزا کی دیانت پر پورا بھروسہ رکھتے تھے) تو پھر

آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک

اگر کوئی دعویدار ولایت پیدا ہوگا۔ تو کیا ہوگا۔ اختری خود قانوناً بالغ ہوا چاہتی ہے۔

خورشید مرزا۔ اختری بیگم کو ہمارے گھر سے تو لے جائیں گے/ نہ جانے روپیہ کی لالچ میں کیا سلوک کیا جائے حقیقتاً یہ اندیشہ ہے۔

حکیم جعفر علی۔ (خود بھی تھوڑی دیر متردد رہے پھر بہت خوش ہوکے بولے) جی نہیں کیا مجال کسی کی جو اختری بیگم کو لیجا سکے، الہ آباد ہائی کورٹ کی نظیر موجود ہے کہ نابالغ جب سن تمیز کو پہنچ گیا ہے یعنی دخل کیا اور بارہ برس کے سن کے بعد اگر قانونی ولی کے پاس رہنا ناپسند کرے تو اُسکو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اسکو جبراً رکھ سکے، مجھے تو خیال ہے کہ سات برس کے سن کے بعد نابالغ کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے لیکن دخل بارہ برس کے بعد تو یقین کامل ہے کہ کوئی اُس کو جبریہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ صرف حفاظت مال اور نگرانی ذات کی قانونی ولی کر سکتا ہے۔ وہ اس گھر میں ضرور رہ سکتی ہیں کیونکہ ماں کی وفات کے بعد یہاں بخیر و عافیت رہیں نہ اُن کو کسی قسم کی تکلیف کا یہاں اندیشہ ہوسکتا ہے نہ ولی قانونی کو آپکے اعلیٰ درجہ کی حیثیت اور عزت کو مشتبہ کرنے کی جرأت ہوسکتی ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔

خورشید مرزا۔ (دل میں، اور یہ میں مراد علی کے اغوا سے نئی لاکھ روپیہ جو اپنے تصرف میں لایا ہوں اسکا علم جعفر علی کو نہیں ہے، اس کی حساب فہمی تو ولی قانونی ہر حالت میں لے سکتا ہے مشکل یہ ہے، مگر میں جعفر علی سے اسکو بیان نہیں کر سکتا) مجھے پہلے بھی اطمینان تھا اور اب تمھارے مشورہ سے اور بھی تقویت ہوئی، یہی اندیشہ تھا۔ تم کو یقین ہے کہ ایسی نظیر موجود ہے۔

حکیم صاحب۔ یقین کامل! لا رپورٹ موجود ہے۔ میں یہ مقام ڈھونڈھ کے نکال دونگا، آپ بھی ملاحظہ کر لیجئے گا۔

خورشید مرزا۔ مجھے تمھاری بات کا پورا یقین ہے، اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ نابالغ پر یہ جبر کیوں کیا جائے کہ اگر مثلاً اوسکو کسی سے اندیشہ ہو تو وہ اُس کے قبضہ میں رہنے پر کیوں مجبور کیا جائے۔

اختری، یہ ساری تقریر سُن رہی تھی اور خوش ہورہی تھی۔ اب ایک حامی کو اور خبر ہونا باقی ہے لیجئے

نواب مرزا، حکیم جعفر علی اور نواب مرزا نے جو اختری کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہے وہ خورشید مرزا کی محبت سے زیادہ مفید اور قابل قدر ہے۔ یہ دو شریف جو الفرد بلا غرض یا واجبی اور جائز نفع کی اُمید سے اختری کے حمایتی بن گئے تھے۔ یہ اختری کی ذاتی نیکی اور خوش نیتی کا پھل تھا۔

باب ۱۵

تم عدو کی جھوٹی قسمون پہ نہ جاؤ
دو ہی دن مین جھوٹ سچ کھل جائیگا

جعفر علی، خورشید مرزا کی اجازت سے گھر مین گئے، اختری کے رشتے کے بھائی بھی تھے اور سمدھی بھی، اُن کو اُس کے پاس تنہائی مین جانے سے کون مانع ہو سکتا تھا۔ مگر جعفری کی تنک مزاجی کے خیال سے (کہ ہی سالی خفا نہ ہو جائین) پہلے اُنھین سے ملے۔

جعفری۔ یہ آج مجھ پر کیا عنایت ہے پہلے اپنی سرکار کا مزاج تو پوچھ لیا ہوتا۔ (یہ اختری کی طرف اشارہ تھا کہین وہ خفا نہ ہو جائین)

جعفر علی۔ (اس کا کیا جواب دیتے کہ ایسی چھچھوری طبیعت اختری کی نہین۔ خدا جانے تم اُسکو کیا سمجھ رہی ہو مگر خدا کی مار اس رازداری پر کہ اختری بیچاری پر ظلم ہوتے دیکھتے ہین اور منھ سے کچھ نہین کہہ سکتے، ابھی بی جعفری کو معلوم ہو کہ اختری کی سرکار کے بدولت اس چار دیواری مین بیٹھی حکومت کر رہی ہے ورنہ مکان کب کا نیلام ہو گیا ہوتا۔ جعفری بیگم صاحب اس محل مین نہ ہوتین کسی تنگ و تاریک مکان مین جو چار پانچ روپیہ ماہوار کرایہ پر لیا جاتا پڑی ہوتین۔ اُسی کی دولت کھاتین اور اُسکو اُلٹے سیدھے الزام پہونچاتین) جعفری بیگم سے جی نہین اماں جان کے بعد خدا اُن کو ہزارون برس زندہ رکھے پھر آپ ہی تو بزرگ خاندان ہین اس لیے آپکے پاس آنا ہمارا فرض ہے۔ کہئے فیض آباد مین کیسی گذری۔

جعفری۔ سچ پوچھو تو فیض آباد مین میرا دل نہین لگا۔ جدہر دیکھو کھیریلین۔

حکیم صاحب۔ بس کھیریلین دیکھ لین، وہان کی نیک بختی، شرافت، ملنساری کسی بات کا خیال نہین کیا۔ اچھا ہمارے لئے بھی کچھ لائین، چلتے چلتے جھنگا مچھلیون کے لیے کہا تھا۔

جعفری - اے ہے اُن کی تو صورت سے مجھے گھن آنے لگی، ہان کھوڑا تیا کو تمھارے لئے لائی ہون، ابھی صندوق نہین کھولا، کھولون گی تو بھجوا دون گی۔

حکیم صاحب - دیکھئے صندوق کب کھلتا ہے، اُمیدوار سواد بلا نند۔

جعفری - صندوق کیا کھولتی، جب سے لونڈی آئی ہے پھر گھر کے دھندون مین لگادی گئی ہے، لونڈی کے پیچھے بیویون نے جو کارستانی کر رکھی ہے لونڈی کو بھگتنا پڑے گی۔

حکیم صاحب - باجی یہ آپ کیا کہتی ہین، آپ گھر کی مالک ہین سب آپکا ادب کرتے ہین، ماموں جان خود آپ کو مانتے ہین۔ "مانتے ہین" اتنا حکیم صاحب کی زبان سے نکلا تھا کہ جعفری کا یہ حال ہوا جیسے کسی نے تھکاری کے سر پر نمک رکھدیا - آئے تم بھی میرا جی جلانے، خاک مانتے ہین غیرون کو چپکے چپکے ہزارون دئے جاتے ہین ہم نے موئے ایک پرانے پیجامہ کے لئے منہ پھوڑ کے کہا تو منہ تھوتھا لیا - سچ کہون میرا تو اس گھر مین رہنے کو جی نہین چاہتا - یہ جانتی ہون کہ باپ کی شکایت ہوتی ہے دوزخ مین گھر بناتی ہون مگر کیا کرون جب آنکھون سے گھر کو لٹتے دیکھ رہی ہون تو کب تک چپ رہون، نہ بابا مجھ سے یہ اندھیر نہ دیکھا جائے گا - قرضہ ہے کہ گاؤن، باغ، مکان، نیلام پر چڑھے ہین مگر لوگون کو چپکے چپکے تھیلیان کی تھیلیان پہونچائی جا رہی ہین، اب تو قصہ بازی پر روپیہ ملتے ہین۔

حکیم صاحب اس تمام شکایت کی اصلیت سے واقف تھے مگر دم مارنا منع تھا، آخر کسی طرح پیچھا چھڑا کے اختری کے پاس گئے۔

اختری حکیم صاحب کو نبض دکھا کے - آپ نے سب سنا کوئی میرے چچا پیدا ہوئے ہین، مین نے تو زندگی بھر کسی چچا کو دیکھا نہ نام سُنا، یہ میان مرادعلی نے کوئی چچا نکالے ہین مشکل یہ ہے کہ ماموں جان کو اس کی بات کا یقین ہے۔

حکیم صاحب - آپ خاموش رہئے - مین نواب مرزا صاحب سے مل لون یا تو وہ اسکی تفتیش کو نکلین گے یا مین جاؤن گا، چار دن مین چچا بھتیجا کا حال معلوم ہو جائے گا۔

اختری - میرا کوئی چچا نہین ہے - کیون تکلیف کیجئے جاڑون کے دن سفر کی زحمت -

حکیم صاحب - مگر اس اشتہار کا جل کھولنا ضرور ہے، میان مرادعلی کی قلعی ایک مرتبہ کھول دی جائے، پھر امن امان ہو جائیگا - آپ یہ جعلیون کے قانونی پیچ نہین جانتین - اس معاملہ مین خاموشی سے نقصان پہونچ جائیگا۔

اختری - اچھا جیسا مناسب ہو، مین نے تو فقط آپ کی تکلیف کے خیال سے کہا تھا اور پھر کہتی ہون

کہ یہ چچا وچا کوئی نہیں ہیں، مراد علی کا فقرہ ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے کہئے جعفری بیگم سے کیسی بنی۔

اختری۔ فیض آباد سے آنے کے بعد مزاج زیادہ بگڑ گیا ہے۔ مگر

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے

بے نیازی تری عادت ہی سہی

اب تو ہم اُن کی یہی رنجشوں کے عادی ہوگئے ہیں اب زیادہ بُری نہیں معلوم ہوتیں۔ اور حق اُنھیں کی طرف ہے مجھے وہ اس گھر میں بد زائد سمجھتی ہیں اور یہ سچ ہے یہ سب اس رازداری کا قصور ہے۔ مگر آجکل زیادہ برہمی کا سبب نہ معلوم ہوا۔

بات یہ ہے کہ بیچاری والا اختر اجعفری نے حکیم صاحب سے نہیں کہا اس لئے کہ ذرا سمیں چھوٹے بہنوئی کی آنکھ میں حقارت کا اندیشہ تھا اور یہ جعفری کی شرافت تھی، کہ اپنے گھر کی بات باوصف سخت رنجش کے بھی زبان سے نہ نکلا۔

حکیم صاحب۔ دیکھئے اب اس راز کے کھلنے میں زیادہ دن باقی نہیں ہیں، اور تو کچھ نہیں اس مراد علی مردود کی ذات سے دن رات خوف لگا رہتا ہے اور ماموں جان اُس کے فریب میں آگئے ہیں، وہ بزرگ ہیں فہمائش کی مجال نہیں، یہ مقدمہ جسنے ماموں جان کو سخت پریشان کر رکھا ہے، اور اُن کی پریشانی کے وجوہ مجھے خوب معلوم ہیں گو وہ مجھ سے نہ کہیں گے اور نہ میں پوچھ سکتا ہوں۔

اختری۔ معاف کیجئے گا آپ کا قطع کلام ہوتا ہے۔ آج یہ صلاح دے رہا تھا کہ اختری کی کُل جائداد اپنے نام منتقل کر لیجئے۔

حکیم صاحب۔ ذرا متعجب ہو اور برہم ہو کے، اسپر ماموں جان نے کیا فرمایا، اور پھر آپ ہی آپ، مجھے ماموں جان سے یہ توقع نہیں کہ وہ اُس مردود کو۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اختری۔ اُس کا بیان تھا کہ یہ میرے (اختری کے لئے بہتر ہے اور یہ اس استحکام اور بلند آواز سے کہا تھا کہ شاید میرے سُنانے کو کہتا تھا۔ پھر اگر واقعی اسمیں کچھ مصلحت ہو تو میں بخوشی راضی ہوں، اور یہاں اپنے نام ماموں جان کا مختار نامہ کرانا چاہتا ہے، اس کی بہت جلدی کر رہا ہے۔

حکیم صاحب۔ اب خیریت نہیں نظر آتی کسی نئے جعل کی فکر ہے بلکہ صاف صاف یہ ہے کہ کوئی بڑی بھاری رقم اُڑا لے جانیکا قصد ہے۔ تو بس مجھے نواب مرزا صاحب سے فوراً مل کے اس کی روک تھام کرنا چاہئے روک تھام کیسی پورا بندوبست کیا جائیگا۔۔۔۔

اختری۔ اور ہان کہتا تھا کہ زیور اور جواہرات کو مقفل کر کے مہر لگا کے کسی مہاجن کا نام لیا تھا مجھ کو یاد نہین رہا اُس کے پاس امانت رکھوا دینا چاہئے۔

حکیم صاحب۔ اور کیا ماموں جان اُس کی ان سب باتون پر راضی ہو گئے۔

اختری۔ یہ مین نہین کہہ سکتی۔ شاید یہ جواب دیا تھا دیکھا جائیگا۔

حکیم صاحب۔ ماموں جان کو صاف انکار کرنا تھا، افسوس وہ اس مردود حرام خور کو خیر خواہ جانتے ہین

اختری۔ یہی نہین جعفری بیگم اُسکو اپنا رفیق سمجھتی ہین۔ اماین اصیلین خدمتگار سب اُس کا کلمہ پڑھتی ہین۔

حکیم صاحب۔ آپ کی عقلین سہو اور نوکرون چاکرون کو وہ خفیہ تنخواہین دیتا ہو گا تو بڑا فتنہ ہے۔

اختری۔ ایک ماوری اور ایک اُن کی کھلائی کر مین اور ان کی دیکھا دیکھی مین بھی یہ تین شخص اُس سے کوئی سروکار نہین رکھتے۔

باب ۱۶

ہرمزی بیگم کا تبدیل آب و ہوا کرنا

ہرمزی بیگم کی والدہ خاندانِ سادات صحیح النسب سیدون کے نیک اعمال، متبرک نورانی چہرہ اُٹھتے پر سیاہ خطِ خاکساری کا تختہ گورے چہرہ پر ستارے کی طرح چمکتا تھا، مگر اب بیچاری دونون پاؤن سے بیکار ہو گئی تھین، اکثر قرآن حدیث کے اردو ترجمے بیٹھے بیٹھے مطالعہ کیا کرتی تھین، ہرمزی ضعیف مان کی خدمت مین ہمہ تن مصروف چھ گھنٹہ روز اسکول مین اور پھر کھانے پکانے مین بسر ہوتے تھے، سخت محنت کرنا پڑتی تھی دس روپیہ ماہوار کے سوا اور کوئی وسیلہ نہ تھا، دونون وقت ڈولی پر اسکول آتی جاتی تھی، گھر کے سودے سلف کے لئے ایک ایک کی خوشامد پیسے بھی دینا اور پھر کمینی عورتون کی باتین سننا۔ کم بخت غریبی وہ بلا ہے کہ بلا وجہ بھی لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین، آخر ایک دن چپکے سے ان بیٹیوں مین یہ مشورہ قرار پایا کہ ہرمزی برقعہ ڈال کے قریب شام خود ہی کہین دور سے جہان اُسکو کوئی پہچان نہ سکے ضرورت کی چیزین

خرید لایا کرے۔ سخت مجبوری کے عالم مین یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا تھا۔

ماں۔ بیٹیا سرفرزی ہمارے خاندان مین کوئی اس طرح نہین نکلا مین کیونکر کہون کہ تم باہر نکلو۔

بیٹی۔ اماں کسی نے ہمارے کنبہ مین دس روپیہ کی اسکول کی نوکری بھی تو نہین کی۔ مجبوری سے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اماں کم بخت کمینی عورتون کی باتین سننے سے تو ہزار درجہ بہتر ہے۔ پھر پیسہ مین دھیلا چراتی ہین تم خاطر جمع رکھو مین اس طرح باہر نکلون گی کہ کسی کو کانون کان خبر نہ ہوگی۔

ماں۔ بیٹی تو برقع ڈال کے شہر مین نکلے گی مین کیونکر کہون۔

بیٹی۔ اماں یہ ڈولی پر چڑھ کے نکلنا تو کسی حدیث مین نہین لکھا۔ مطلب پردہ سے یہی خدا نے چاہا تھا میرے ایک رونگٹے پر بھی کسی مردوئے کی نظر نہین پڑے گی، تم یون سمجھو اگر خدا نے چاہا اور کر بلا جانا ہوا تو پھر چادر پہن کر کے نکلنا ہوگا۔ اونٹون کی سواری قاطرون کی سواری پر سب نکلتے ہین، یہی وہان کا دستو سہے، ڈولی ڈنڈا تو فقط ہندوستان مین ہے۔ (وہ جغرافیہ پڑھی تھی لفظ ہندوستان صحیح معنون مین کہا تھا) کسی ملک مین یہ دستور نہین، پاؤن توڑ کے عورتون کا گھرون مین بٹھا رکھنا کوئی اچھا دستور نہین ہے۔

ماں۔ برقع مین لوگ تمھین پہچان لین گے ایسا نہ ہو لوگ ٹوہ کرین۔

بیٹی۔ پہلے دیکھ لیجیے مین کس طرح نکلون گی۔ پھر آپ کا دل گواہی دے تو اجازت دیجیےگا۔

ماں۔ بیٹی آخر کس طرح نکلے گی نہ بابا میری عقل مین نہین آتا۔

بیٹی۔ سرفرزی نے ماں سے چھپا کے ایک برقع تیار کر رکھا تھا۔ اس برقع کی صفت یہ تھی کہ نئے کپڑے کو رنگا ہوا تھا مگر کسی قدر پرانا معلوم ہوتا تھا، رنگ ایسا نہ تھا جس پر خواہ مخواہ نظر پڑے۔ آئینہ صاف نے اوسکو ایک بڑھیا کا چہرہ دیا تھا وہ اس طرح کا تھا کہ اگر بہت غور سے نہ دیکھا جائے تو اصلی معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے ملک مین ایسے چہرہ کو بہروپیا کہتے ہین مگر بہروپیا کی صورت ڈراونی ہوتی ہے جس سے لڑکے ڈرائے جاتے ہین۔

یہ چہرہ ایک ادھیڑ گورے رنگ کی عورت کا معلوم ہوتا تھا کہ اگر برقع کسی وجہ سے کھل جائے تو بھی اصلی صورت برقعہ پوش کی نہ پہچانی جائے، ہاتھون مین سفید دستانے پاؤن مین سیاہ جرابین بوٹ سادی وضع کا پورا سلیپر یا دامی یہ باہر نکلنے کا ٹھاٹھ تھا یہ سرفرزی نے چپکے چپکے تیار کر لیا تھا۔ پہلے تو چہرہ لگا کے اوسنے ماں کو دکھایا جس سے زینب بیگم کو کہنا پڑا کہ اگر یہی چہرہ لگا کے کوئی باہر نکلے تو بھی کسی کو یہ شبہ نہین ہو سکتا ہے کہ بنا ہوا ہے۔ پھر اسپر برقع ڈال کے اوپر سے چادر پہن کے سرفرزی نے ماں کو دکھایا۔ ماں نے کہا، اچھا بیٹی تو جان۔ شریف زادیون کو اپنی آبرو کا ضرور ہی خیال چاہیے۔ پھر بھی یہ احتیاط کی جاتی تھی کہ چھٹپٹے

وقت یہ دیکھ بھال کے کہ گلی میں کوئی دیکھتا نہ ہو گھر سے نکل جاتی تھی اور نون تیل لکڑی ضرورت کی سب چیزیں خرید لاتی تھی ، اس راز کے چھپانے کی بڑی کوشش کی گئی تھی سوا ان دونوں ماں بیٹیوں کے کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہ تھی - یہ سامان طبیعت کے شوق یا سیر تماشے کی ہوس سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ اصلی سبب مفلسی اور غیرت داری تھی - نہایت مجبوری کے وقت اس سے کام لیا جاتا تھا - جب کوئی سودا سلف لانے کے لئے نہ ملتا تھا تو ہرمزی گلی والوں کی نظر بچا کے نکل جاتی اور پر محلہ سے ضرورت کی چیزیں خرید لاتی تھی -

اختری سے ملنے کے بعد ممکن تھا کہ افلاس کسی حد تک دور ہو جاتا مگر جب اختری کچھ دینا چاہتی ہرمزی کی ماں سختی سے انکار کر دیتی ، نہیں بیٹا ہم لوگ غریب آدمی ذرا سی آبرو رکھتے ہیں ، اس ذرا سی آبرو کا بھی بڑا خیال ہے - [illegible] پیسہ پیسہ ہوا جو ہرمزی لاتی ہے وہ ہمارے لئے بہت ہے - ہم کسی کے دست نگر ہو کے اور خیرات کے ٹکڑے کھا کے دنیا میں رہنا نہیں چاہتے - کئی مرتبہ نذر سادات یا امام ضامن علیہ السلام کے نام سے جو کچھ دینا چاہی وہ بھی صرف ایک یا دو مرتبہ اس کے بعد صاف انکار کیا - جس قدر اصرار ہوا اسی قدر زیادہ انکار ہوا آخر ایک دن ہرمزی کی ماں اکیلی بیٹھی تھی ہرمزی اسکول میں تھی ، اختری رونے لگی اور رو رو کے یہ کہا کہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں بن ماں باپ کی ہوں میرا دل بہت نازک ہے - میں آپ کو اپنی ماں سمجھتی ہوں اور ہرمزی کو بہن ، میری تقدیر میں نہ تھا کہ میں ماں کی خدمت کرتی - خدا آپ کو بہن ہرمزی کے سر پر سلامت رکھے - افسوس ہے کہ آپ نے میری طبیعت کو نہیں پہچانا - مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتا ہے کہ بہن ہرمزی کی قسمت پر مجھے رشک ہے - آپ خود کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں کہ میں تجھے ہرمزی کی طرح اپنی بیٹی سمجھتی ہوں [illegible] خطا معاف یہ زبانی ہے جب آپ کو بہن ہرمزی کے روپے پیسے [illegible] آپ اسے اپنا مال سمجھ کے اٹھاتی ہیں تو میرے پیسے سے آپ کو اس قدر انکار کیوں ہے - میری کس طرح تشفی ہو کہ آپ مجھے بیٹی سمجھتی ہیں یا تو آج سے آپ مجھ کو اپنی لونڈی بنا لیجئے یا صاف انکار کر دیجئے - یہ ظاہر داری مجھ کو بھی پسند نہیں ہے - میں نے بہت گستاخ ہو کے یہ چند باتیں کہی ہیں اور دست بستہ عرض کرتی ہوں کہ آج سے لونڈی اپنے کو آزاد سمجھے گی - آپ سیدانی ہیں آپ کو رحم کرنا چاہئے - میرے ٹوٹے ہوئے دل کو چور چور نہ کیجئے میں سمجھ لوں گی کہ جس طرح اس ماں کی خدمت میرے مقدر میں نہ تھی جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے اسی طرح اس ماں کی خدمت کے قابل بھی نہ ٹھہری جس نے مجھ کو منہ سے بیٹی کہا تھا - ایک طرف سے خدا کی مشیت نے اس دوسری طرف سے ایک بزرگ واجب التعظیم سیدزادی کی ضد نے - یہ کہتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے -

سخت سے سخت دل بھی اس انکسار سے موم ہو جاتا ، آخر زینت بیگم کو زیادہ انکار کا کوئی موقع باقی نہ رہا اختری

کے اخلاق نے زینب بیگم کو دبا لیا اور ایک حرف انکار منہ سے کہنے کی رخصت نہ دی۔

ہرمزی کئی سال تک سخت محنت کرنے کی وجہ سے بہت کمزور ہوگئی تھی۔ حکیم جعفر علی صاحب کو جو اکثر زینب بیگم کا علاج کرتے رہتے تھے بُلا کے ہرمزی کی نبض دکھائی گئی۔ حکیم صاحب نے کہا نبض میں بہت ضعف ہے، خفیف سی حرارت بھی ہے۔ ضعف تمام امراض کی اصل ہے، مناسب ہے کہ ہرمزی کچھ دنوں کے لئے آرام کریں کیونکہ اگر ضعف کی شدت سے خدانخواستہ بخار بڑھ گیا تو پھر مشکل سے دُور ہوگا (یہ تو صاف صاف نہیں کہا کہ جوان آدمی کو ایسی ہی حالت میں دق ہو جاتی ہے لیکن اشارہ کنایہ سے بھی مطلب ادا کر دیا)۔

زینب بیگم کے رشتہ کے ایک بھائی مدت سے رڑکی میں سکونت رکھتے۔ فوجی خدمت کے صلہ میں ان کو پچیس ۲۵ بگہ قطعہ اراضی سرکار سے عطا ہوا تھا وہیں کھیتی باڑی کرکے خوش گذران کرتے تھے، زینب بیگم کو کئی مرتبہ بُلایا مگر بعض وجوہ سے وہاں جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ حکیم صاحب سے مشورہ لیا گیا اُنھوں نے فرمایا رڑکی دامن کوہ میں واقع ہے۔ معتدل آب ہوا ہے نہر گنگ کی وجہ سے بھی کسی قدر خنکی ہے غرض ہرطرح ہرمزی کے لئے مناسب ہے وہیں جانا چاہیے سید محسن علی (زینب بیگم کے رشتہ کے بھائی کا نام تھا) کو خط لکھا گیا اُنھوں نے فوراً جواب دیا کہ ہرمزی تنہا نہ آئے باجی بھی آئیں وہاں سے روانگی کا تار دیں، میں اسٹیشن پر سواری لے کے آجاؤں گا۔ میں تو خدا سے دعائیں مانگتا تھا، باجی کا آنا باعث برکت ہوگا ضرور آئیں اور جلد آئیں۔

یہ لکھنا فضول ہے کہ اختری نے اس سفر کے لئے کافی سامان کر دیا تھا غرض اچھی تاریخ نیک ساعت دیکھ کے دونوں ماں بیٹیاں روانہ ہوگئیں۔

باب ۱۷
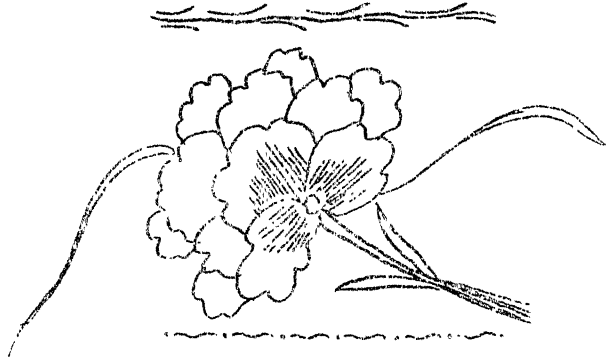
کچھ دنون کے لئے وطن چھوٹا
دیکھئے کیا خدا دکھاتا ہے

رڑکی کے اسٹیشن پر محسن علی مع سواری موجود تھے، دونون ماں بیٹیوں کے بستے تیار ہو گئے تھے، مگر زینب بیگم بیچاری دونون پاؤن سے معذور تھین، آخر ڈولی پر بٹھا کے بیل گاڑی پر لائی گئین، محسن علی صاحب زراعت پیران کلیر سے کچھ فاصلہ پر رڑکی سے تین چار میل کی دوری پر رہتے تھے، شام ہوتے ہوتے سواری پہونچی، مہمان آ گئے۔

محسن علی صاحب کی چھ لڑکی لڑکون مین صرف ایک لڑکی بچی تھی، لاڈن نام تھا، دیہاتی کچا مکان مگر لپا پتا صاف ستھرا۔ اس گھر کے تین رہنے والے تھے ایک خود محسن علی دوسرے اُن کی بیوی، تیسری لڑکی ایک عورت گھر مین کام کاج کرتی تھی وہ روز گاؤن سے صبح آتی تھی اور شام کو چلی جاتی تھی، باہر کئی نوکر تھے جو کھیتی کا کام کرتے تھے، دو گویان ناگوری بیلون کی تھین ایک گائے دو بھینسین، بکرین بکریان، غرض کہ ہر طرح سے بھرا پُرا گھر تھا۔ شہری تکلفات شیرال کباب کا تو وہان ذکر بھی نہ تھا، البتہ دودھ دہی، گھی، راب گڑ (جسکو وہان اندر کی کہتے ہین) افراط سے۔

ان دونون ماں بیٹیوں کے لئے ایک کوٹھری ایک دالان پہلے سے لیپ پوت کے خالی کر دیا گیا تھا، دالان کے سامنے کا چھپر انکے آنے سے ایک دن پہلے نیا پڑ گیا تھا، مکان گھنے درختون کی آڑ مین نہر کے قریب تھا اس لئے گرمی کے موسم مین بھی سرد رہتا تھا، نہر کے پُشتے سے ایک پانی کا قدرتی سوتا نکلا تھا، ایسے جھرنے نہرون کے کنارے اکثر ہوتے ہین، ان کا پانی نہایت سرد ہوتا ہے گویا پُشتے سے صاف (فلٹر) ہو کے نکلتا ہے اس لئے صاف اور ٹھنڈا ہوتا ہے ایسا کہ برف کی ضرورت نہین ہوتی، برف دیکھا بھی نہین، غریب کسانون کے لئے نعمت مفت، ایسے سامان کرنے پڑتے ہیں جو اہل شہر کو خرچ کرنے سے بھی ممکن نہین ہو سکتے۔ اول تو صاف میدان کی ہوا جو چہ شہر کی بند مکانون کی گرمی سے بچی ہوئی ہو درختون سے نکلتے ہوئے ونباتیات (آکسیجن) ہوا جو شہر والون کو میسر نہین ہر طرح کی غلاظت کثافت سے پاک، بشرطیکہ گوبر اور کھاد کے انبار گھرون سے ذرا دور ہون اور مکانات مندی مفید

گانے کے ذخل سے بہت آلودہ اور متعفن نہ ہوں، اس گھر میں ان دونوں ماں بیٹیوں کو بہت آرام ملا۔ میزبانوں نے ان مہمانوں کی بے تکلف سادہ دعوتیں ایسی سیر چشمی اور کشادہ پیشانی سے کیں کہ اگر آپا کا قصہ نہ ہو جاتا جس کا ذکر آگے آئے گا تو یہ مہمانی زندگی بھر کے لئے ایک عمدہ یادگار ہو جاتی۔

محسن علی کی لڑکی بوٹن اچھی صورت شکل کی تھی، جامہ زیب شوخ گرماگرم۔ چمپئی رنگ بڑی بڑی خوشنما آنکھیں سیاہ بھنوریں پتلی، لمچھوئی ستواں ناک پتلے پتلے سرخ ہونٹ ننھا سا دہانہ دانت جیسے موتی کی لڑیاں نہ بڑے بڑے ہونٹوں کے باہر نہ چھپانے سے چھپے۔ پتلی صراحی دار گردن، اسم بامسمیٰ لوٹا سا قد نہ بہت لمبا نہ ٹھنگنا ڈیل ڈول بھی خاصہ نہ دبلی دق زدہ نہ موٹی بھٹری۔ بھرے بھرے دیہاتیوں کے ایسے بازو بھرے بھرے گول کلائیاں غرض کہ نکھ سکھ سے درست تھی، خدا نظر بد سے بچائے۔ اگرچہ دیہات میں پلی پسی تھی مگر چالاکی شوخی شرارت رگ رگ میں بھری تھی۔ ماں باپ کی ایک اکلوتی بیٹی آنکھوں کی پتلی حد سے زیادہ لاڈ پیار تھا جس بات پر ہٹ کرے کر کے چھوڑے جو زبان سے نکل جائے ہو کے رہے۔

زینب بیگم کو یہ دُلار ناگوار ہوا دو ایک دفعہ ٹوکا بھی مگر روک ٹوک ماں باپ کے خلاف مزاج ہوئی یہ چار دن کے لئے مہمان گئیں تھیں نصیحت گری سے کیا غرض خصوصاً جب ماں باپ کو ناگوار ہو۔

بوٹن کی ماں نا۔ (بہر فرد کی ماں ہے) کہتی تھیں چھ سات لڑکے لڑکیوں میں ایک یہ ہے خدا اسی کو جلا دے ہم تو اولاد کی طرف سے کچھ ایسے ڈرے سہمے ہوئے ہیں کہ اب کچھ کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ لے لو اس کی بہا سے دور نکات سندر پایا اس کے اپنی کی ایک لڑکی تھی ایک دن باپ نے گھر کا۔ دوسرے دن بخار چڑھا پھر نہ اترا آخر تین تیسرے دن کے پیچھے اسے اور گھر کو۔ اس سے پہلے ایک لڑکے کو خوب پڑھایا لکھایا۔ مولوی (خدا غارت کرے) نیچے کو جب نہ تب مارا پیٹے میں بوٹن کے باپ سے کہتی تھی کہ لڑکے کو مکتب سے اٹھا لو، میری اولاد بے غیرت نہیں ہے جان جائے گی آخر پڑھانے کی دھن میں ان کو نہ سوجھی، لڑکے سے ہاتھ دھو بیٹھے، وہ ایک فقیر میری شادی ہونے سے ایک برس پہلے کہہ گیا تھا کہ اس لڑکی کے اولاد ہوں گی مگر مر مر جائیں گی اس کی اولاد نہیں کھا سکتی۔ باجی فقیر کی بات پتھر کی لکیر ہو گئی، میرے چھ لڑکے لڑکیاں گئیں مار اور گھر کی ہو گئیں، میں کم بخت کیا جانتی تھی، نہیں تو پہلوں کا چھپڑی نہ چھنواتی، آدمی بات نہ کہتی، اسی سے میری بوٹن خدا رکھے چاہے جتنی شوخی کرے۔ اولاد ہو تو کیا ہوا برا لگتا ہی مگر مامتا منہ پھٹے ہاتھ اٹھانے نہیں دیتی، بوٹن کے باپ کو پہلے سند تھی مگر اب وہ بھی سمجھ گئے ہیں اب بھی کر لیا سمجھے۔ ع

اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

باجی بچون سے اُسوقت گھر بھرا ہوا تھا - ہم لے خود اپنے ہاتھون بچون کو گنوایا -

غضب یہ تھا کہ یہ سب باتین بی بوٹن سنتی تھین اور خوش ہوتی تھین خوب کدکڑ لگاتی پھرتی جیسے الیل بچھیری، دن دونی رات چوگنی ہوتی جاتی تھین، خیریت تھی کہ بوٹن نے ان دونون مان بیٹیون کو نہین بتایا اُسکو ہرمزی سے محبت ہوگئی جب سے ہرمزی آئی تھی یہ لڑکی کسی وقت اُس کو نہین چھوڑتی تھی - لکھنو کی ایک ایک بات پوچھتی تھی، کہین شاید دس گیارہ برس کے سن مین لکھنو مین تین مہینہ رہی تھی، اُسکو ایک ایک بات یاد تھی اور وہ جو کہانی مین ہے "ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے" وہی اسکا حال تھا -

دیہات مین زیادہ پردا نہین ہوتا نہ اس قدر راستون مین مجمع ہوتا ہے - نہ غریب کاشتکار کسی کی بہو بیٹی کو بُری نظر سے دیکھنے کا شوق رکھتے ہین کیونکہ ان کی عورتین خود کوسون اکیلی نکل جاتی ہین بلکہ دیہات مین دوسرے کی بہو بیٹی کو اپنی سمجھتے ہین - چمار بھی نمبردار کی لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھتا ہے - بٹیا کہتا ہے - اکثر فصلین کٹ چکی ہین کچھ کٹتی جاتی ہین -

بوٹن زراعت کے کاروبار سے زیادہ واقف تھی وہ ہرمزی کو ایک ایک کھیت کی باتین بتاتی جاتی ہے - بوٹن ہرمزی کو ساتھ لے کے گھر سے نکلی - قریب شام عجب لطف کا سمان تھا اُتر کی طرف کالا نیلا پہاڑ کا سلسلہ تمام اُفق کو گھیرے ہوئے ہے - معلوم ہوتا ہے بہت ہی قریب ہے حالانکہ قریب تیس چالیس میل کا فاصلہ ہے کوہ منصوری جس کا تذکرہ اختری سے بارہا سُنا تھا وہ اسی سلسلہ مین ہے - اسی پہاڑ کے دامن مین کہین اختری کی والدہ آرام کرتی ہین قیامت کی صبح کو اُٹھین گی - چار دن طرف جہان نگاہ جاتی ہے سرسبز کھیتیان نظر آتی ہین کہین گنے (اوکھ جسکو وہان شاید اکھ کہتے ہین) کے کھیت کہین چنے اور مٹر کے کھیت - اس میدان کے درمیان سے نہر گنگ لہرین لیتی سیدھی بہتی چلی گئی ہے - بوٹن نہر کے کنارے لے گئی ایک تربوز کسی گنوار سے مول لے کے نہر کے کنارے بیٹھ کے کھایا چھلکا خالی کر کے نہر مین چھوڑ دیا گیا - بوٹن یہ چھلکا بہتا ہوا تھوڑی دیر مین رڑکی پہونچ جائے گا - اگر چھوٹی سی ناؤ ہوتی تو ہم گھنٹہ بھر مین رڑکی پہونچ جاتے، یہان سے تین کوس پہاڑ کی طرف سولانی ندی ہے سنتی ہون اُس کی بالو سے سونا نکلتا ہے - چلو ایک دن چل کے بالو سمیٹ لائین سُنار سے گلوا کے بالیان بنوائین - ہرمزی ہنس کے چپ ہو رہی - اُسی ندی پر سے یہ نہر جاتی ہے -

ہرمزی - ہان مین نے کتابون مین اسکا حال پڑھا تھا، یہان آتے وقت دیکھا کوئی آدھ کوس کا پل ہے (ہرمزی جغرافیہ جانتی تھی) یہ تربوز کا چھلکا اگر یون ہی بہتا چلا گیا تو چار پانچ دن مین کانپور پہونچ

جائیگا اگر ہم بھی اس چھلکے کے ساتھ بہتے ہوئے جائین تو کانپور مین داخل ہون وہان سے نوآنہ دے کے لکھنؤ پہونچ جائین۔

بوٹن لکھنو کا نام سنتے ہی میری اچھی باجی مجھے لیتی چلو۔

ہرمزی۔ ہان ہان چلنا۔ مگر تم اپنا یہ چپلا پن چھوڑ دو۔ لکھنؤ مین لوگ نام رکھین گے۔

بوٹن۔ خفا ہو کے۔ مجھے کیا کوئی نام رکھے گا۔ دس کو تو مین نام رکھ کے چھوڑ دون، اچھا چلو تکھین پیران کلیر دکھا لائین جو مراد مانو گی پوری ہوگی۔

ہرمزی کو ان باتون کا اعتقاد نہ تھا مگر بوٹن کی خاطر سے ساتھ ہو گئی۔

واقعی یہ سیر کی جگہ تھی، اونچے اونچے گھنے درختون مین پختہ عمارت چار دیواری مقبرہ کا گنبد صحیحان تجر صاف ستھرے۔ مگر خالی پڑے ہوئے، صرف دو ایک مجاور دو چار پیسون کی طلب منہ پھیر کے کھڑے ہوگئے ہرمزی یہ سب دیکھ کے بہت خوش ہوئی۔ پھر یہان سے تھوڑی دور امام زادے کا مزار اونچے ٹیکرے پر ہے شاندار گنبد چو دری سے نظر آتا ہے، چارون طرف چڑھا پختہ چبوترہ، اسوقت بڑی تفریح کا مقام تھا چارون طرف میدان۔ بوٹن کا گھر صاف نظر آتا تھا۔ اب رات ہوا چاہتی تھی مگر کچھ خوف نہ تھا لڑکیون کو آتے دیکھ کے دو گنوارون کو پیچھے پیچھے بھیجدیا تھا، خیر دونون سیر کرتی ہوئی نہر کو ایک مرتبہ پھر دیکھتی ہوئی چراغ جلے بعد گھر مین پہونچ گئین۔ ہرمزی کو یہ سیر مدت العمر یاد رہی۔

زینب بیگم کو سب سے زیادہ یہی خوف تھا کہ کہین صاحبزادی میرے ساتھ لکھنؤ چلنے پر نہ ضد کرین تو سخت مشکل ہوگی آخر وہی ہوا۔ زینب بیگم کو جس بات کا خوف تھا۔ خوف اس لئے زیادہ تھا کہ صاحبزادی کا جی چلتا ہوا سا تھا۔ وہان کوئی تھا نہین مگر جہان کسی نوجوان ہم سن کو دیکھا تاک جھانک اشارہ بازی آنکھ مار دینا منہ چڑھا دینا۔ پاس آیا تو چٹکی لے لی کچھ نہ ہوا تو کوئی چیز کھینچ ماری یہ گنوار لوگ تھے دوسرے محسن علی کا دباؤ تھا۔ ہنس کے چپ ہو جاتے تھے۔ یا اگر کوئی دیکھتا نہ ہوا اُنھون نے بھی نگاہین ڈال دین، اشارے کا جواب اشارہ سے دیا۔ یہ تو قاعدہ ہے کہ رستم ہند کی لڑکی بھی کسی کو چھیڑے تو وہ بھی چھیڑے بغیر نہ رہیگا۔ جب عورت آپ سے گرے تو مرد کیا کر سکتا ہے کہان تک خاموش رہ سکتا ہے۔ ہر مرد حضرت یوسف نہین اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر جناب یوسف کی عصمت گویا ایک عام واقعہ تھا نعوذ باللہ!

بوٹن (ہرمزی کے پیچھے پڑ گئی) اچھی باجی مجھے لکھنو لیتی چلنا۔

زینب بیگم نے دل مین کہا لو غضب ہوا مین جانتی کہ یہ بلا میرے پیچھے چمٹ جائے گی تو کبھی یہان آنیکا ارادہ نہ کرتی۔ خدا جانے لکھنؤ مین جا کے کیا گل کرین۔ میرے لئے تو کلنک کا ٹیکا ہو جائیگا۔ زینب بیگم

نے لاکھ ٹالا مگر وہ ہرمزی کی منت کرنے لگی، باجی میری اچھی باجی پھوپھی سے کہہ کے مجھکو لکھنؤ اپنے ساتھ لیچلو ادھر ماں باپ کی بھی خواہش ظاہر ہوئی، کیا مضائقہ ہے، لوٹن ایک مہینہ کے لئے لکھنؤ ہو آئے وہاں کی صحبت سے ذرا شہر میں رہ کے تمیزداری آجائے گی۔ ماں باپ کو ہرمزی کا نیک رویہ دیکھ کے یہ خیال ہوا تھا، کہ اُس کے ساتھ رہنے سے لڑکی سگھڑ ہوجائے گی، سنور جائے گی۔

ماں — ماشاءاللہ لوٹن کا ذہن اچھا ہے، یہاں کوئی سکھانے والا نہیں ورنہ سینے پرونے کا کام چکن کامدانی گوٹے کی اوگیاں ادنی کام کی، یہ سب کام جلدی سے سیکھ لے گی، بیٹی ذات کے لئے کسی ہنر کا ہاتھ میں پڑا رہنا اچھا ہے۔

باپ — باجی آپ کو زیادہ تکلیف نہ ہوگی، میں لوٹن کے خرچ کا انتظام کئے دیتا ہوں ذرا ہرمزی کے ساتھ رہ کے اسکو تمیز آجائے گی کوئی ہنر سیکھ جائے گی۔

زینب بیگم — بھیا اب ایسے بھی ہم گئے گذرے نہیں ہیں کہ لوٹن کو دو روٹیاں نہ کھلا سکیں گے۔

محسن علی — نہیں باجی میں تمھاری طبیعت سے خوب واقف ہوں، جیسے ہرمزی ویسی لوٹن اچھا تمھیں کھلاؤ۔ تمھاری لڑکی ہے مجھے کیا اختیار ہے تم میری بھی بڑی ہو۔

مگر چلتے سے لوٹن کو پچیس روپیہ دیدیے، کیونکہ بیٹی کے چھوٹے پن سے اچھی طرح آگاہ تھے، یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اُس کا جی کسی چیز کو چاہے اور نہ لے سکے۔ دونوں میاں بیوی خود بھی ساتھ آتے مگر کھیتوں کی کٹائی کے دن تھے۔ زیادہ بوجھ بھی زینب بیگم پر ڈالنا اچھا نہ تھا اس لئے دو دن کے لئے ان سب کو پہونچانے کے لئے لکھنؤ آئے اور ایک دن یہاں ٹھہر کے بیٹی کو چھوڑ کے چلے گئے۔

یہاں لوٹن کا اور اختری کا سامنا ہوا۔ اختری اور ہی مزاج کی لڑکی تھی اور سعود زمن کی [illegible] آڑا و ٹیڑھا غرض کوئی ادا دل سے نہ بھائی مگر ہرمزی سے اُسکو محبت تھی، زینب بیگم کی [illegible] تھی لوٹن ان کی عزیز تھی اور مہمان، اس لئے اُسنے بھی خاطرداری کی [illegible] ہرمزی کے اہتمام سے انھیں کے گھر میں خود بھی دسترخوان پہ بیٹھی مگر [illegible] حد تک پہونچی ہوئی تھی کچھ خوش نہ ہوئی

بدتمیزوں کا قاعدہ ہے کہ دوسروں کی تحقیر کرکے اپنی شان بڑھا [illegible] کو بے وقوف جانتے ہیں خود بے تمیز ہیں مگر دوسرے کی [illegible] مقدور نہیں مگر امیروں سے ملکے اُن کی برابری کا دعویٰ [illegible] کریں گا یہ خدا کے بندے یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر کوئی دولتمند [illegible]

جاہل بے ہنر ہے تو وہ اپنا مرتبہ گھٹا کے کیون تمھاری خاطر سے تمھارا سہرا بنجائے - قدرتاً تم اُس کے دست نگر ہوسکتے ہو تم اُس کے محتاج ہوسکتے ہو مگر وہ کب تم سے خوشامد طلب کرتا ہے وہ کب کہتا ہے کہ تم میرے آگے ہاتھ پھیلاؤ اگر وہ خلوص سے تمھارے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتا ہے اور اخلاقاً تمھاری عزت کرنے کو موجود ہے - یہ اُسکی نیک نفسی ہے تم اِس لائق نہین ہو پھر تم اُس سے جلتے کیون ہو اُسکو گھٹانا کیون چاہتے ہو اگر تم اُس کی خوشامد نہین کرنا چاہتے جسکا وہ تم سے طالب نہین تو وہ تمھاری بیجا خوشامد کیون کرے، وہ کیون تمھارا ناز بردار ہو- بوٹن کے ایسے گہرے خیالات تو نہ تھے مگر محض شرارت اور بدتمیزی، بوٹن، دسترخوان پر آئی ہے سالن مین مرچین نام کو نہین یہ کس نے پکایا ہے- پکانے والی سامنے بیٹھی ہے کھانا نکال رہی ہے- ایک گالی دے کے میری نوکر ہوتی تو موئی کا سر مونڈ ڈالتی، لے تو یہ بھلا گھی کتنا افراط سے ڈال دیا-

اختری نے کبھی اپنے کسی نوکر کو آدھی بات نہین کہی تھی - پکانے والی کے تیور بگڑے مگر اختری نے آنکھ کا اشارہ دیکے چپ رکھا- پھر دوسرے وقت سمجھا دیا کہ اامن یہ لڑکی سخت منھ پھٹ بدتمیز ہے تم کو اُس سے کیا واسطہ اگر مین جانتی کہ ایسی بیہودہ ہے تو کبھی بات نہ کرتی- سمجھنے کو ہر فرزی کی بہن سمجھ کے خاطر داری کی یہ ہرگز اِس لائق نہین-

اامن - بیوی ذرا دیکھئے آپنے مالک ہوکے کبھی آدھی بات نہین کہی چھوٹتے ہی حرامزادی - سر مونڈ ڈالتی، ذرا یہ زبان تو دیکھئے - ہم نے بڑے بڑے محل محلات کی نوکریان کی ہین شہزادیون کے دسترخوان سے یہ بدزبانیان کبھی نہین سنین - شاید اُنھون نے اپنے گاؤن کی کوئی ماری چماری سمجھ لیا ہوگا- بیوی ہم نے ہاتھ بیچا ہے ذات نہین بیچی - آپ کا منھ کیا نہین تو حرامزادی کہنے کا مزا چکھا دیتی-

اختری - ہان ہان تو اامن مین سمجھ گئی - مین خود اب اُسکو منھ نہ لگاؤن گی-

واقعی بوٹن کے آنے کے بعد اختری کی آمدورفت مین کسی قدر کمی ہوگئی، زینب بیگم کو اِسکا ملال ہوا اور اُنھون نے اختری سے معذرت کرکے اپنی مجبوری سے اُس کے گھر مین لانے کا حال بیان کردیا، اختری زینب بیگم سے تو صاف ہوگئی، بوٹن سے اُسکو کچھ سروکار نہ تھا- اختری نے کچھ اِس طرح کا برتاؤ کیا کہ نہ زیادہ خلا ملا بڑھنے پایا نہ کوئی رنجش ہی ظاہر ہوئی-

باب ۱۸

مراد علی، اپنی بدذاتی سے اب بھی باز نہیں آتا، خورشید مرزا اُس کے قابو پر چڑھ گئی تھے اُسنے کوشش کی کہ اختری پر ڈورے ڈالوں - ماماؤں اصیلوں کو بہت کچھ دے دلا کے آخر پیام سلام کا سلسلہ پیدا کیا - مگر اختری پر اُسکا جادو نہ چل سکا - اب وہ درپئے آزار ہوا چاہا کسی ناجائز طریقے سے کامیابی حاصل کروں اُس کو معلوم ہوگیا کہ اختری زینت بیگم کے پاس آتی جاتی ہو - اس لئے اُسنے ٹوہ لگاتے لگاتے ایک سلسلہ نکال ہی لیا - بہت بڑی نفع کی اُمید تھی اس لئے زرخرچ کرنے پر آمادہ ہوگیا - زینت بیگم کے مکان کے برابر ایک چھوٹا سا مکان جو کسی بادرچی کا تھا ہمیشہ کرایہ پر چلتا تھا - کرایہ تین روپیہ ماہوار تھا - آجکل خالی پڑا تھا یہ موقعہ اُسکو خوب ہاتھ آیا - رحیم بخش نامی ایک شخص بارہ بنکی کا رہنے والا بتلاش معاش لکھنؤ میں آیا تھا شیخ احمد علی کے نام کا ایک رقعہ اُن کی کسی دوست سے لکھوا لایا تھا - مراد علی نے اُسکو فوراً نوکر رکھ لیا -

یہ شخص قوم کا بھٹیارہ عمر بھر نوادی پیشہ کرتا رہا تھا اور اُس کی جورو شرفو بھٹیاری کسی زمانہ میں بڑی بدکار آفت روزگار تھی مگر اب خدا جانے سچ یا جھوٹ حج کر آئی اس کے اور اجمیر شریف دیوان شریف، ردولی شریف بانسہ - کچھوچھہ، مکن پور، پیران کلیر ان مقامات میں جا کے شرف حاصل کیا - بڑی نمازی پرہیزگار حجن کے نام سے مشہور تھی، کہیں مُرید بھی ہو آئی تھی، اب کیا پوچھنا -

قحبہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی

رحیم بخش کو وہ مکان کرایہ پہلے دیا اور رحیم بخش، اور شرفو دونوں اُس کی رازداری میں داخل ہوئے، مراد علی رات کو چھپ کے اس مکان میں جا کے بیٹھنے لگا - شرفو کی بدولت دلچسپیوں کے سامان روز رات کو موجود رہتے تھے، اکثر وہیں رہتا تھا، دو منزلہ مکان تھا نیچے کے مکان میں دالان کوٹھریاں کھاری پانی کا کنواں یہ سب رحیم بخش اور شرفو کی ضرورتوں کے لئے کافی تھا - کوٹھے پر ایک کمرہ نشستی یا (مراد علی) کے روزانہ شراب خواری بدکاری کے لئے بہت مناسب اور موزون تھا، مراد علی اپنے مطلب کے حاصل ہونے تک پوشیدگی کو نہایت ضروری سمجھے ہوئے تھا اس لئے جو کچھ کرتا تھا بہت پوشیدہ، رحیم بخش اور شرفو بڑے پختہ کار رازدار ہاتھ آئے تھے، چالاک وبیباک کہاوتات تھوڑے سے خرچ پر بڑے بڑے کام کرنے والے آئندہ انعام کے امیدوار، اپنے پیشہ میں جورو میاں دونوں طاق پورے مشاق، مگر میاں زمین میں گھس کے چیال کی خبر لانے والا توجورو

آسمان پھاڑ کے تھگلی لگانے والی جیسے کٹنے کٹنیاں قصہ کہانیوں مین سنی تھین یہ دونوں جورو خاوند ویسے ہی تھے۔ جورو خاوند کیسے عمر بھر ناجائز تعلق رہا، اب حج جن بتے کے بعد نکاح پڑھا لیا تھا گویا حرامکاری سے تائب مگر دو سر ملا دینے مین خواہ وہ غیر شرعی طریقہ سے کیون نہ ہو ستر حجون کا ثواب ملتا ہے یہ اعتقاد اور یہ چال چلن لوگون کے دکھانے کو لکھے، سوداگر بنے، سنگی گلبدن محمودی تینوڈ ڈورئے کے تھان ایک بقچہ مین باندھ کے رکھ چھوڑے کبھی کبھی پھیری کو بھی نکلتے ہین یہ مراد علی کی رازداری کا پردہ ہو تاکہ محلہ والے نہ بھانپین ورنہ ایسے بدمعاشون کو محلہ مین کون رہنے دیتا ہے فورا اٹھوا دیئے جاتے۔ بی شرفو بھی گھرون مین کپڑا بیچنے کے حیلہ سے جاتی ہین پرائی بہو بیٹیون کو بدراہ کرنے بھگا لے جانے کا اچھا خاصہ سامان کر لیا گیا ہے مگر ہر کسی کا کٹنا پا بالفعل منظور نہین، منشی جی کا کام ہو جائے تو زندگی بھر کی روٹیان ہو جائین گی، خورشید مرزا کے محل مین گھسنے کی تو جرات نہین ہوئی اس لیے مدار بخش کانے ناگ کی طرح دن رات پہرے پر بیٹھے رہتے تھے، اونگھتے ضرور تھے مگر ذرا سی پاؤن کی آہٹ سے چونک پڑتے تھے ان کو تاکید تھی کوئی اجنبی عورت گھر مین نہ جانے پائے، قدیم مہترانی دھوبن کنجڑن کے سوا کوئی جانے نہ پاتا تھا جب سے میان جان کا اشغلہ اٹھا تھا تاکید زیادہ ہو گئی تھی، زینب بیگم کا گھر غریب کا گھر تھا، یہان شرفو آنے جانے لگین، اختری پر تو ان کی نظر نہین پڑی بوٹن کو اپنے ڈھب کا پایا، مراد علی سے تعریف کر کے پورا مشتاق بنا دیا، بوٹن بے چین طبیعت کی تھی کسی نہ کسی طرح مراد علی نے ایک جھلک سا دیکھ لی تھی۔ اختری سے صرف روپیہ کی طمع سے ملنا چاہتے تھے یہان محض صورت شکل پر فریفتہ ہو گئے شیر کا شکار نہ ہو سکے تو لومڑی ہی سہی وار خالی نہ جائے۔ بوٹن پہلے ہی سے عاشق تن تھین، شرفو سے دو دو باتین ہو ہی گئین اس طرح کہ کسی کے فرشتون کو خبر نہ ہوئی کوٹھے پر چڑھ کے منشی جی سے آمنا سامنا اشارے بازی ہوئی عطر پان پھول مٹھائیون کے دونے۔

قول اقرار چاہ کے وعدے
زندگی بھر نباہ کے وعدے

یہ سب کچھ ہوا۔ بانس کی سیڑھی تیار ہوئی، پورے سامان بھاگ جانے اور بھگا لے جانے کے ہو گئے۔ بوٹن سمجھتی تھی بس بانس کی سیڑھی سے نیچے اترنے کی دیر ہے پھر مجھے کون پائے گا۔ ناتجربہ کاری الھڑ پن طبیعت کی شوخی چالاکی اکسا رہی تھی۔ مگر مراد علی ایسا بے وقوف نہ تھا جو محلہ مین زیر دیوار یہ جرات کر بیٹھتا دوسرے اختری کی طرف سے ابھی بالکل مایوس نہ تھا ادھر رحیم بخش اور شرفو دونون اڑ اڑ گئے۔ منشی جی ذرا سمجھ کے کام کرنا چاہیے ہم دونون فورا گرفتار ہو جائین گے۔ پہلے ہم کو بھاگ جانے دیجیے پھر آپ اپنا کام کیجیے گا، عورت راضی ہے اپنا اگم اندیشہ ذرا سوچ سمجھ کے کام کیجیے مشکلین دور ہوتی جاتی تھین، فکر یہ تھی کہ اختری

نہ بھی اختری کا مال کم از کم جواہرات کا صندوقچہ قبضہ مین کرلون پھر اس بیڑیا کو لے کے اڑ جاؤن گا اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ چلے گا مگر اسکو خبر نہ تھی کہ نواب مرزا اور جعفر علی سایہ کی طرح اُس کے پیچھے پیچھے رہتے ہین اس کے مادر پدر خفیہ پولس کے اہل کار جن کو نواب مرزا اور جعفر علی نے لگا رکھا تھا اُس کی تمام حرکات و سکنات کی خبر رکھتے ہین وہ کہین ہو کوئی نہ کوئی اُس کے پاس بلکہ ساتھ رہتا ہے - یہ خفیہ مکان بھی ان سے چھپا ہوا نہ تھا جب یہ یہان آتا ہے ایک لنگڑا فقیر پیچھے پیچھے دروازون پر بھیک مانگتا ہوا آگے پیچھے ساتھ ہی ساتھ در دار کر مین پہونچ جاتا ہے پھر پولس کے سپاہی کا پہرا گلی مین رات بھر رہتا ہے ، یہ سب اسکی ٹوہ مین ہین مراد علی اپنے کو بڑا ہوشیار سمجھتا تھا مگر علم و عقل مین بڑی قوت ہے خصوصًا نیک نیتی کے ساتھ جو کام ہوتا ہے کامیابی ہوتی ہے وہ چورون کی احتیاط نہین ہے بلکہ چورون سے محفوظ رہنے والون کی احتیاط ہے - اختری کے حمایتیون کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ کوئی وار اختری کی ذات یا مال پر کرنے والا ہے اس لئے اُسکو نگرانی مین رکھا تھا ، عین ارتکاب جرم کے وقت گرفتار کرنے کا مصمم قصد کر لیا تھا -

باب ۱۹

کیا میان جان اختری کا حقیقی چچا ہے؟

نواب مرزا اور حکیم جعفر علی اور خود اختری کو بھی ایک لحہ کے لئے یہ شبہ نہین ہوا کہ میان جان کوئی شخص اُسکی ولایت کا دعویدار ہے - اگر خورشید مرزا کو مراد علی نے یقین کرا دیا تھا اور اس بہانے سے وہ اختری کا مال کھسوٹا جاتا تھا ، جواہر کا صندوقچہ مقفل ہوکے خورشید مرزا کی لاکھی مُہر ہونے کے بعد جناب آل کی کوٹھی مین مراد علی کی معرفت پہونچ گیا تھا - شیخ احمد علی کو انتقال کئے ہوئے ایک ہفتہ گذر گیا تھا ، اب مراد علی کے نام خورشید مرزا کا مختار نامہ عام کامل اختیارات کے ساتھ تصدیق ہو چکا - یہ سب امور نواب مرزا اور حکیم جعفر علی کو معلوم ہین ، مراد علی کی نگرانی کی اب سخت ضرورت ہے - اب کسی وقت مراد علی فی الحقیقت آزاد نہین ہے ہر وقت دو ایک ہوشیار شخص اُسکے ساتھ رہتے ہین ، نواب مرزا اور جعفر علی مین مشورہ ہوتا ہے کہ

نواب مرزا - بھائی خورشید مرزا اس بدمعاش کے دم مین آگئے ، بالکل قابو مین ہین اب کوئی وار کیا

ہی بیاہتا ہو۔
جعفر علی ۔ کیا کہوں ماموں جان کس خواب غفلت میں ہیں۔ مراد علی میاں جان کا خوف دلا کے جو ماموں
جان سے کہتا ہو وہ کر دیتے ہیں، یہ جواہرات اسکا صندوقچہ مہاجن کے پاس جب سے گیا ہو مجھے بڑا اندیشہ
ہو۔ مراد علی جب چاہے مہاجن سے لے کے چلتا ہو۔
نواب مرزا ۔ خورشید مرزا کا مختار عام پھر اس کی معرفت صندوقچہ رکھوایا گیا ہو۔
جعفر علی ۔ اچھا تو ایک احتیاط اور کر لینا چاہیے حسین علیخان کی معرفت دو سپاہی نوکر رکھ لیجئے اور مراد
علی کی شکل دور سے دکھلا دیجئے، جتنی ریلیں لکھنؤ سے جاتی ہیں سب کو دیکھ لیا کریں، جانے والے مسافروں
کے پیچھا لگ کے پاس ٹکٹ جہاں بٹتا ہو اور جدھر سے نکل جانے کا احتمال ہو نگرانی رکھنا چاہیے۔
نواب مرزا ۔ دو سپاہی نہیں کم سے کم پانچ چھ ہوشیار آدمیوں کی ضرورت ہو۔ مگر میرا یا آپ کا ہونا
موقعہ پہ ضرور ہے ورنہ اور کسی کو ایکا ایکی مراد علی پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت مشکل سے ہوگی۔
جعفر علی ۔ بے شک! تو پھر مجھکو یا آپ کو اسٹیشن پر رہنا چاہیے۔ مگر یہ میاں جان کا اطمینان ہو جانا چاہیے
نواب مرزا ۔ مجھکو تو اس کے فرضی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو۔ اسکو کالعدم سمجھ کے کارروائی کیجئے۔
جعفر علی ۔ میں آپکے پچھلے جملے سے متفق نہیں ہوں۔ جب تک یہ شبہ صاف نہ کیا جائے گا ماموں
جان پہ مراد علی کا جادو چلتا رہیگا۔ ادھر یہ جعل کھلا اور ماموں جان کی سرکار سے یہ مردود ہوا ادھر
سب کام بنتے گئے۔
نواب مرزا ۔ یہ بالکل درست ہو۔ اچھا تو میں جاؤں۔ مگر میرا یہ خیال ہو کہ اس کی گرفتاری کے لئے میرا
لکھنؤ میں رہنا ضروری ہو۔ میں اس ملعون کو جہنم میں بھیج چکوں تو اطمینان ہو۔ ایک بن ماں باپ کی بچی
کے پیچھے پڑ گیا، اگر وہ والد ہی تو پھر تیرے باپ کا کیا اجارہ ہو چاہتا ہو کہ میرے ساتھ نکاح کر لے اور کل مال
میرے سپرد کر دے، خوب شراب خواریوں اور رنڈی بازیوں میں اڑاؤں، اگر خدانخواستہ اسکی آرزو بر آ
تو خدا جانے اُس غریب کا کیا انجام ہو، دوسرے اُسکا کفو نہیں کہاں وہ رئیس زادی کہاں یہ پاجی پیدا
ہوا اور کا مختار پھر بدتمیز بیہودہ شراب خوار کہاں وہ نیکبخت لڑکی پانچوں وقت کی نماز کلام اللہ کی تلاوت
روزہ دار پرہیزگار، کہاں یہ بدکار کوئی جوڑ ہے۔ انصاف کتا ہو کہ یہ اُس کے قابل نہیں محض روپیہ کی طمع
ہو اُس کی ماں نے اسی دن کے لئے یہ وصیت کی تھی۔
جعفر علی ۔ اچھا تو میں جاتا ہوں، انشاءاللہ شام کی گاڑی میں آگرہ اور وہاں سے گوالیار اور پھر اوجین
جا کے ضرور پتہ لگا لاؤں گا۔

نواب مرزا۔ یہ تو پھیر کا راستہ ہے گنج کے چھاؤنی سے ہوکے جائیے۔

جعفر علی۔ مجھے آگرہ جانا ضروری ہے، اپنے خاص کام کے لئے، گوالیر مین میرے اکثر احباب ہین۔ اوجین مین البتہ کوئی دوست نہین لیکن گوالیر سے کوئی سلسلہ پیدا کرلونگا۔

نواب مرزا۔ آپ کی رائے صائب ہے گوالیر سے سلسلہ چلے گا۔ خصوصًا فوجی دفتر سے۔

جعفر علی۔ یہی میرا خیال ہے مگر یہ تک نہین سمجھا کہ اوجین سے اور لکھنؤ کلکتہ مٹیا برج سے کیا تعلق ہے اگر واقعی میان جان اسم فرضی نہین ہے تو اُسی سے پتہ چلے گا۔ مگر جناب عقل کی بات ہے اگر کوئی سلسلہ ہوتا تو جب اشتہار دیا گیا تھا یعنی سارٹیفکٹ ولایت حاصل کرنے کے لئے اُسوقت ہر دعویدار کے لئے اچھا خاصہ موقع تھا، یہ میان جان اگر واقعی حقیقی چچا ہین تو کیون خاموش رہے اب چار پانچ برس کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہوئے۔

نواب مرزا۔ بیدار نہین ہوئے چونکائے گئے ہین مگر یہ تقریر قبل از وقت ہے آپکے جانے سے حال کھلیگا۔

جعفر علی شام کی گاڑی سے آگرہ روانہ ہوئے وہان پہونچ کے شہید ثالث رحمۃ کے مزار شریف کی زیارت کی پھر گوالیر روانہ ہوئے۔ یہان کئی دن قیام کرنا پڑا۔ فوجی دفتر سے پتہ لگا کہ میان جان پنشن خوار اُجین مین سکونت رکھتا ہے۔ اُجین کو روانہ ہوئے، بڑی مشکل سے پتہ لگا وہان کوئی میان جان کے نام سے آگاہ نہ تھا، صوبہ دار بڑا عہدہ ہے وہ ایک فرانسیسی صاحب بڑی شان وشوکت سے رہتے تھے، بالآخر معلوم ہوا صوبہ دار نہین جمعدار کے نام سے مشہور ہے اُجین کے قریب ایک چھوٹے سے پُرے مین کچی سی جھونپڑی مین جمعدار میان خان یا میان جان رہتے، جوئیدہ یابندہ آخر یہ پہنچ ہی گئے۔ وہ بیٹھے حقہ پیتے تھے دو ایک گنوار گھیرے ہوئے ایک بڈھا سا آدمی مگر گرانڈیل، بڑی بڑی سفید مونچھین، گل مچھے اوپر کو چڑھے ہوے فوجی انداز سے ایک لنگ کسے ہوئے پرانا کوٹ پہنے، سپر وتلوار دیوار کی ایک کھونٹی مین لٹکی ہوئی ایک کونے مین پرانے فیشن کی بندوق جس کی نالی زنگ کھائی ہوئی، لکڑی کا کندہ دیمک چاٹا کونے سے لگی کھڑی ہے، قدیم فوجی نشانیان قومی خدمت کا پتہ دے رہی تھین، بات چیت کا انداز بھی فوجیانہ ہے۔

حکیم جعفر علی۔ سلام علیکم۔

جمعدار۔ وعلیکم السلام، کہان سے تشریف لانا ہوا؟

سپاہیانہ سادی وضع اور لکھنؤ کی نفاست کا مقابلہ تھا، اُدھر وہ زین کا خاکی کوٹ بڑا سا پگڑ بر چڑھے تلنگون کا منڈاسا سامنے دھرا ہوا۔

اُدھر جامہ وار کا دگلہ بیلدار چوگوشیہ کمخواب کی بیلدار ٹوپی سفید شالی رومال گلے سے لپٹا ہوا لکھنؤ کی سج

طرح کہین چھپتی نہین۔

حکیم صاحب۔ لکھنؤ سے آیا ہون۔

جمعدار۔ تیور بدل کے، اُسی جعلی مقدمہ مین، اب آپ آئے ہین، معاف کیجئیگا۔

حکیم صاحب۔ شاید میرا مقصد کچھ اور ہو ہر شخص جعلیہ نہین ہوتا۔

جمعدار۔ اچھا تو اپنا مقصد بیان کیجئے۔

حکیم صاحب۔ ممکن ہو کہ مقدمہ وہی ہو جو آپکے خیال مین ہو، میری بات سُن کے جو چاہیے رائے قائم کیجئے۔

جمعدار۔ صاف کہئے علی جان والے مقدمہ کا کوئی تعلق ہو۔

حکیم صاحب۔ وہی۔

جمعدار۔ تو آپ کیا کہتے ہین۔

حکیم صاحب۔ مجھے صرف چند اُمور آپ سے دریافت کرنا ہین اگر آپ اجازت دین تو بیان کرون۔

جمعدار۔ پوچھئے۔

حکیم صاحب۔ کیا آپ علی جان مرحوم کے حقیقی بھائی ہین؟

جمعدار۔ ہرگز نہین۔ علی جان قوم کے مُغل تھے، منصور الدولہ بہادر کے لڑکے دوسری بیوی سے۔ مین قوم کا پٹھان ہون۔ علی جان لکھنؤ کے تھے، مین رائے بریلی کا اصلی باشندہ ہون مٹیا برج مین بھی رہتا تھا وہ بھی میرے باپ محمد خان سرکار شاہی مین سپاہیون مین نوکر تھے۔ منصور الدولہ بادشاہ کے مصاحب تھے، ہان علی جان اور مین ہم عمر تھے مین اور وہ ساتھ کھیل کے بڑے ہوئے۔ مین اُن کی شادی مین شریک تھا وہ جو بیگم صاحبہ لکھنؤ سے بیاہ کے آئی تھین میرے سامنے بیاہ کے آئی تھین، پھر مین باپ کے مرنے کے بعد بڑے بھائی حسن خان مرحوم سے لڑکے رائے بریلی چلا آیا۔ پھر ایک دوست کے ساتھ گوالیر گیا وہین نوکر ہوگیا، آجتک وہی سلسلہ چلا جاتا ہو۔ یہان ایک عقد کرلیا تھا ایک لڑکا دو لڑکیان ہوئین خدا کے کارخانے، ادہر بیوی مرین لڑکا تو اُن کے جیتے جی مرگیا تھا لڑکیان بھی ایک ہی سال کے اندر گذر گئین۔ مین جیتا رہا۔ تیس برس ملازمت کے بعد اب پنشن پاتا ہون، یہان دو چار بگہہ زمین ہو کھیتی کرتا ہون غلہ کھیتون سے سال بھر کے خرچ کا نکل آتا ہو، پنشن سے اوپر کا خرچ چلتا ہو صبح سے شام تک چٹنی روٹی پیٹ بھر کے ملجاتی ہو مہاراجہ کو دعا دیتا ہون، خدا کا شکر کرتا ہون پڑا رہتا ہون مجھے کیا غرض کہ اس بڑھتی وقت مین علی جان کا بھائی بنون، پرائے باپ کو اپنا باپ بناؤن۔

حکیم صاحب۔ یہ آپ سے علی جان کا بھائی بننے کی کس جعلیہ نے صلاح بتائی۔

جمعدار۔ وہ لاکھ بتائے مین بنتا کب ہون۔

حکیم صاحب ـ یہ تو مین سمجھا خدانخواستہ آپ کیون جھوٹ موٹ کسی کے بھائی کسی کے بیٹے بنین مگر یہ قصہ کیا ہے ذرا تفصیل سے بیان کیجئے مین خاص اسی قصہ کے سننے کے لئے لکھنؤ سے آیا ہون۔

جمعدار ـ قصہ سنئے، مین نے آپ سے کہا کہ بڑے بھائی حسن خان سے رنجش ہوئی تھی اس لئے مین ٹٹیا برج سے چلا آیا تھا، میرے آنے کے بعد بڑے بھائی نے انتقال کیا ایک لڑکی اور لڑکی کی ماں یعنی بھاوج صاحبہ وہین رہین رائے بریلی مین میری والدہ زندہ تھین اُن کو مین خط اور خرچ وغیرہ بھیجا کرتا تھا، بڑے بھائی کی لڑکی کی شادی کلکتہ مین قرار پائی والدہ صاحبہ رائے بریلی سے گئین بہت ضعیف تھین مگر پوتی کی شادی تھی کیونکر نہ جاتین مجھکو خط لکھ کے کلکتہ بلوا بھیجا، مین ایک دو سو روپیہ کی تدبیر کرکے لے گیا، غرض لڑکی کی شادی غریبانہ کردی گئی وہین ایک صاحب جوان سے علی جان کو دریافت کرتے پھرتے تھی اتفاقاً مجھ سے ملاقات ہوگئی: مین نے علیجان کا حال جتنا مجھکو معلوم تھا بیان کردیا۔

حکیم صاحب ـ ان صاحب کا نام آپ بتا سکتے ہین۔

جمعدار ـ جی ہان ـ مراد علی نام تھا خوب یاد ہے، وہ کئی دن میرے پیچھے پڑے رہے خوب سبز باغ دکھائے، مطلب یہ تھا کہ آپ علی جان کے سگے بھائی بنجائے، اُنھین سے معلوم ہوا کہ علی جان کی کوئی لڑکی ہے ماں اُسکو لے کے لکھنؤ چلی گئین تھین اور کوئی اُن کے عزیز تھے اُن کے ہاتھ مین ہاتھ دے کے انتقال کرگئین اب لڑکی اُنھین کے پاس ہے، وہ صاحب مراد علی کہتے تھے، آپ دعویٰ کردیجئے تو یہ ہزارون روپیہ کی جائداد آپکے ہاتھ لگے گی ہم آپ آپس مین حصہ بانٹ کرلین گے، اور اگر آپ نہ لڑین تو مقدمہ بیچ ڈالئے ـ پہلے تو مین اُن سے کچھ ایسے ہی لیے کرتا رہا ذرا شرم کی بات ہے لیکن اب آپ سے کیا چھپاؤن مجھے اُن دنون روپیہ کی ضرورت تھی مراد علی نے کچھ روپیہ بھی مجھکو دیا، مین ہان ہان کرتا رہا ـ میرا کبھی قصد نہین ہوا تھا کہ مین یہ جعلی مقدمہ لڑون مگر وہ مجھکو بے وقوف بنانا چاہتا تھا اور مین اُسکو الّو بناتا تھا ـ اس طرح مجھکو دو تین سو روپیہ کا فائدہ ہوگیا پھر اُنھون نے کہا کہ آپ ایک اشتہار دیدیجئے ـ مجھ سے کہتے رہے کہ لکھدیجئے مین نے اپنے قلم سے ایک حرف نہین لکھا آخر اُنھون نے آگرہ مین یہ اشتہار چھپوا کے ایک نقل مجھکو بھی روانہ کی جعلی مقدمہ تو مجھکو کرنا نہ تھا مین نے اخبار والے کو ایک خط لکھا کہ یہ اشتہار تم نے کس کے کہنے سے چھاپا، اخبار والے نے جواب دیا کہ اُجرتی اشتہار جو شخص اُجرت دیگا اُس کی ذمہ داری پر چھاپ دین گے دوسرا خط مین نے مراد علی کو لکھا کہ تم نے جعلی اشتہار میرے نام سے کیون دیا فوراً جواب دو ورنہ مین فوجداری مین مقدمہ چلاؤن گا ـ آخر بیچارے دوڑے ہوئے آگرہ مین میرے پاس آئے مین نے بالنسوا درا بیٹھے ـ اب آپ تشریف لائے ہین ـ

اس آخری فقرہ سے یہ مطلب تھا کہ دیکھئے آپ سے کیا وصول ہوتا ہے۔

حکیم صاحب۔ (تخلیہ کرکے) یہ سب تقریر جو آپ نے اداکی ہو اگر اسکو آپ قلمبند کرکے مجھکو دین تو مین بھی کچھ نذر کرنے کو حاضر ہون۔

جمعدار۔ یہ سب بنواڑہ تو مین نہین لکھ سکتا مطلب کی باتین مختصر عبارت مین لکھ کے دے سکتا ہون۔

حکیم صاحب۔ مجھے صرف اتنا چاہیے۔

"مین میان جان بحالت صحت نفس و ثبات عقل باقرار صالح تصدیق کرتا ہون کہ یہ اشتہار جو میری طرف سے دختر علی جان کی ولایت کے مقدمہ مین دیا گیا تھا جھوٹا ہے۔ مین نے ہرگز اس اشتہار کے چھاپنے کی اجازت نہین دی تھی، نہ مین علی جان کا حقیقی بھائی ہون نہ رشتہ دار ہون، مجھے مقدمہ ولایت دختر علی جان سے کوئی تعلق نہین ہے مین اجازت دیتا ہون کہ یہ تصدیق میری طرف سے کسی اخبار مین چھاپ دیجائے یا جب ضرورت ہو عدالت مین پیش کی جائے" فقط۔

العبد

میان جان جمعدار پنشن خوار سرکار مہاراجہ صاحب گوالیار،

حکیم جعفر علی نے پانسو روپیے کے یہ ضروری سارٹیفکٹ حاصل کیا، جمعدار نے ایک دن دھوم سے دعوت کی، اس اثنا مین حکیم جعفر علی نے اس مقدمہ کے جستہ جستہ حالات، اختری بیگم کی نیک بختی مراد علی کی بدمعاشیان خورشید مرزا صاحب کی بیکسی مگر بھولاپن یہ سب واقعات جمعدار سے بیان کیے۔ آیندہ خط کتابت جاری رکھنے کا اقرار لے کے حکیم صاحب کو رخصت کیا، بعد بے تکلفی و ملاقات یہ رقم پانسو کی واپس کرنا چاہی مگر حکیم صاحب نے واپس نہین لیے۔ اس کے بعد لکھنؤ کو روانہ ہوئے۔

اس جعل کے کھلنے کے بعد حکیم صاحب نے فوراً نواب مرزا کو تار دیا۔ "طلسم ٹوٹ گیا قابل اطمینان کام ہوئی" نواب مرزا نے تار کی خبر اختری بیگم کو پہونچا دی، اختری بیگم بہت خوش ہوئی۔

باب ۲۰
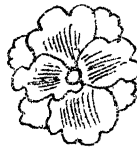
زینب بیگم نے بوٹن کے رنگ دیکھ کے محسن علی کو تار دیا بوٹن کو لیجاؤ وہ آئے بوٹن کو سوار کر کے لے گئے ادھر سے بھی گویا مراد علی کو ناکامی ہوئی، مگر شرفو کے جاتی تھی، منشی جی گھبرائے نہیں یہ عورت آپکے ہاتھ سے نہیں جائے گی، آئے پر آئے۔

ہرمزی ڈولی مین ساڑھے ۴ بجے اسکول سے آئی ڈولی دروازہ پر لگائی یہ ڈولی سے اتری کہار رخصت ہوئے، یہ مکان مین جا رہی تھی کہ اسکو ایک پوسٹ کارڈ دروازے کی چوکھٹ کے پاس پڑا ہوا معلوم ہوا اسنے پوسٹ کارڈ اُٹھا لیا۔ پتہ لکھا تھا، شہر لکھنؤ محلہ معالی خان کی سرا متصل مکان میر امتیاز علی (ہرمزی کے والد مرحوم کا نام تھا) رحیم بخش کو ملے۔

پوسٹ کارڈ مین لکھا تھا منشی جی سے کہدینا سونے کی بوٹی مل گئی بارہوین تاریخ جمعہ کے دن شام کی گاڑی مین ہم لکھنؤ کے اسٹیشن پر پہونچ جائینگے۔

ہرمزی کا دل کھٹک گیا، سونے کی بوٹی۔

جاہل ناخواندہ مرد ہو یا عورت اپنی ذراسی ہوشیاری کو بہت کچھ سمجھتے ہین اول تو شرفو کو یہ خیال ہی نہ تھا کہ پوسٹ کارڈ سوائے رحیم بخش یا مراد علی کے کسی اور کو مل سکتا ہے۔ یہ خیال تو کسی حد تک ٹھیک تھا مگر اُسکو یہ نہ یاد رہا کہ ممتاز علی جن کے پتہ سے خط آتے ہین یہ ہرمزی کے باپکا نام ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ پوسٹ کارڈ پہلے ہرمزی کے پاس جائے۔ ہرمزی نے ڈاک کی مہر دیکھ کے فوراً پہچان گئی کہ یہ شرفو کی کارروائی ہے یہ بوٹن کو مراد علی کے لئے بھگائے لاتی ہے اسنے فوراً اختری کے ذریعہ سے نواب مرزا کو اطلاع دی، نواب مرزا پہلے سے ہی ہوشیار تھے لیکن اس جدید واقعہ کی اُن کو خبر نہ تھی، اب اُن کو یقین ہوگیا کہ مراد علی بوٹن کو لے کے بھاگ جائیگا۔

مراد علی نے جواہرات کا صندوقچہ مہاجن کی کوٹھی سے نکلوایا اُسوقت بھی گرفتاری کا موقعہ تھا مگر وہ خورشید مرزا کا مختار عام تھا، فوراً کہدیتا نواب صاحب کے پاس لئے جاتا ہون۔ اُنھون نے قصد کرلیا کہ خدا نے چاہا تو ریل گاڑی پر سوار ہوتے وقت گرفتار کرونگا۔ نواب مرزا نے اس دانائی سے اُس کی نگرانی رکھی تھی کہ اُسکو کسی قسم کا شبہ نہین ہونے پایا۔ آخر جمعہ کا دن گذرا شام ہوئی۔ ہرمزی چادر پیچھ کر کے اسٹیشن پر

پہونچگی، بریلی کی گاڑی دوسرے نمبر کے پلیٹ فارم پر آتی تھی، ہرمزی نمبر ۲ پلیٹ فارم پر ایک گوشہ مین بیٹھی انتظار کر رہی تھی اُسنے دیکھا ایک شخص جوان میانہ قد سے کچھ اونچا بڑی بڑی مونچھین ڈاڑھی منڈی ہوئی سالزلانگ پلیٹ فارم پر اِدہر اُدہر پھیر رہا ہے گویا وہ بھی کسی کے انتظار مین ہو۔ ہرمزی کے دل نے گواہی دی کہ ہو نہ ہو یہی مراد علی ہو (اُسنے مراد علی کو کبھی نہین دیکھا تھا) اب ہرمزی کی نظرین بر قعہ کی جالی سے اسی طرف متوجہ ہوگیئن گاڑی کے آنے مین ابھی دیر تھی پلیٹ فارم پر جو لوگ تھے اُن مین باتین ہو رہی تھین گاڑی آج ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہو۔ ہرمزی کسی سے کچھ کہہ کے نہین آئی تھی وہ کبھی رات کو گھر سے باہر نہین جاتی تھی اُسکو خیال تھا کہ اماں بہت پریشان ہونگی، مگر خیر جو کچھ ہو مین بوٹن کو لیکے جاؤنگی۔ ہرمزی نے یہ بھی دیکھا کہ اُسی جوان کے قریب قریب مسافرون کی اوٹ مین ایک اور شخص ادھیڑ سا کتروان داڑہی دراز قامت مراد علی کے پیچھے پیچھے ہو۔ اب گاڑی کے آنے مین ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہو کہ اس ادھیڑ آدمی نے مراد علی کا ہاتھ پکڑ لیا، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہو ذرا علیحدہ چلے آئیے یہ لفظین خود ہرمزی نے اپنے کانون سے سنین، مراد علی اس شخص کی مزاحمت سے پہلے کچھ گھبرا سا گیا، اُس کے بعد دلیر ہوکے مین اسوقت کسی کی نہین سُن سکتا، میرے گھر کی سواریان ریل پر آرہی ہین عورتون کو اُتارنا ہو۔ یہ موقعہ کسی گفتگو کا نہین ہو (باتین کرتے کرتے یہ دونون ہرمزی کے پاس آگئے تھے جو کچھ باتین ہوئین ہرمزی نے اچھی طرح سنین) دوسرا شخص میری بات آپکو سننا ہی پڑیگی، نہین تو مین دوسری تدبیر کرون۔ مجھکو آپ کی زحمت کا خیال ہو اور اپنا مطلب آشتی سے نکالنا چاہتا ہون ورنہ —

جوان آدمی۔ ورنہ کیا، میری زحمت کا خیال آپکو ہو۔ خیر مین اس کا شکریہ ادا کرتا ہون مگر خواہ مخواہ آپ کسی کی کیون مزاحم ہوتے ہین۔

ادھیڑ آدمی۔ اب مین صاف کہتا ہون کہ مال مسروقہ آپکے پاس ہو مین ابھی گرفتار کرا سکتا ہون۔

جوان۔ یہ غلط ہو آپ کو دھوکا ہو۔ اچھا چلئے گھڑی دیکھ کے ابھی گاڑی کے آنے مین آدھ گھنٹہ ہو یہ کہہ کے وہ دونون پلیٹ فارم سے پُل کی طرف جاتے نظر آئے، اس اثنا مین دو شخص اور اُس ادھیڑ شخص کے ساتھ ساتھ جاتے دکھائی دیئے مگر ذرا دُور دُور۔

یہ لوگ اُدہر گئے، خدا جانے کہان گئے ہرمزی کو معلوم نہین، ہرمزی تہیہ کرے ریل کے آنے تک آئین مین بوٹن سے مل لون، بوٹن یقیناً میرے ساتھ چلی چلے گی۔ اس کم بخت نے کیا کیا۔ ہائے ماں باپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اتنے مین ریل کی سیٹی ہوئی مسافر پلیٹ فارم کے کنارے سے ہٹائے گئے۔ گاڑی بڑے جوش خروش کیساتھ چنگھاڑتی پھنکارتی دھوان بھق بھق نکلتا ہوا طرفۃ العین مین اسٹیشن پر پہونچکر تھم

گئی، قلیون نے گاڑیون کو گھیر لیا۔ مسافر جلد جلد اُترنے لگے جو لوگ کسی کو لینے آئے تھے وہ ادہر اُدہر جھکنے جھانکنے لگے، ہرفزی بھی اپنی جگہ سے اُٹھی گاڑی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلی گئی۔ بوٹن نہین آئی۔ اتنے مین اس کی نظر شرفو پر پڑی اب ہرفزی کو یقین ہوگیا بوٹن بھی ضرور ہے۔ بوٹن برقعہ مین لپٹی لپٹائی اُتری، ہرفزی نے پاس جاکے ہاتھ پکڑ لیا۔ شرفو کے مُنہ پر ہوائیان اُڑنے لگین۔ اب دو برقعہ پوش عورتین آمنے سامنے کھڑی ہین، شرفو پل کی طرف جلد جلد قدم اُٹھاکے جاتے دکھائی دی۔

ہرفزی۔ بوٹن یہ تو نے کیا غضب کیا، ارے نہ اپنی آبرو کا خیال کیا نہ مان باپ کی۔

بوٹن، ڈر سی گئی، کچھ دیر خاموش رہی (ہرفزی سمجھی کہ جواب کیا دے گی اب میرے ساتھ شہر چلی چلے گی جو کچھ ہوا ہوا اب اسوقت زیادہ چھیڑنا اچھا نہین)

ہرفزی۔ اچھا تو اب چلو۔

بوٹن۔ (چلون کہان) اب میرا مُنہ اس قابل نہین کہ کسی کو صورت دکھاؤن جو میری قسمت کا لکھا تھا پورا ہوا۔ لے تم جاؤ۔

ہرفزی۔ اب مین تم کو چھوڑتی ہون ساتھ لے کے جاؤن گی۔

بوٹن۔ بہن ہرفزی ضد نہ کرو مین نہین جاؤن گی، نہین جاؤن گی۔

ہرفزی سمجھی کہ دب گئی، کسی قدر تحکم کے ساتھ کیونکر نہین جاؤ گی۔ مین تو لے جاؤن گی۔

بوٹن۔ جب مین نہین جاتی تو تم کیا لے جاؤ گی۔ کس کو لیجاؤ گی۔ کسی قدر آوازین بلند ہو چلی تھین

ہرفزی۔ ذرا شرماؤ چپکے چپکے بات کرو۔ چارون طرف غیر مرد دے ہین، کیا لڑو گی اب پھر سر بازار لے اب چلو، ہاتھ پکڑ کے اپنی طرف گھسیٹا۔

بوٹن۔ زور سے ہاتھ جھٹک کے، اور غصہ سے، نہین جاتے، یہ بھی زبردستی ہے، مین اپنے شوہر کے انتظار مین کھڑی ہون وہ یہین کہین ہونگے۔

ہرفزی۔ شوہر کیسا۔ یہ شرفو کٹنی تم کو گھر سے نکال کے لائی، شہر چلو دیکھو اس کا سر مونڈا جاتا ہے ناک کاٹی جائے گی۔

بوٹن۔ وہ کیا نکالاتی۔ مین ایسی ننھی بچی ہون کوئی پھسلا کے لے آتا۔ مین اپنے نکاحی خصم کے پاس آئی ہون۔

ہرفزی۔ نکاح کیسا۔ کسنے نکاح کیا، کہان ہوا کب ہوا۔

بوٹن۔ اس قصہ سے تم کو کیا مین اپنی آپ مختار ہون تھی۔ مین نے خود خوشی سے اپنا نکاح کیا ہے

اب جاؤ۔ ابھی تک مین بہن بہن کہے جاتی ہون۔ نہین تو —

ہرمزی۔ نہین تو کیا۔ اندھیر ہے نہ کہ مین تمکو چھوڑ کے، ایک بدمعاش کے حوالے کرکے چلی جاؤن۔

بوٹن۔ لے سیدھی چلی جاؤ نہین تو مین ابھی چیختی ہون کہ مین اس عورت کو نہین جانتی، مین مسافر ہون اپنے شوہر کے پاس آئی ہون یہ زبردستی مجھکو پکڑ کے خدا جانے کہان لیجانا چاہتی ہے۔ خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔ لے ہاتھ چھوڑ دو نہین تو چیختی ہون۔

ہرمزی، اس حد تک بوٹن کو ڈھیٹ نہ جانتی تھی، اسکو یقین تھا کہ میرے ملنے کے بعد جھکی ساتھ چلی آئیگی، اسنے یہی بہت بڑی جرأت کی تھی کہ اس طرح ماں کی بلا اجازت اسٹیشن پر آئی، بوٹن کسی پڑھے جن کی چڑھائی ہوئی تھی۔ واقعی اگر اسنے یہی کیا جو کہتی ہے اور وہ مردود ابھی آگیا تو خدا جانے کیا ہو یہ کہتی ہے کہ میرا اسکا خصم ہے اگرچہ یہ ضرور جھوٹ ہے اسوقت تو اس کا فقرہ چلتا ہوا ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے چولھے مین جائے۔

یہ بات دل مین سمجھ کے ہاتھ چھوڑ دیا اور پھاٹک کے علحدہ کھڑی ہوگئی، اب اسنے دیکھا کہ وہ نوجوان گیا اور آتے ہی بوٹن کے پاس گیا۔ دونون مین چپکے چپکے باتین ہوئین۔ وہ شخص ادھیڑ سا جو ساتھ گیا تھا اب ساتھ نہین ہے

اب یہ دونون ویٹنگ روم کی طرف روانہ ہوئے۔

جب بوٹن اور مراد علی دکھائی دئے اب ہرمزی کو اچھی طرح معلوم ہوگیا تھا کہ یہ شخص مراد علی ہے ملے بوٹن نے مراد علی سے ملتے ہی گھبرا کے دریافت کیا "تمہارا پیچھا کسی کا نوکر بھیجا گیا ؟" مراد علی کو اسکا علم ابھی نہین ہونے پایا تھا کہ کوئی عورت یا مرد بوٹن کو لینے آیا ہے "تمہارا پیچھا کسی کا نوکر ہی [illegible]"

ہرمزی۔ ادھیڑ سے شخص کو سمجھ گئی کہ یہ کوئی دوست مراد علی کا نہین ہے کہ اس کی گرفتاری کی فکر مین آیا ہے خدا جانے ہوا اب تک گرفتار کیون نہ ہوگیا۔ اگر یہ بدمعاش گرفتار ہوجاتا تو بوٹن ضرور میرے ساتھ چلی چلے گی۔ اس خیال سے ہرمزی اسٹیشن پر ٹھہری رہی۔ آخر تو مین آئی ہون دو تین گھنٹے ہونگے مگر بہت بڑی بات ہے شاید بوٹن اسی بدمعاش کے پھندے سے نکل کے میرے ساتھ ہو جائے۔

ہرمزی جہان ٹھہری ایک بینچ پر بیٹھی جو زنانہ ویٹنگ روم سے کسی قدر فاصلہ پر تھی، اس نے دیکھا کہ مراد علی اپنا اسباب بوٹن کے پاس چھوڑ کے پوریان مٹھائی خرید کے لایا۔

ہرمزی کا کوئی بس نہین چل سکتا اگر اسوقت ہرمزی اس شخص سے جو ادھیڑ سا ہے یہ حال کہہ تو شاید کچھ ہوسکے مگر غیر مرد سے بات کرنے کی اسکو جرأت نہ ہوئی، ہرمزی نواب مرزا کا نام اختری سے سن چکی تھی

مگر صورت نہ دیکھی تھی۔ دلمین خیال تھا کہ یہی نواب مرزا ہین، مگر کیا وجہ ہوئی کہ اُنھون نے اسکو (مراد علی) کو چھوڑ دیا۔ اے لو ساڑھے نو ہو گئے۔ صرف آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ یہ نواب مرزا ہین جنکو تھوڑی دیر ہوئی دیکھا تھا، یقیناً وہی ہین، اے ہے حکیم صاحب اس موقعہ پر کیون نہ ہوئے اُنسے مین بات کر سکتی تھی ہرمزی غریب کو کیا معلوم تھا کہ حکیم صاحب راجپوتانہ کی سیر کر رہے ہین۔

نواب مرزا نے فوراً کیون نہ گرفتار کیا؟ بات یہ ہے کہ مراد علی بڑا چلتا پرزہ تھا جس طرح چور جب چوری کو نکلتے ہین سیکڑون فکرین اپنے بچاؤ کی موقع سے نکل بھاگنے کی پہلے سے سوچ کے اُس کی تدبیر کر لیتے ہین، پہلے فال شگون لیتے ہین، گیدڑ کے بولنے کا انتظار رہتا ہے پھر کپڑے اوتار کے چٹ لنگوٹ کستے ہین بدن پر تیل ملتے ہین توے کی سیاہی تیل مین گھلی ہوئی ہوتی ہے اسی لئے عورتین تیل توا پکا، کر چور کی حفاظت کا ٹوٹکا کیا کرتی ہین۔ پھر چھری کمر مین لگا کے پستول ریوالور کو بھر کے کمر مین باندھ ہو کے چوری کو نکلتے ہین، مراد علی کا یہی حال تھا۔ مگر اُس کی اور تدبیرین تھین، عمدہ امیرانہ لباس[illegible] رزالت کو چھپایا تھا۔ ریوالور بھی اُس کے بیگ مین تھا مگر سپاہیانہ دفاع کی نہ اُسکو جرات تھی نہ بالفعل تھی شاید مغلوب بلّی کی طرح کسی وقت جرات کر بیٹھے، قانونی حفاظت اُسنے ہر طرح کر لی تھی۔ خورشید مرزا کا مختار نامہ اُس کی جیب مین تھا۔ جواہرات مہاجن سے لانے کے لئے جو رقعہ لکھا گیا وہ بھی چالاکی سے مہاجن کی آنکھ بچا کے اُٹھا تا لایا تھا۔ نہین معلوم کن تدبیرون سے ملک عرب مین جانے کے لئے پروانہ راہداری بھی اُسنے حاصل کر لیا تھا عجب نہین کہ نکاح کا واقعہ بھی درست ہے جس زمانہ مین بوٹن لکھنؤ مین تھی اور بانس کی سیڑھی تیار ہوئی تھی اُسی زمانہ مین یہ جعلی نکاح ہوا ہو تو کیا تعجب ہے۔

نواب مرزا ایک بیک فوجداری کے مقدمہ مین ہاتھ ڈالنے سے جھجکتے تھے ممکن ہے کہ بدمعاش صاف نکل جائے اور اُلٹے مین پھنس جاؤن یہ خیال بھی تھا، پولس اپنی ذمہ داری پر گرفتار کرنے سے انکار کر چکی تھی، ادہر مراد علی نے کامیابی کے لئے ہر طرح سے مضبوطی کر لی تھی، غرض کہ واقعات کی میزان برابر تھی اگرچہ قدرتاً نواب مرزا کا پلہ جھکتا ہوا تھا مگر شبہ مدعیٰ علیہ کے مفید تھا۔ ہرمزی کے خیالات تو ان باریکیون تک نہ پہونچے تھے مگر وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ کچھ نہ کچھ سبب ہے جس سے نواب مرزا نے اس موئے کو چھوڑ دیا، بال بال بچا جاتا ہے کورا نکلا جاتا ہے۔ اثنائے گفتگو مین بوٹن کے منہ سے نکل گیا تھا ہم اچھی راہ پہ جاتے ہین تم اُلٹی روکتی ہو۔

ہرمزی — آخر کہان جاتی ہو؟

بوٹن — تو یہ کیون بتائین، اچھا تم کیا کر سکتی ہو، بتائے دیتے ہین کعبہ شریف جائین گے، پرسون تک جہاز

پہونچ کے ٹکٹ لے کے جہاز پر سوار ہو جائیں گے، پھر ہمیں کون پاتا ہے۔
بمبئی جہاز کعبہ شریف یہ سب بی جمن (شرفو) کی تعلیم تھی۔
ہرمزی کو نواب مرزا کے آنے کی اُمید لگی تھی۔ چپکے چپکے دعائیں مانگ رہی تھی یا علی شیر نواب مرزا کو لاؤ گھبر۔ اے لو غضب ہو گئی نواب مرزا کا اب تک پتہ نہیں ہے۔ دوسری گھنٹی بھی ہو گئی، ریل کے چھوٹنے سے پہلے مراد علی نے بوٹن کو گاڑی میں بٹھایا تو وہ بھی گاڑی میں گیا گر پھر اُتر آیا، ایک کیلے والا ریل کی کھڑکی کے پاس تھا، بوٹن نے منہ نکال کے (برقعہ کی جالی منہ پر ہے گو ہرمزی نے اچھی طرح پہچان لیا)، بوٹن نے ایک گودہ کیلے کی مول لی، مراد علی نے روپیہ جیب سے نکال کے دیا، جلدی پیسے دو گاڑی چھوٹا چاہتی ہے۔ اب نواب مرزا دکھائی دئیے، نواب مرزا کو دیکھ کے گاڑی میں جا بیٹھا۔ گاڑی چھوٹا چاہتی تھی گارڈ نے کھڑکی زور سے بند کی جو لوگ ریل کے پاس تھے اُن کو ہٹایا، نواب مرزا نے چلتی گاڑی میں چڑھنے کا قصد کیا، گارڈ نے ہاتھ پکڑ کے کھینچ لیا۔ نواب مرزا نے جلد جلد گارڈ سے کچھ باتیں کیں۔ گارڈ ریل پہ چڑھ کو آگے بڑھا یہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے۔ آخر ہرمزی نے دیکھا، خیال شبہ تھا کہ نواب مرزا گارڈ کے ساتھ ہی ساتھ تھے۔ ہرمزی نے گاڑی میں چڑھتے تو نہیں دیکھا مگر ریل کے جانے کے بعد بڑی دیر تک نواب مرزا کے واپس آنے کا انتظار کرتی رہی وہ واپس نہیں آئے شاید ریل گاڑی میں جگہ مل گئی۔
اب ہرمزی کا ٹھہرنا بیکار تھا، ریل کے پھاٹک سے باہر نکلی ایک اکے پر سوار ہو کے شہر کی طرف روانہ ہوئی۔ ہرمزی نے زندگی بھر کبھی ایسی جرأت نہ کی تھی اُسکو خود خود تعجب تھا کہ یہ میں نے کیا کیا اماں جان بہت خفا ہونگی، بوٹن کو ساتھ لے کے جاتی تو بھی ایک بات تھی، میری وہی مثل ہوئی: کہاں گئی تھی کہیں نہیں کہاں سے آتی ہوں کہیں سے نہیں۔
ہرمزی گیارہ بجے کے بعد گھر پہونچی، اختری کو خلاف وقت اپنی ماں کے پاس بیٹھے دیکھا۔ ہرمزی پہ زیادہ خفگی نہیں ہوئی۔ پوسٹ کارڈ کا واقعہ ماں سے اب تک چھپایا تھا اس خیال سے کہ وہ ہرگز روادار نہ ہوتیں کہیں [illegible] کے ریل کے اسٹیشن پہ ماری ماری پھرتی، چولھے میں پڑے بوٹن بھاڑ میں جائیگا بوٹن تم کو کیا پڑی تھی کہ دوڑی گئیں مگر بات معقول تھی اس لئے زینت بیگم خاموش ہو گئیں۔ ہرمزی کو یہ فکر ہوئی اختری بیگم اس وقت کہاں، شاید اماں کے اکیلے ہونے سے بیٹھی رہیں۔ اب چلی جائینگی جب آدھی رات سے زیادہ ہو گئی اور اختری نے جانے کا نام نہ لیا، ہرمزی کا تعجب زیادہ بڑھنے لگا، آخر حالات کھلے
اختری۔ دیکھئے کیا ہو۔ میں تمہارے گھر میں بیٹھنے کے لئے رہنے کو آئی ہوں۔ کیا تم بھی نکال دوگی۔
ہرمزی۔ یہ آپ کا گھر ہے آپ کے لائق نہیں مگر یہ سوال دینا کیسا کچھ تو کہئے، آپکو نکال کون سکتا ہے،

اختری۔ آخر اپنے گھر اور پرائے گھر مین بڑا فرق ہوتا ہی۔ آج کو اپنا گھر ہوتا تو کیون اس طرح ذلت سے نکلتے۔ ڈولی تک نہین ملانے دی۔ یہ کہہ کے اختری چیخین مار مار کے رونے لگی، آج معلوم ہوا کہ امان جان مر گئین، اور زور سے چلا کے رونے لگی۔

آخر ہرمزی نے گلے سے چمٹایا، قسمین دے کے رومال منہ سے ہٹایا۔ ہاتھ منہ دھلایا۔ اختری بیگم چپکی ہو کے بیٹھی مگر اب بھی آنسوؤن کا مینہ برس رہا ہی۔

تھمتے تھمتے تھمین گے آنسو ۔۔۔ رونا ہی یہ کچھ ہنسی نہین ہی
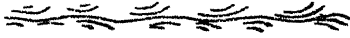
قہر ہے کنج قفس مین بھی نہ آرام ملا
دشمن جان ہے صیاد کے غمخوار عبث
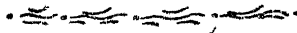
خورشید مرزا کے کارخانہ کی ابتری ناظرین کو معلوم ہی مصنوعی چچا کا خوف ہمیشہ غالب رہتا ہی بے آبروئی قید ذلت جیل خانہ مہیب شکل بنائے ہر وقت کالے دیو کی طرح منہ کھولے ایک دم مین ہڑپ کر لینے کی دھمکی دے رہا ہے نفس لوامہ ملامت گر ہی۔ کیا اسی لئے خورشید بیگم نے اپنی پیاری اکلوتی لڑکی کا ہاتھ مین ہاتھ دیا تھا کہ مین اس نابکار مراد علی کے اغوا سے اُس کا مال لاکھون روپیہ باپ کا سا مال لینے صرف مین لاؤن میری نیک نیتی چاہتی تھی کہ مین خود اپنے روپیہ سے اس بن مان باپ کی بچی کو پرورش کرون یہ نہ ہو سکا تو یہ چاہیے تھا کہ اُس کے مال کو سانپ بچھو سمجھون ہاتھ سے نہ چھوؤن، اس نامراد مراد علی نے کہین کا نہ رکھا۔ خود ہی مال پر تصرف کرنے کی صلاح دی اب چچا کا طرفدار بنا ہوا ہے سیکڑون دلیلون سے اُس کی حمایت میری ہار ثابت کرتا ہی اور پھر یہی مشورہ دئے جاتا ہی کہ زر نقد، پرنوٹ، تمسک قبالہ ان سب کو اپنا مال کر لون کئی دن سے انھین خیالات مین غلطان پیچان ہین کسی کروٹ کسی پہلو چین نہین دو دن سے حرارت سے سر پھٹا پڑتا ہی۔ آج صبح کو کچھ آپ ہی، بکس کی کنجیان سامنے پڑی تھین صندوقچہ سامنے دھرا تھا ناخواستہ بکس کو کھولا لیکن یہ چک ٹک کیا ہوئی۔ پرامیسری نوٹ تو ہین صندوقچہ کے اوپر کا خانہ ہٹا کے دیکھا ایک نوٹ نہین سر پکڑ کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر گذری تھی مدا بخش نے کہا چچا کل کا مُنیم آیا ہی، آپ سے ملنا چاہتا ہی، دیوانخانہ مین

بُلا لیا۔ مُنیم سلام کرکے بیٹھ گیا۔ مجھکو لالہ نے بھیجا ہے، مختار صاحب جواہرات کا صندوقچہ لالہ سے لے گئے رسید اپنی دستخطی لکھدی، لالہ نے مجھ سے کہا ہے کہ نواب صاحب کے ہاتھ کی رسید لا دو، مراد علی مختار عام ہے مگر لالہ کہتے ہیں خود نواب صاحب کی رسید ہونا چاہیئے بھاری معاملہ ہے زمانہ بُرا جا رہا ہے (دل میں) جواہرات کے صندوقچہ کی رسید، منگایا کسنے تھا۔ مگر مُنہ سے کچھ نہیں کہا یہ کہہ کے ٹال دیا مختار ابھی آیا نہیں ہے وہ آلے تو رسید بھجوا دینگا۔

مُنیم۔ مگر آج ہی بھیجدیجئے۔

نواب صاحب۔ ہاں تیسرے پہر تک بھیجدونگا، خاطر جمع رکھیں۔

ابھی تک نواب صاحب خواب خرگوش میں ہیں اب بھی ایک بیک نہیں خیال میں آیا کہ اتنی بڑی چالاکی مراد علی کی مجال نہیں ہے ابھی قید ہو جائیگا۔ پر ایسی لوٹ کون بھلا سکتا ہے اُس کے فروخت کا مختار کو ختیار نہیں جواہرات کیا مُنہ کا نوالا ہے کہ کوئی جھپ سے نگل لے گا، مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد ہوش بجا ہوئے نوٹوں کے بیچنے کے لئے جعل ہو سکتا ہے۔ جعلی خورشید مرزا لکھنؤ میں سہی بمبئی کلکتہ میں کسی کو بنا دینا مختار نامہ میں اس اختیار کو جعل سے بڑھا لینا جواہرات کو سرکاری عملداری سے نکل کے بیچ لینا یہ سب ہو سکتا ہے۔ مگر مراد علی سامنے کا چھوکرا ایسی جرات نہ کریگا۔ بخار چڑھتا آتا ہے۔ چند ہی منٹ کے بعد جیسے کسی نے کان میں پھونک دیا۔ مراد علی سب مال لے کے چلتا ہوا، چک چیک، تمسک نوٹ صندوقچہ سب جا چکا اب تک ہوش نہیں آتا ہے ہوش کیا آتا۔ اب تک یقین نہ تھا جب سب باتوں کا یقین آیا گویا دفعتہ برابر بجلی گری، خورشید مرزا کھڑے ہوکے اندر جانا چاہتے تھے تیورا کے گرے گرتے ہی بیہوش ہوگئے، باہر آغا علی موجود تھا اُسنے چلا کے اندر خبر کی جعفری بیگم چیل کی طرح پہونچیں، باپ کو بیہوش پایا، سنجا ہے کہ جیسے جنبھن رہے ہیں فوراً پیٹنا شروع کیا۔ ہے ہے آبا جان! ہے ہے آبا جان! اے ہے آبا جان کو کیا ہو گیا مثل ہے نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد۔ اختری سر پکڑے سامنے کھڑی تھی۔ جب سے یہ بیگم صاحبہ آئی ہیں۔ کیسی بیگم جب سے یہ ...... یہ سب اس چڑیل کی بدولت ہوا۔ گھر کو خاک میں ملا دیا جھاڑو پھیر دی۔ اب تک گھر سے نہیں نکلتی، اب کیا مُرشے نکال کے جاؤگی اور مُردا تو کر دیا۔ اب اُن میں ہے کیا۔

اختری۔ باجی، ماموں جان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ اسوقت لڑنا مناسب نہیں ہے خدا اُن کو اچھا کرے پھر جو چاہنا کہنا۔

جعفری۔ چپ ...... تیری باجی کون الیسی تیسی ہے۔ تیری ماموں جان کی چاہیتی تیرے کارن تو چال ہوا جب سے آئی گھر میں چھیت لگ گئی بھرا پُرا گھر تہس نہس ہو گیا۔ موئی کٹھن پیری سبز قدم۔ پہلے مال پر

بنی اب جان پر بن گئی۔

"جعفری خورشید مرزا کی بڑی لڑکی تھی اُن کے نہ ہوتے یہی گھر کی بزرگ تھی اگرچہ مسلمانون کی شریعت سے دونون بہنین برابر کی حصہ دار تھین پھر بھی جعفری بڑی ہونے کی وجہ سے اس گھر کی حاکم تھی۔ اب خورشید مرزا بے ہوش پڑے ہین گویا مُردہ ہین، جعفری کو حکومت جتانے کا بہت اچھا موقعہ ہاتھ آیا وہ اختری سے خار کھاتی تھی دل ہی دل مین تاؤ پیچ کھاکے رہجاتی تھی خورشید مرزا کے ہوتے کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مار سکے اب خود جعفری کا راج تھا اُس نے برسون کی کسر دم بھر مین نکال لی، سچ تو یہ ہو کہ اس حکومت کے ملنے سے ایک طور سے خوش ہون اس لئے کہ اُسکو اختری سے انتقام لینے کا موقع مل گیا، جیسے اکثر جاہل کہا کرتے ہین کہ سوا گھڑی کی بادشاہت ہوجائے تو جتنے مجھکو ستایا ہو اُس کی بوٹیان کاٹ کے چیل کوون کو کھلادون، ٹھیک یہی حال تھا الف لیلہ مین اس کی مثال ملتی ہو سوتے جاگتے کی کہانی مین خلیفہ ہارون رشید کی خلافت ملنے سے ابوالحسن نے اپنے محلہ کے مؤذن کو پٹواکے تشہیر کیا اور شہر سے نکلوادیا، بس یہی سلوک جعفری نے اختری کے ساتھ کیا۔"

اب تجھکو ایکدم کے لئے گھر مین نہ رہنے دون گی۔ یہ کہہ کے ہاتھ پکڑ کے باہر نکالنے چلی۔

نادری۔ باجی خدا کے قہر سے ڈرو کوئی اس طرح بھی کسی کے ساتھ کرتا ہو۔ ابا جان خفا ہونگے۔

جعفری۔ اور آگ بگولا ہو گئی، تو چپ رہ نہین تو مارتے مارتے دم تیرا نکال ڈالون گی۔ پھر اختری کی طرف بڑھی۔

اختری۔ اچھا تو ڈولی تو بلوا لینے دو۔

جعفری۔ بڑی ڈولی پر چڑھنے والی۔ پرائے گھر مین خیرات کے ٹکڑون پر پڑی ہین ڈولی پر سوار ہو کے جائین گی۔ خیرات خوری۔

اختری کو کچھ نہ بن پڑا دروازے پر جاکے نوکرون کا منہ پھروا کے سر سے پاؤن تک چادر اوڑھ لی اور ہرمزی کا گھر تھوڑی دور تھا، گلی مین سناٹا پڑا تھا، زار و قطار روتی ہوئی ہرمزی کی ماں کے پاس چلی گئی، یہ وہی دن تھا جب ہرمزی بوٹن کی فکر مین ریلوے اسٹیشن گئی ہوئی تھی۔

ترے کوچہ سے ظالم ایسی مجبوری سے ہم نکلے
کہ جیسے کش مکش مین عاشق شیدا کا دم نکلے

ہرمزی کی ماں اختری کے حالات سے کسی قدر واقف ہوچکی تھین۔ اختری کو اس دہاڑے سے نکلتے دیکھ کے سخت تاسف کیا۔ یہ بی جعفری کے کرتوت ہین۔ مین تو پہلے کہتی تھی ایکدن یہ انجام ہونا ہو یہ لڑکی کسی کی نہین ہو کیسے طوطے کی طرح آنکھین پھیر لین خدا کرے خورشید مرزا اُٹھ کھڑے ہون تو دیکھنا بی جعفری کی کیا گت

ہوتی ہے۔

اختری۔ وہ خدا کرے جلد اچھے ہوجائیں میں تو اُس گھر میں اب نہ جاؤں گی۔ میرے نزدیک جعفری کا کوئی قصور نہیں ہے یہ میری قسمت ہے اماں کیا سمجھی تھیں جو کچھ اُنھوں نے میرے لئے کیا میری بھلائی کے لئے کیا انکو اس دن کی کیا خبر تھی، یہ تقدیری اُمور ہیں۔

جسکو میں دوست بناؤں مرا دشمن ہوجائے
میں اگر موم کو پگھلاؤں تو آہن ہوجائے

خورشید مرزا پر غشی کا عالم دیر تک طاری رہا آخر جعفری نے چیخ چیخ کے کان کے پاس چلا چلا کے ہوشیار کردیا۔ ہوشیار تو ہوئے مگر بخار بہت تیز ہوتا گیا تھا اب جو آنکھ کھلی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے پلنگ پر اُٹھ بیٹھے کھڑے ہوگئے، کپڑے پھاڑنے لگے، سرسامی حالت ہوگئی، گھر میں عورتیں، تھیں یا باہر نوکر چاکر تھے حکیم جعفر علی کو دریافت کرایا معلوم ہوا باہر گئے ہیں کب گئے ایک ہفتہ ہوا کب آئیں گے معلوم نہیں۔ نواب مرزا اور جعفر علی کی ایک صلاح تھی چپکے چپکے کارروائیاں کرتے تھے کسی کو کانوں کان معلوم نہ تھا کیا کر رہے ہیں،

خورشید مرزا کی یہ حالت دیکھ کے ڈاکٹر کو بلا بھیجا، ڈاکٹر نے حال دریافت کیا معلوم ہوا، بخار تھا اور اُسی حالت میں غش آگیا تھا۔ ہم لوگوں نے چونکایا، ڈاکٹر نے سخت افسوس کیا غش آتے ہی کیوں نہ خبر کی، بیوقوفی سے چونکائے گئے اُسی حالت میں نیند آنے کی دَوا دینا تھی تاکہ سو جائیں۔ جب آپ ہی آپ ہوشیار ہوتے ادہر بخار بھی اُتر جاتا، بہت جلد اچھے ہوجاتے۔ اب حالت نازک ہوگئی سخت سرسام ہے دماغ کی جھلی میں ورم ہوگیا ہے۔ مناسب تدبیریں بتائیں، سر پر برف بندھوائی گئی، دَوا پلائی گئی، نیند آنے کی دَوا دی گئی، ڈاکٹر صاحب نواب کے دوست تھے حالت خراب تھی جاہل عورتوں سے تیمارداری مشکل تھی اس لئے فوراً اسپتال سے ایک ولایتی نرس کو بُلا کے بیمار کو سپرد کیا۔

اختری نے پھر انسانیت کی حال دریافت کرنے کے لئے ایک عورت کو بھیجا، بیچاری یہ دوچار کالیاں ٹپتین خورشید مرزا کو تو سرسام تھا مگر جعفری گویا دیوانی ہوگئی تھی۔ اختری پر رہ رہ کے غصہ آتا تھا باپ کی بیماری کا الزام اختری کے سر تھوپا جاتا تھا۔ اصلی حال معلوم نہ تھا، نادری دم بخود تھی باپ کو گھڑی گھڑی جا کے دیکھ آتی تھی اور اپنے کمرہ میں چپکی بیٹھی دعائیں مانگ رہی تھی۔ جعفری کو سوائے بک بک جھک جھک رونا پیٹنا چلانا باپ کے کمرے میں گھسی جاتی ہے پھر چونکایا چاہتی ہے۔ نرس نے روکا تو اُس سے لڑنے لگی آخر اس نے بہت ڈانٹا۔ چلے جانے کی دھمکی دی۔ صاف منھ پر کہدیا اگر تم لوگ اپنی بیوقوفی سے علاج نہ کرنے دو گی یہ نواب مرجائیگا۔

جعفری۔ خدا نہ کرے تمہارے منہ مین خاک، وہ تو کہئے ولائتی نرس اُردو زبان جانتی نہ تھی ورنہ بی جعفری کو بدزبانی کی سزا مِلجاتی، وہ یہ سمجھی بیمار باپ کے لئے بڑی بیٹی دعا مانگتی ہے"

آخر ڈاکٹر صاحب سے شکایت کی نوبت آئی، ڈاکٹر صاحب نے بہت سمجھایا کہ علاج ہونے دو تم لوگ علاج مین دخل نہ دو ورنہ افسوس ہوگا۔ آخر جعفری کو نوکر دن چاکر دن نے سمجھا بجھا کے خاموش کیا، قاعدہ سے علاج ہونے لگا۔ سچ ہے نادان کی دوستی جی کا زیان، جعفری باپ کی عاشق تھی اُسنے جو کچھ کیا باپ کی محبت سے کیا اگرچہ جس بداخلاقی سے اُسنے اختری کو نکالا تھا وہ کسی طرح قابل عفو نہ تھا مگر اختری بجائے خود نادم تھی اُسکو بھی خورشید مرزا سے محبت تھی۔ تیمارداری کا اُسکو اچھا سلیقہ تھا اگر وہ گھر مین موجود ہوتی خورشید مرزا کے علاج اور تیمارداری مین بڑی مدد ملتی مگر اُسکا کوئی نام نہ لے سکتا تھا، ادہر وہ خورشید مرزا کے دیکھنے کو تڑپتی تھی، مگر دیکھنا کیسا کئی دن ہوگئے کسی نے حال تک نہ کہا۔ کہتا کون، بی جعفری سب پر حاکم تھین اُن کے مارے کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔

خورشید مرزا کو چار دن کے بعد کسی قدر ہوش آیا سرسام سے خدا نے نجات دی بخار بھی کم ہوا مگر انتہا کا ضعف تھا۔ ڈاکٹر کا حکم ہے سوا نرس کے کوئی بیمار کے پاس نہ جانے پائے ایسا کوئی حال نہ کہا جائے جس سے دل و دماغ کو صدمہ پہونچے بلکہ کوئی بات نہ کرے نہ اچھی نہ بُری سکون و آرام کی ضرورت ہے نہین تو بیماری کے پلٹ جانے کا خوف ہے اگر اب بخار زیادہ ہوا فوراً سرسامی حالت پھر ہوجائے گی اور اب کی جانبری مشکل سے ہوگی۔ خورشید مرزا کے ایک قدیم دوست ڈاکٹر عنایت علی بیماری کا حال سُن کے دیکھنے آئے اُنھون نے دوا کے بنانے اور پلوانے کا اہتمام اپنے ذمہ لے لیا، لڑکیون کو بیچ پردہ بُلا کے بڑے ڈاکٹر کا حکم سمجھا دیا اور اپنی رائے بھی ظاہر کی دیکھو خدا کے واسطے کسی قسم کا شور و غل گھر مین نہ ہونے پائے۔

جعفری۔ یہ تو بڑی مشکل ہے کہ ہم اپنے باپ کو ایک ولائتی میم کے ہاتھون مین چھوڑ دین خدا جانے اُن کو ضرورت ہو پیاسے ہون بھوکے ہون۔ دوسرے غیر مذہب ایسے وقت مین کیسی ہو۔

ڈاکٹر عنایت علی۔ آپ اپنی محبت کو ذرا ضبط کیجئے خدا نہ کرے اُن کی وہ حالت اب نہین ہے جس سے ایسا خیال ہو جو آپنے ظاہر کیا ہے۔ مین بھی تو مسلمان ہون۔ لیکن دوستی اور محبت عقل کے ساتھ ہونا چاہیے جو کچھ بیمار کے حق مین حکیم کی رائے ہے اُس کی تعمیل دوستی ہے۔

جعفری کے خیالات دُور دراز تھے اُن کا منشا یہ تھا کہ اس حالت مین میرا پاس رہنا ضروری ہے دلی منشا غیر لوگون کے سامنے زبان سے ادا نہ ہوسکتا تھا۔ وصیت آخری مین دھیان لگا ہوا تھا ایسا نہ ہو مجھے خبر نہ ہو ابا جان اس حالت مین کوئی وصیت لکھدین اختری کے نام ثلث جائداد منتقل کردین

تو زندگی مین بھی اختری نے خوب لوٹ لوٹ کے کھایا اور مرنے کے بعد بھی بھائی کی حصہ دار بنکے بیٹھین گی۔ یہ ہم نہین کہتے کہ جعفری کو باپ کی محبت نہ تھی وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ اس علالت کی حالت مین وہ باپ کی خدمت کرکے ثواب حاصل کرے مگر اسی کے ساتھ ہی وصیت نامہ اور ثلث جائداد کے نکل جانے کا اندیشہ لگا ہوا تھا، ڈاکٹر عنایت علی کے دفعتہً آجانے اور آپ ہی آپ تیمارداری کا اہتمام اپنے ہاتھ مین لینے سے اسکو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ عنایت علی کو اختری نے بھیجا ہے۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہوا تھا کہ اختری کے علاج کے لئے ڈاکٹر عنایت علی ہی تو آئے تھے۔ جعفری اسوقت گھر کی حاکم تھی مگر اسکو جرأت نہ ہوتی تھی کہ باپ کے ایک قدیم دوست کو روک سکے۔

خورشید مرزا اب ہوش مین تھے لیکن اُن کو گھر کے حالات سے اطلاع نہ تھی اُن کو کبھی یہ خیال ہی نہین آیا کہ اختری اب اس گھر مین نہین رہتی نواب کی طبیعت مین بدگمانی کا شائبہ نہ تھا وہ خود دل کے نیک تھے اور سب کو نیک سمجھتے تھے جب اُن کو مراد علی ایسے حلیہ سے کبھی بدگمانی نہین ہوئی یہان تک کہ وہ نوٹ، اور صندوقچہ لے کے فرار ہوگیا۔ تو اپنی بیٹی جعفری کی نسبت کب یہ خیال ہو سکتا تھا کہ میرے بیہوش ہوتے ہی اسنے اختری کو اس ذلت کے ساتھ گھر سے نکال دیا، وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ جعفری اختری سے صاف نہین ہے دلی رنجشین ہین لیکن رنجشین ایسی ہی ہین جیسی چار دیواری مین رہنے والی نیک بخت عورتون مین ہوا کرتی ہین۔ آپس مین بول چال نہین ہے، ایک دوسرے کو دیکھ کے منہ پھیر لیتا ہے یا کہین ایک کو بیٹھے کسی سے باتین کرتے دیکھا وہان دوسری نہ گئی یا اگر دوسری کسی کے پاس جا بیٹھی تو پہلی منہ بنا کے تیوری چڑھا کے اُٹھ گئی یا اگر ایک کو کسی سے زیادہ باتین کرتے ملتے جلتے دیکھا تو خود بات کرنا ملنا جلنا چھوڑ دیا، یہ تو انتہا کا کینہ بغض تھا کہ ایک پردہ نشین دوسری پردہ نشین کو دن دہاڑے ہاتھ پکڑ کے سر بازار نکال دے کبھی خورشید مرزا کو جعفری سے ایسی بیہودگی کے واقع ہونے کا خیال نہ تھا نہ ہو سکتا تھا۔ مگر رشک و حسد وہ بلا ہے کہ نوع انسانی کی پہلی ہی نسل مین ایک بھائی (قابیل) نے دوسرے بھائی (ہابیل) کو قتل کر دیا۔

خورشید مرزا بستر علالت پر پڑے ہوئے اس خیال مین ہین کہ گھر کی وہی حالت ہے جو میری علالت کے پہلے تھی اچھا ہوا کہ خورشید مرزا کو اختری کے نکال لے جانے کا حال اسوقت معلوم ہوا جب وہ اس صدمہ کے برداشت کے قابل ہوگئے تھے۔ اسوقت خورشید مرزا کا بال بال اختری کا ممنون احسان تھا۔ جس گھر سے اختری اس ذلت سے نکال دی گئی تھی وہ گھر اختری کے روپیہ سے نیلام سے چھڑایا گیا تھا وہ موضع جس سے غلہ آتا تھا جو اس گھر مین پکتا تھا جسمین سے دو روٹیاں اختری بھی کھا لیا کرتی تھی۔ اور اب وہ دو روٹیاں بھی چھین لیگئی تھین، اختری کا موضع تھا۔ ترکاری، آلو کبھی مٹر کی پھلیاں جو باغ سے آکے اس گھر مین کھانے

پہنچانے میں صرف ہوتی تھیں وہ اختری کا تھا غرض کہ جو کچھ مال دنیا اسباب خورد و نوش عیش و راحت اس گھر میں مہیا تھا وہ اختری کی بدولت تھا جس سے اختری اس بد خلقی کے ساتھ محروم کی گئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ جعفری کو یہ حالات معلوم نہ تھے مگر اسکو یہ ضرور معلوم تھا کہ باپ کو اختری سے محبت ہے وہ باپ کی نسبت پالک سمجھی جاتی ہے۔ باپ کسی حرم کی یا پہلی منکوحہ کی لڑکی ہو، اگر خدانخواستہ باپ کی آنکھ بند ہو جاتی ہے جعفری کو لازم تھا کہ اختری کو اپنی بہن سمجھتی، جعفری اختری کو بنگال کے حق اخلاقی گناہ کی مرتکب ہوئی اور اس کی پاداش کی مستوجب تھی، وہ باپ کی بھی گناہگار تھی اور خدا کی بھی اس لئے کہ اخلاق خدائی قانون ہے۔ اس مستحکم قانون کی خلاف ورزی کرکے کوئی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اس قادر مطلق نے اپنے ہر قانون کے ساتھ خواہ وہ جسمانی ہو خواہ روحانی اس کی خلاف ورزی کے عذاب کو لازم ملزوم کر دیا ہے مثلاً دن بھر کام کرنے کے بعد رات کو چند ساعت آرام لینا بدنی قانون ہے اگر کوئی اس قانون کو توڑنا چاہے اول تو یہ انسان کے امکان سے خارج ہے سولی پر بھی نیند آجاتی ہے اگر بمشکل جاگتا رہے کوئی کام نہ کر سکے گا نیند کا خمار اور کسلمندی اس کو سوا مزا چکھا دیگی۔

احسان فراموشی اخلاقی گناہ ہے۔ اگر اس کا مرتکب ہوگا نظام معاشرت کے افراد کی نظروں میں ذلیل ہو جائیگا، کہیں دست قدرت سے مجرم کو سزا ملتی ہے کبھی خلق خدا کے ذمہ یہ ناگوار خدمت سپرد ہوتی ہے چاہئے کوئی مجرم صاف چھوٹ جائے کوئی بچ نکل جائے محال کیا ہے۔ تھوڑی دیر تک انتقام سے جعفری کو لطف آیا وہ بھی اسوقت جبکہ باپ بے ہوش بظاہر مردہ تھے، خود غیظ و غضب سے تمام بدن لرز رہا تھا ایک مظلوم پردہ نشین کا ہاتھ پکڑکے دروازہ کے باہر کر دینے میں جو کچھ لذت ملی ہو، مگر کیا یہ لذت اس لذت کے برابر ہے جو واقعی مجرم جان کے دشمن کو بخش دینے میں ملتی ہے یہ لذت اختری کے نصیب میں تھی۔

خلیفہ ہارون رشید کہا کرتا تھا کہ اگر مجرموں کو معلوم ہو کہ مجھکو عفو میں کیا لذت ملتی ہے اور مجھے اس لذت کی کس قدر حرص ہے تو تعجب نہیں ارتکاب جرائم کی جرأتیں بہت بڑھ جائیں۔

باب ۲۲
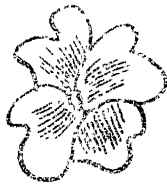
جب یہ واقعات، بوٹن کے واقعہ کے بعد، ہرمزی نے دوسرے دن شرفو کے مکان پر جو اس مکان کے پچھواڑے تھا آدمی بھیجکر رحیم بخش کو بلوانا چاہا - مکان میں قفل پڑا تھا، رحیم بخش کو معلوم تھا کہ اُس کی اور شرفو کی ضرور تلاش ہوگی اس لئے یہ دونوں روپوش ہوگئے - مراد علی کی فراری جیسے بعض حالات خود ہرمزی کی نظر سے گذرے تھے مگر اُسکو گمان غالب تھا کہ نواب مرزا اُس کے تعاقب میں گئے ہیں، خورشید مرزا کی سخت علالت اور اُسی سلسلہ میں اختری کا نکالا جانا یہ سب واقعات ایسے نہ تھے کہ خاموشی اختیار کی جاتی، اور حتی الامکان کوشش نہ کی جاتی - ہرمزی نے حکیم جعفر علی کو آگرے کے ایک ہوٹل کے پتہ سے جسکا نام اسکو کسی طرح یاد تھا تار دے دیا تھا اُسکو خیال تھا کہ یہ تار عجب نہیں حکیم صاحب کو ملجائے، واپسی کے وقت یہ تار گوالیر میں حکیم صاحب کو ملا مضمون یہ تھا "لکھنؤ میں آپ کی سخت ضرورت ہے" حکیم صاحب نے واپسی میں بڑی جلدی کی آخر ہفتہ کے دن سر شام حکیم صاحب لکھنؤ میں داخل ہوئے، رات کی رات گھر میں آرام کیا نماز صبح کے بعد خورشید مرزا کے مکان پر گئے -

حکیم صاحب کو ہرمزی کے تار سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ کوئی جدید واقعہ لکھنؤ میں ہوا ہے - خورشید مرزا کے مکان پر نوکر چاکروں کو مراد علی کے فرار ہوجانے کی اطلاع ہوگئی تھی، یہ لوگ نواب صاحب کی علالت میں اختری کے نکالے جانے اور جعفری بیگم کے حاکم بن کے بیٹھنے سے سخت ناخوش تھے - وہ جعفری کی طرح بیوقوف نہ تھے، اختری کی دولت مندی اور نواب صاحب کا اُس کے روپیہ کو لینا اگرچہ تفصیل وار نہ جانتے تھے مگر کچھ نہ کچھ سمجھے ہوئے تھے - جعفری کی آنکھوں پر حسد نے پردے ڈال دئے تھے وہ اس گھر میں اپنے سے زیادہ حکومت کا مستحق کسی کو سمجھتی ہی نہ تھی - اختری کے ساتھ جو اُسنے سلوک کیا تھا اُس کا سب کو رنج تھا، اُن کی آنکھیں کسی ایسے شخص کو ڈھونڈھ رہی تھیں جو بڑی صاحبزادی پر دباؤ ڈالے جب اختری بیگم کو کھڑے کھڑے نکال دیا جن کو نواب صاحب لڑکیوں سے زیادہ چاہتے تھے تو ہمکو نکال دیتے کتنی دیر لگتی ہے حکیم صاحب کیا آئے گویا سب کی مراد آئی، سب سے زیادہ نادری کو خوشی ہوئی جو جعفری بیگم سے اس معاملہ میں جلی ہوئی تھی مگر کچھ نہ کرسکتی تھی، حکیم صاحب اُس کے منگیتر تھے، بخار ہونے ہی والا تھا، حکیم صاحب کے آنے سے نادری کا پلہ بھاری ہوگیا حکیم صاحب کے آنے کی اطلاع مدد بخش نے دروازہ پر سے پکار کے دی،

حکیم صاحب آتے ہیں! اس آواز کے سنتے ہی نازی تو ساتھ پردوں میں جا کے چھپ گئی۔ جعفری کے منہ پر ہوائیاں چھٹنے لگیں۔ خوب جانتی تھی کہ حکیم صاحب اختری کے طرفدار ہیں وہ ضرور دریافت کریں گے کہ اختری کو کیسے نکالا؟ کیوں نکالا؟

حکیم صاحب نے انگنائی میں قدم دھرتے ہی دریافت کیا، کیا اختری بیگم جاگتی ہیں (رحیمن سامنے کھڑی تھی) فوراً ہمارے آنے کی اطلاع کرو اگر سوتی ہوں تو جگا دو۔ رحیمن حکیم صاحب کا یہ حکم سن کے پہلے تو سکوت کے عالم میں تھوڑی دیر کھڑی رہی، حکیم صاحب کے دوبارہ تاکید کرنے کے بعد۔ رحیمن وہ اس گھر میں جم رہیں۔

حکیم صاحب۔ (ذرا سخت آواز سے) کیا اختری بیگم اس گھر میں نہیں ہیں تو کہاں گئیں؟

رحیمن۔ کیا کہا جائے ہم لوگ تابعدار ہیں۔ اتنا کہہ کے چپ ہو رہی۔ اگرچہ اختری کا نکالا جانا کے خلاف تھا خصوصاً رحیمن پر اختری بہت مہربان تھیں چپکے چپکے بہت کچھ دیا کرتی تھیں۔ یہ سب سہی، مگر جعفری بیگم کی شکایت کرے یہ اس کی مجال نہ تھی۔

حکیم صاحب۔ تو صاف کہو آخر کیا ہوا۔

رحیمن۔ اب کیا کر سکتی تھی۔ نواب صاحب کی بیماری میں بڑی صاحبزادی سے لڑائی ہوئی۔

حکیم صاحب۔ پھر؟ اختری بیگم خود کہیں چلی گئیں۔ اپنی خوشی سے، اور نواب صاحب نے نہیں روکا۔

رحیمن۔ نواب صاحب کے فرشتوں کو خبر نہیں۔ ان کے دشمن بیہوش پڑے تھے۔

حکیم صاحب۔ اور اس حالت میں نواب صاحب کو چھوڑ کے اختری چلی گئیں یہ مجھے نہیں یقین آسکتا۔

رحیمن۔ (اب مجبور ہو کے کہنا ہی پڑا، نوکری رہے یا جائے ایمان کی بات کیوں چھپائیں) وہ کیا آپ سے گئیں۔

حکیم صاحب۔ تو صاف کہو۔ جعفری بیگم صاحبہ نے نکال دیا۔

رحیمن نے سکوت کیا۔ حکیم صاحب کو معلوم ہو گیا کہ یہی واقعہ ہے۔

حکیم صاحب۔ جعفری بیگم صاحبہ کو ہرگز لازم نہ تھا کہ نواب صاحب کی علالت میں اختری بیگم کو گھر سے جانے دیں۔

رحیمن۔ تو کیا وہ بیچاری آپ سے گئیں رحیمن نے چپکے چپکے کل واقعہ حکیم صاحب سے کہہ دیا۔

حکیم صاحب۔ اس ظلم کے ساتھ دشمن کو بھی گھر سے نہیں نکالتے، نواب صاحب کہاں ہیں؟

اس اثنا میں جعفری بیگم بھی پردہ کے قریب آ گئیں، یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ حکیم صاحب کو واقعات

معلوم ہوگئے۔ جعفری نے دل میں کہا یہی وقت ہے اب اپنی حکمت اس گھر میں قائم رکھنا ہے تو اسوقت اس کے اظہار کا اچھا موقعہ ہے۔ جعفری بیگم گویا پورے سامان سے مورچہ بندی کے لئے تیار ہوگئیں۔

جعفری بیگم۔ ہم اپنے عالم میں آپ کے گھر کے آکے ہیں، ہمیں نکالا۔ ہائے باپ کا ہزاروں روپیہ برباد کیا بھیک مانگنے کی نوبت آگئی۔ روپیہ ایک طرف دشمنوں کی جان کے لالے پڑگئے۔ نکالتے نہ تو کیا کرتے؟

حکیم صاحب۔ آپنے بہت برا کیا۔ آپ جانتی ہیں کہ آپکے والد محتاج ہوگئے۔ بے شک یہی ہوتا، بلکہ اس سے بدتر۔ اختری کی بدولت برسوں سے آپ روٹیاں کھا رہی ہیں۔ گاؤں باغ مکان سب اختری کے روپیہ سے از سر نو خرید اگیا ہے۔ نوکر چاکر ماما ئیں سب اختری کے روپیہ سے تنخواہ پاتی ہیں۔

جعفری۔ (بات کاٹ کے) یہ سب جھوٹ!

حکیم صاحب (کو سخت غصہ آیا مگر شرم کا خیال کرکے ضبط کیا) میں ایسے الفاظ کے سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوں، جھوٹ سچ کا حال آپ کو خود نواب صاحب سے معلوم ہوگا۔ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آپکا گھر بھر خود نواب صاحب بھی اختری کے احسان مند ہیں، یہ اس کی شرافت ہے کہ اس ذلت کے ساتھ گھر سے نکالے جانے پر بھی ایک لفظ اس کی زبان سے نہ نکلا۔ یہ آپ کا ظرف تھا کہ آپنے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جو اپنا دست نگر ہو اس کے ساتھ بھی زیبا نہیں نہ کہ خود جسکا دست نگر اور سرتا سر ہوں منت ہو۔

جعفری۔ اپنی ڈھٹائی سے جھوٹ جھوٹ کہا کی۔ اب حکیم صاحب نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ جعفری کا جھوٹ جھوٹ محض بے خبری سے تھا۔ اسکا دل فوراً مان گیا۔ حکیم صاحب نوکروں کی طرف متوجہ تھے روئے سخن گویا اپنے منسوبہ کی طرف تھا، نوکر چاکر حکیم صاحب کی بات کو کسی طرح جھوٹ نہ سمجھتی تھے جو حکیم صاحب کی گفتگو سن رہا تھا اسکو یقین آتا جاتا تھا۔ اس واقعہ کے بیان ہوتے ہی نوکر ماما ئیں اصلیں آج سے اپنے کو اختری کا نوکر سمجھنے لگیں۔

حکیم صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ اس گھر کو ایسی نیک صاحبزادی رئیس زادی سے پالا پڑا ہے جسکی فیاضی کے آگے قارون کے خزانہ کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اگر کوئی اور ہو اور بھی حساب فہمی کی طرف متوجہ ہوجائے اور دنیا کو پیچ اور صحیح حالات کا پتہ چل جائے تو شاید لوگ منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ مگر اختری کی ریاست میں کوئی شبہ نہیں شاید اس کی بہت زبانی شکر گذاری کی بھی پرواہ نہ کرے۔

جعفری بیگم۔ اب بھی جھوٹ جھوٹ کہے جاتی ہے بس اسکو یہی ایک لفظ یاد ہے اور اسکی رٹ لگا دی ہے

حکیم صاحب۔ میں نے بہت برداشت کی۔ میں ہرگز آپکی نسبت اس لفظ کا سننا پسند نہیں کرتا، بہتر ہے کہ آپ سکوت کریں۔ کسی کے جھوٹ کہدینے سے کوئی سچا جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ آپ یقین لائیں یا نہ لائیں

آپکو اپنا اختیار ہے - مگر مجھکو یقین ہے کہ یہی زبان جس سے آپ جھوٹ جھوٹ کہہ رہی ہین اسی زبان سے آپکو سچ سچ کہنا پڑیگا - اور اگر اس لفظ کے زبان پر نہ لانے کی آپ قسم کھالینگی تو آپ کا دل خود آپ کو جھوٹا بنا دیگا - اب مین نواب صاحب کے پاس جاتا ہون -

رحیمن - ڈاکٹر کی مناہی ہے - کوئی جانے نہین پاتا اور میم صاحب بھی منع کرتی ہین -

حکیم صاحب - تو کیا کوئی ولایتی نرس تیمارداری پر مقرر ہے یہ بہت خوب ہوا -

رحیمن - حکیمون کے جانے کی مناہی نہین ہے -

اسکے بعد حکیم صاحب بیمار کے کمرے کے پاس گئے نرس سے اخلاقاً اجازت لی، نرس حکیم صاحب کے پیشۂ طبابت کے لحاظ سے بالکل متعرض نہ ہوئی، بلکہ یہ کہا -

اب نواب صاحب اچھا ہے - زیادہ احتیاط کی ضرورت نہین ہے -

حکیم صاحب - مسکرا کے یہ مین خود بھی دیکھ سکونگا -

نرس - معافی مانگ کے خود علحدہ ہوگئی -

نواب خورشید مرزا اور حکیم جعفر علی کی دو دو باتین

حکیم جعفر علی جب خورشید مرزا کے کمرے مین داخل ہوئے تو جعفری بھی پیچھے پیچھے چلی گئی، سنون کیا باتین ہوتی ہین - نرس یہ سمجھی تھی کہ یہ حکیم ہین بیمار کو دیکھ کے شاید کچھ حالات مریض کے متعلق دریافت کرین، مجھکو کچھ ہدایتین کرین اس لئے میرا فرض ہے کہ مین بیمار کے پاس حاضر رہون، جب تک مرض کے باب مین گفتگو ہوا کی نرس حاضر رہی جب اُسکو معلوم ہوا کہ اب پرائیویٹ یعنی بیچ کی باتین ہین فوراً کمرے کے باہر چلی گئی، یہان اُسنے جعفری بیگم کو بیٹھے دیکھا اور سمجھ لیا کہ یہ استراق سماعت (یعنی کسی کی راز کی باتین چھپ کے سننے) کے لئے بیٹھی ہین اُس نے ناک بھون چڑھائی سخت نفرت کی نظر سے جعفری کو دیکھا، مگر جعفری ایسی اخلاقی باریکیان کب سمجھتی تھین -

خورشید مرزا ایک ڈھیلا کرتا پہنے سر سے ناخن تک چادر اوڑھے آرام کرسی پر بیٹھے ہین، حکیم صاحب کو دیکھتے ہی اولاً تعظیم کے لئے اُٹھنے کا قصد کیا حکیم صاحب نے اپنے سر کی قسم دے کے اُٹھنے سے روکا خود ایک کرسی پر جو سامنے رکھی تھی جلدی سے بیٹھ گئے -

خورشید مرزا - حکیم صاحب آج مہینون کے بعد آپ کو دیکھا - خدا جانے آپ کہان تشریف لے گئے تھے مجھپر عجیب حادثے گذر گئے، آپ کو خبر تک نہ ہوئی -

حکیم صاحب - ہان بعض حالات مجھکو معلوم ہوئے (ابھی تک آپنا تعلق اختری کے معاملات سے ظاہر نہین

کیا، مگر آپ تو بہت نقیح ہو گئی ہین۔ نبض دیکھون۔

خورشید مرزا۔ نبض دکھا کے، آپ بہت اچھا دیکھتے ہین عمر دوبارہ ہوئی۔

حکیم صاحب۔ مگر اب ماشاء اللہ نبض مین حرارت مطلق نہین ہے۔ ضعف بے حد ہے۔ مقویات کے استعمال سے بہت جلد طاقت عود کر آئے گی، اگرچہ مجھکو افسوس ہے کہ مین ضرورت کے وقت کیون نہ موجود ہوا مگر مین بھی آپ ہی کے کام سے گیا تھا۔ اور خدا کے فضل سے پوری کامیابی ہوئی۔ یہ چیچک کا واقعہ بالکل بے اصل ثابت ہوا۔

خورشید مرزا۔ الحمد للہ، مگر وہ مردود فرار ہو گیا۔ جواہرات کا صندوقچہ نوٹ تک چک سب غائب ہے۔

حکیم صاحب۔ خیر اُس کا تعاقب ہو رہا ہے کہان جانے پائیگا۔ آپ خاطر جمع رکھئے۔ اسکے بعد نواب مرزا صاحب کی صفت بیان کی، اپنی کل کارگذاری کو بھی نواب مرزا کی ذات سے منسوب کیا، یہ وہی بات ہے اختری بیگم کی خوش قسمتی ہے، مرشے از غیب برون آید و کارے بکند۔ اگر وہ نہ ہوتے تو مجھ سے کیا ہوتا تھا کس قدر صاحب ہمت جوان ہے۔

خورشید مرزا۔ ہان ایسے بھی خدا کے نیک بندے ہوتے ہین، ایک ہم ہین کہ ہم نے اپنی حماقتون سے سب مٹا کے رکھدیا۔

حکیم صاحب۔ یہ آپ ہی کی نیک نیتی کا نتیجہ ہے کہ بغیر آپ کی درخواست کے ایسا کارگذار شخص آپ کا کام کر رہا ہے جسکی آپ کو خبر بھی نہین۔

خورشید مرزا۔ یہ سب آپ کی کوششون کا نتیجہ ہے اور آپ نے کب مجھ سے کہہ کے کام کیا، خدا نے آپکے دل مین نیکی ڈال دی، ورنہ کون کس کے لئے محنت گوارا کرتا ہے۔ آپ کا یہ سفر کچھ کم تھا۔

حکیم صاحب۔ اختری کو پہلے ہی مراد علی سے غبن کا اندیشہ تھا، آپ بوجہ اپنی جبلی اخلاق کے اُس سے بدگمان نہین ہوئے ورنہ وہ کسی وقت اور کسی حالت مین قابل اعتماد نہ تھا۔ اختری کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ آپ کو فریب دے رہا ہے مگر اُسنے آپ کے لحاظ سے آپ سے کچھ نہین کہا لیکن نواب مرزا کو اور مجھکو اِس کام پر معین کیا۔

خورشید مرزا۔ کیا کہون مین اختری سے کسقدر شرمندہ ہون آنکھ چار کرنے کو جی نہین چاہتا، اسکا پیش مین پہلے ہی سے آپ کو ہر کام مین شریک رکھتا۔ مگر خیر اب تو جو ہوا وہ ہوا۔ تلافی مافات امکان سے خارج ہے۔

حکیم صاحب۔ (دل مین یہ شرمندگی بیجا نہین ہے اُس غریب کو تو آپنے بھولے پن سے جسکو حماقت بھی

کہتے ہیں ڈھونڈھ رہا ہوتا) تلافی مافات بے شک امکان سے خارج ہے۔

خورشید مرزا۔ اگر اختری کو مجھ سے نفرت ہو گئی ہو تو یہ میری سزا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علالت کے زمانے میں وہ میرے قریب تک نہیں آئی۔ مزاج پرسی تک نہیں کی، واقعی میں اسی قابل ہوں۔

حکیم صاحب۔ کیا واقعی آپ کو اختری کی نسبت ایسی بدگمانی ہے کہ وہ اس مکان میں ہوتی اور آپ کے دیکھنے کو نہ آتی۔

خورشید مرزا۔ یہ آپ نے کیا کہا "اس مکان میں ہوتی"، اس کے بعد بڑی حیرت سے باواز بلند۔ تو کیا اختری اس مکان میں نہیں ہے؟ کہاں گئی؟ کیا ہوا؟

حکیم صاحب۔ وہ جہاں کہیں ہے محفوظ ہے خاطر جمع رکھیے۔

خورشید مرزا۔ مگر میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر تھوڑی دیر سکوت کر کے دل میں کچھ سمجھ کے، اختری نے میری ولایت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ہاں میری ناعاقبت اندیشی کا یہی انجام ہونا تھا۔

حکیم صاحب۔ وہ جو کچھ ہوا ہو گیا یہ یاد رکھیے کہ اختری اس مکان سے بالکل بے بس اور مجبور ہو کے گئی، اس لئے کہ جس دن آپ علیل ہوئے تھے جعفری بیگم صاحبہ کی مصلحت اس کی مقتضی ہوئی کہ وہ اختری کو آپ کے مکان سے نکال دیں اور وہ جائے اس کے قابو پہ چڑھی ہو۔ اب آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اختری کا کیا بس تھا۔ یہاں تک سنا گیا ہے کہ اتنی دیر مہلت نہ دی کہ وہ ڈولی منگا لے۔

خورشید مرزا۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں یعنی ایک پردہ نشین کم سن لڑکی دن دہاڑے سر بازار نکال دی گئی۔

حکیم صاحب۔ قابل حیرت ہے مگر یقیناً یہی ہوا جو میں عرض کرتا ہوں۔

خورشید مرزا۔ غصہ کے مارے کانپ رہے تھے۔ یہ جعفری کی کارستانی ہے۔ نادری نے بھی کوئی مدد نہ کی مجھے نادری سے تعجب ہے۔

حکیم صاحب۔ (اپنی منسوبہ کا نام شرم سے باپ کے سامنے نہ لے سکے) جعفری بیگم صاحب بزرگ خاندان بن کے پوری قابض ہو گئی تھیں کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

خورشید مرزا۔ یہ جبر یہ ظلم۔ حکیم صاحب یاد رکھیے میں زندگی بھر جعفری سے صاف نہ ہوں گا۔ اس نے مجھ کو روحانی صدمہ پہنچایا۔ اچھا اب یہ بھی بتائیے کہ وہ غریب اس بے سروسامانی سے آخر گئی کہاں؟

حکیم صاحب۔ سنا گیا ہے کہ باہر لوگوں کا تماشہ بنکر رہ گئی، سر سے پاؤں تک ایک چادر اوڑھ کے زینب بیگم کے مکان پر چلی گئی۔ اور اب تک وہیں ہے۔

خورشید مرزا۔ یہ سن کے مطمئن ہوا۔ اتفاق کہ زینب بیگم کا مکان قریب تھا ورنہ خدا جانے کہاں ٹھوکریں

کھاتی پھرتی۔ حکیم صاحب انصافاً کہئے ان کم بختون کو معلوم ہو کہ مین اختری کو مثل بیٹیون کے سمجھتا ہون اگر کسی نیک بخت سے عقد کرون جیسا کہ اکثر احباب نے مجھکو مشورہ دیا اور میری آنکھ بند ہو جائے تو یہ لڑکیان اگر ٹکڑے ٹکڑے اُسکو سنبھال دین، واہ کیا شہر کے لوگ کہین گے خورشید مرزا کی منکوحہ بازار مین بھیک مانگتی پھرتی ہے۔

حکیم صاحب۔ آثار تو ایسے ہی ہین، مجھکو اختری کی بے غرتی کا اُتنا ہی صدمہ ہے جس طرح اپنی حقیقی بہن کی ذلت سے ہوتا۔

خورشید مرزا۔ ہر شریف کو ایسا ہی خیال چاہئے، مگر ان کمبختون کی غیرت کو کیا ہوا۔

حکیم صاحب۔ زینب بیگم کا مکان بہت ہی مختصر ہے مگر جہان تک اُن غریبون سے ہو سکا اُنھون نے اختری کو تکلیف نہین ہونے دی۔

خورشید مرزا۔ اُن کی شرافت اور نیک بختی مین کوئی شک نہین ہے۔ مگر وہ مکان بہت ہی تنگ تاریک ہے۔ وائے قسمت نواب خورشید بیگم کی اکلوتی نازون کی پلی لڑکی کی سکونت کے لئے ایسا مکان، اور ہم اس محل مین آرام سے بیٹھے ہون جو اُسی کے روپیہ سے خریدا گیا ہے۔

جعفری بیگم چپکی بیٹھی سُن رہی ہین اور شربت کے گھونٹ کی طرح حلق سے اُتار رہی ہین۔ اب تو شاید جعفری بیگم صاحبہ کو جھوٹ کہنے کی جرأت نہ ہو جب اپنے باداجان کی زبان سے اختری کی قدرت کا حال سُن لیا۔ اب اگر جرأت ہو تو اپنے باپ کو جھوٹا بنائین یہ بھی اُن کی سعادت مندی سے بعید نہین، خدا ایسی ہی جھوٹی بلا ہے۔

خورشید مرزا بہت برہم تھے۔ کئی مرتبہ سخت الفاظ جعفری کے باب مین زبان پر لائے جو کبھی خورشید مرزا ایسے بُردبار نیک طبیعت آدمی کی زبان سے کبھی کسی نے نہین سُنے تھے۔ تھوڑی دیر تک یہی حالت غیظ و غضب طاری رہی پھر حکیم صاحب سے مخاطب ہو کے۔ حکیم صاحب مجھے ایکدم کے لئے اختری کا اس مکان سے علیحدہ رہنا گوارا نہین ہے۔ آپ فوراً سوار کرلائیے۔ مین خود اُس سے عذر خواہی کرونگا۔

حکیم صاحب۔ مین آپکے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہون، ابھی جاتا ہون مگر۔ . . . .

خورشید مرزا۔ مگر اس گھر مین واپس لانے کی رائے نہین ہے۔

حکیم صاحب۔ جی ہان میری عقل ناقص مین تو یہی آتا ہے کہ اس باب مین اختری کی خوشی کو مقدم رکھا جائے اسکے بعد مرادعلی کے مقدمہ مین جو آپ کی ہدایت ہوگی اُسپر عمل کیا جائیگا۔

خورشید مرزا۔ مجھے اپنی رائے پر اب کچھ اعتماد نہین رہا اب آپ اپنی رائے سے کام کیجئے جسقدر روپیہ کی ضرورت ہو لے لیجئے ——— میرا اختری سے دیکھنے کو جی چاہتا ہے اُس سے عذرت ضرور ہے۔ اسکے سوا

کہتے ہیں ڈوبہی دیا ہوتا) تلافی مافات بے شک امکان سے خارج ہے۔

خورشید مرزا- اگر اختری کو مجھ سے نفرت ہو گئی ہو تو یہ میری سزا ہے- یہی وجہ ہے کہ اس علالت کے زمانے میں وہ میرے قریب تک نہیں آئی- مزاج پرسی تک نہیں کی، واقعی میں اسی قابل ہوں-

حکیم صاحب- کیا واقعی آپ کو اختری کی نسبت ایسی بدگمانی ہے کہ وہ اس مکان میں ہوتی اور آپ کے دیکھنے کو نہ آتی-

خورشید مرزا- یہ آپ نے کیا کہا "اس مکان میں ہوتی" اس کے بعد بڑی حیرت سے باواز بلند- تو کیا اختری اس مکان میں نہیں ہے؟ کہاں گئی؟ کیا ہوا؟

حکیم صاحب- وہ جہاں کہیں ہے محفوظ ہے خاطر جمع رکھئے-

خورشید مرزا- مگر میری سمجھ میں نہیں آتا- پھر تھوڑی دیر سکوت کر کے دل میں کچھ سمجھ کے، اختری نے میری علالت سے خوب فائدہ اٹھایا- ہاں میری ناعاقبت اندیشی کا یہی انجام ہونا تھا-

حکیم صاحب- وہ جو کچھ ہوا ہو مگر یہ یاد رکھیے کہ اختری اس مکان سے بالکل بے بس اور مجبور ہو کے گئی، اس لئے کہ جس دن آپ علیل ہوئے تھے جعفری بیگم صاحبہ کی مصلحت اس کی مقتضی ہوئی کہ وہ اختری کو آپ کے مکان سے نکال دیں اور [illegible] اب آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اختری کا کیا بس تھا- یہاں تک سنا گیا ہے کہ اتنی دیر مہلت نہ دی کہ ڈولی منگا لے-

خورشید مرزا- یہ آپ کیا فرماتے ہیں یعنی ایک پردہ نشین کمسن لڑکی دن دہاڑے سر بازار نکال دی گئی-

حکیم صاحب- قابل حیرت ہے مگر بعینہ یہی ہوا جو میں عرض کرتا ہوں-

خورشید مرزا- غصہ کے مارے کانپ رہے تھے- یہ جعفری کی کارستانی ہے- نادری نے بھی کوئی مدد نہ کی مجھے نادری سے تعجب ہے-

حکیم صاحب- (اپنی ہنسی کا نام شرم سے باپ کے سامنے نہ لے سکے) جعفری بیگم صاحب بزرگ خاندان بن کے پوری قابض ہو گئی تھیں کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی-

خورشید مرزا- یہ جبر یہ ظلم حکیم صاحب یاد رکھیے میں زندگی بھر جعفری سے صاف نہ ہونگا- اس نے مجھکو روحانی صدمہ پہنچایا- اچھا اب یہ بھی بتائیے کہ وہ غریب اس بے سر و سامانی سے آخر گئی کہاں؟

حکیم صاحب- سنا گیا ہے کہ باہر نوکروں کا مجمع ہو گیا سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کے زینب بیگم کے مکان پر چلی گئی- اور ابتک وہیں ہے-

خورشید مرزا- یہ تو اچھا ہوا- اتفاق سے زینب بیگم کا مکان قریب تھا ورنہ خدا جانے کہاں ٹھوکریں

کھاتی پھرتی۔ حکیم صاحب انصافاً کہئے ان کم بختون کو معلوم ہو کہ مین اختری کو مثل بیٹیون کے سمجھتا ہون اگر کسی نیک بخت سے عقد کرلون جیساکہ اکثر احباب نے مجھکو مشورہ دیا اور میری آنکھ بند ہوجائے تو یہ لڑکیان آخر ٹکڑے اُسکو نکال دین، واہ کیا شہر کے لوگ کہین گے خورشید مرزا کی منکوحہ بازارین بھیک مانگتی پھرتی ہے۔

حکیم صاحب۔ آثار تو ایسے ہی ہین، مجھکو اختری کی بے غرتی کا اُتنا ہی صدمہ ہے جس طرح اپنی حقیقی بہن کی ذلت سے ہوتا۔

خورشید مرزا۔ ہر شریف کو ایسا ہی خیال چاہئے، مگر ان کمبختون کی غیرت کو کیا ہوا۔

حکیم صاحب۔ زینب بیگم کا مکان بہت ہی مختصر ہے مگر جہانتک اُن غریبون سے ہوسکا اُنھون نے اختری کو تکلیف نہین ہونے دی۔

خورشید مرزا۔ اُن کی شرافت اور نیک بختی مین کوئی شک نہین ہے۔ مگر وہ مکان بہت ہی تنگ تاریک ہے۔ وائے قسمت نواب خورشید بیگم کی اکلوتی نازون کی پلی لڑکی کی سکونت کے لئے ایسا مکان، اور ہم اس محل مین آرام سے بیٹھے ہون جو اسی کے روپیہ سے خریدا گیا ہے۔

جعفری بیگم چپکی بیٹھی سن رہی ہین اور شربت کے گھونٹ کی طرح حلق سے اُتار رہی ہین۔ اب تو شاید جعفری بیگم صاحبہ کو جھوٹ کہنے کی جرأت نہ ہو جب آپنے بابا جان کی زبان سے اختری کی قدرت کا حال سُن لیا۔ اب اگر جرأت ہو تو اپنے باپ کو جھوٹا بنائین یہی الوکی ۔۔۔۔ سعادت مندی سے بعید نہین، حسد ایسی ہی بُری بلا ہے۔

خورشید مرزا بہت برہم تھے۔ کئی مرتبہ سخت الفاظ جعفری کے باب مین زبان پر لائے جو کبھی خورشید مرزا ایسے بُردبار نیک طبیعت آدمی کی زبان سے کبھی کسی نے نہین سُنے تھے۔ تھوڑی دیر تک یہی حالت غیظ و غضب طاری رہی پھر حکیم صاحب سے مخاطب ہوکے۔ حکیم صاحب مجھے ایکدم کے لئے اختری کا اس مکان سے علیحدہ رہنا گوارا نہین ہے۔ آپ ذرا سوار کرلائے۔ مین خود اُسکی ۔۔۔ عذرت کرونگا۔

حکیم صاحب۔ مین آپکے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہون ابھی جاتا ہون مگر۔۔۔۔۔

خورشید مرزا۔ مگر اسی گھر مین واپس لانے کی رائے نہین ہے۔

حکیم صاحب۔ جی ہان میری عقل ناقص مین تو یہی آتا ہے کہ اس باب مین اختری کی خوشی کو مقدم رکھا جائے اس کے بعد مرزا علی کے مقدمہ مین جو آپ کی ہدایت ہوگی اُسپر عمل کیا جائیگا۔

خورشید مرزا۔ مجھے اپنی رائے پر اب کچھ اعتماد نہین رہا آپ اپنی رائے سے کام کیجئے جسقدر روپیہ کی ضرورت ہو لیجئے ۔۔۔۔ میرا اختری کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے اُس سے معذرت ضرور ہے۔ اچھے ہوا

مجھے کسی بات کی پروا نہیں رہی ہے۔

حکیم صاحب۔ مناسب ہے میں اختری کے پاس جاتا ہوں۔ اجازت ہے۔

خورشید مرزا۔ بہتر ہے۔

جعفری نے جو سنا کہ حکیم صاحب آتے ہیں فوراً جلد جلد قدم بڑھا کے اپنے کمرے میں آ بیٹھی۔ حکیم صاحب کو بھی پاؤں کی آہٹ سے معلوم ہو گیا کہ خورشید مرزا کی اور میری باتیں کوئی کان لگائے سن رہا تھا مگر حکیم صاحب نے اب جعفری سے ہمکلام ہونا مناسب جانا۔ حکیم صاحب سیدھے زینب بیگم کے مکان پر گئے۔

یہ ہم ناظرین سے کہنا بھول گئے تھے کہ حکیم صاحب کو جب اختری کا اس مکان میں آنا معلوم ہوا تھا تو خورشید مرزا صاحب سے ملنے کے پہلے وہ یہاں ہو کے گئے تھے۔ اب دوسری مرتبہ خورشید مرزا کا پیام لے کے جاتے ہیں۔ اختری کو اس وقت خورشید مرزا کی حالت معلوم ہوئی۔ مزاج کے رو بصحت ہونے سے بہت اطمینان ہوا یہاں بہت دیر تک باتیں ہوئیں۔ رحیم بخش، شرفو، بوٹن، یہ سب کے حالات بیان کئے گئے اگرچہ جعفری کا ریل پر جانا چھپایا گیا مگر حکیم صاحب کچھ سمجھ گئے مگر خود حکیم صاحب نے بھی اس واقعہ کے صاف صاف بیان ہونے پر زور نہیں دیا۔ اس لئے کہ انہیں جعفری اور زینب بیگم کی کسی قدر شرم ہوتی تھی۔ ختم کلام اس طرح ہوا کہ مراد علی اور بوٹن کو گاڑی میں بیٹھے دیکھنے والے نے بچشم خود دیکھا نواب مرزا گاڑی کے پاس سے ہٹا دئے گئے مگر وہ گارڈ کے پیچھے پیچھے چلے گئے تھے پھر پلٹ کے نہیں آئے۔ غالباً ساتھ ہی گئے۔ حکیم صاحب نے بھی کہا یقیناً ساتھ گئے۔ مگر وہ عجب نہیں بمبئی یا کراچی میں ہوں لیکن یہ نہیں معلوم کہاں ہیں، میں فوراً روانہ ہونے کو تیار ہوں، مگر یہ معلوم ہو جاتا کہ مجھے اب کراچی جانا چاہئے یا بمبئی۔ نواب مرزا نے اپنے گھر پر اطلاع دی ہوگی اب رات کے نو بجے ہیں کل انشاء اللہ پتا لگاؤں گا۔ اس کے بعد اختری کے جانے کے باب میں مشورہ رہا۔ خورشید مرزا لے جاتے ہیں۔

اختری۔ مجھے کوئی عذر نہیں ہے اس لئے کہ انہیں اماں جان کا کیا قصور ہے اور میں تو کہتی ہوں کسی کا بھی قصور نہیں ہے جعفری بیگم اپنے خیال کے موافق اپنے باپ کی خیرخواہی کی، کیا برائی کی۔

زینب بیگم۔ خاک خیرخواہی کی۔ ہمنے مانا خیرخواہی کی مگر اس طرح گھر سے مجبور کر کے نکالنے کو کیا کہا جائے۔

حکیم صاحب۔ درست ہے اور یہ بھی خیال فرمائے کہ باپ نے جسکو پرورش کیا ہے اپنے گھر میں لا کے رکھا ہے اسکو نکالنا باپ کی بے وقوفی سمجھا اپنی عقل پر بھروسا کر لیا اس قصور کو تو کوئی بھی عقلاً اور انصافاً معاف نہیں کر سکتا کہ ایک پردہ نشین لڑکی کو دن دہاڑے سر بازار نکال دیا جائے یہ بہت برا کیا۔

اختری ۔ مین کل ماموں جان کو دیکھنے جاؤن گی ، رات کے وقت بیمار کو نہین پوچھتے نہین تو ابھی جاتی ، میرا جی خود اُن کے دیکھنے کو تڑپ رہا ہے ۔

حکیم صاحب ۔ شرعاً تو یہ کوئی بات ہی نہین کہ بیمار کی عیادت کے لئے رات کو نہ جانا چاہئے مگر خیر بہتر ہے کل جائیگا ۔

اختری ۔ جعفری بیگم کے خلاف ہوگا ۔

حکیم صاحب ۔ جب تک خورشید مرزا بے ہوش رہی جعفری حاکم وقت تھین اب اُن کی دوپہر کی سلطنت کو زوال آگیا ۔ اسپر بڑی ہنسی ہوئی ۔ حکیم صاحب رخصت ہوئے ۔

باب ۲۳

نواب مرزا گارڈ سے اجازت لے کے پچھلی گاڑی مین سوار ہوگئے تھے ۔ آگرہ کے دوسرے اسٹیشن پر پہنچ کے اُنھون نے بمبئی کا ٹکٹ لیا ، دوسری گاڑی مین جا کے چور کی گرفتاری کے لئے چلے تھے مگر خود چور بنے ہوئے تھے ، اسی لئے کہ ان کو خوف تھا مراد علی نے جھلک دیکھ لی تو راستہ سے اُتر جائیگا پھر پتہ ملنا دشوار ہوگا ۔ اسی لئے گاڑی سے ایک دم کے لئے نہ اُترتے تھے ۔ تھرڈ کیرج تھی لیکن گاڑی بدلنے کی ضرورت نہین ہوئی کسی قسم کا سامان سفر ساتھ نہ تھا نہ بستر نہ لوٹا نہ حقہ مگر روپیہ پاس تھا راستہ مین کہین کسی مسافر سے کہین ریل کے قلی سے کچھ کھانے کو منگا لیا ، بھشتی کے تام لوٹ سے پانی پی لیا ۔ کسی کے لوٹے سے پانی پی لیا ۔ ایک مسافر کے پاس ایک دری زائد تھی اُس سے منت کر کے دری خرید لی غرضکہ سفر کے تمام ہوتے ہوتے جو سامان بہت ضروری تھا مہیا کر لیا ۔

گاڑی کی روانگی کے بعد مراد علی کے جان مین جان آئی اب یہ سنبھل کے بیٹھا ، بوٹن کو تسلی دیتا جاتا ہے بہلاتا جاتا ہے روپیہ بہت سا پاس تھا ، گاڑی رزرو تھی راستہ مین جو سودے والا ملا وہ بلایا گیا ۔ ترکاری میوہ مٹھائی کھلونے کوئی چیز ایسی نہ تھی جو بوٹن کی خاطر داری کے لئے خرید نہ کی ہو ۔ نواب مرزا یہ سب کرشمے دیکھ رہے تھے ۔ کئی مرتبہ مراد علی نواب مرزا کی گاڑی کے پاس سے نکلا ، ان کی نگاہین اُسی طرف لگی رہتی تھین جیسا اُسکو آتے دیکھا آپ کسی مسافر کی آڑ مین ہوگئے ۔ ان کی ہمراہی مسافرون مین ایک بمبئی کے

سیٹھ تھے اُن سے بہت خلا ملا بڑھا لیا جس مطلب کے لئے جاتے تھے وہ مطلب بھی بیان کر دیا کیونکہ یہاں رازداری کا کوئی محل نہ تھا۔ سیٹھ موسیٰ بھائی کو چور کی صورت بھی دکھادی، سیٹھ جی نے اپنے مکان کا پتہ دیا اپنے مکان پہ ٹھہرنے کو کہا انھون نے معذرت کی کہ مین تو اس مردود کے ساتھ ساتھ ہون جہان یہ ٹھہرے گا، وہین مین بھی ٹھہرون گا ہان ضرورت کے وقت آپکو ضرور تکلیف دون گا۔ موسیٰ بھائی نے ہر طرح مدد دینے کا وعدہ کیا، تیسرے دن گاڑی قریب شام بمبئی پہونچی۔

مرادعلی گاڑی سے اُترا لوٹن کو اُتارا اسباب قلیون نے اُتارا، اب قلیون سے دریافت کر رہے ہین یہان قریب کوئی ہوٹل ہے ہان صاحب اسٹیشن کے قریب پارسی کا ہوٹل ہے۔ یہ قلیون سے باتین کر رہے تھے اور نواب مرزا دو قدم کے فاصلہ پر مسافرون کی آڑ مین جھکے کھڑے ہین، اس طرح کہ جب چاہین اُسکا ہاتھ پکڑ لین۔

مرادعلی نے راستہ مین دریافت کر لیا تھا کہ ایک جہاز دوسرے تیسرے دن چھوٹا کرتا ہے۔ چاہتا تھا کہ فوراً اُسی جہاز کا ٹکٹ لے کے کراچی کو روانہ ہو جائے پھر وہان سے بغداد یا عدن جس طرف کا جہاز جانے والا ہوگا سوار ہو جائین گے۔

نواب مرزا قریب ہی کھڑے ہین، مگر ابھی پس و پیش کرتے ہین، لوٹن کو ساتھ دیکھ کے خیال آیا کہ یہ بدمعاش اس غریب نوجوان عورت کو کہان سے بھگا لایا ہے، اس کم بخت کی زندگی خراب کی۔ کیا کیا اُمیدین دلا کے لایا ہوگا، اب تھوڑی دیر مین اس کی تمام آرزوئین خاک مین مل جائین گی۔ ان کو یہ خیال ہوا کہ اب بھی اگر باآشتی و نرمی کام نکل آئے تو اس عورت کی خاطر سے اسکو جیل خانہ سے بچا دینا چاہیے۔ یہ بھی خیال تھا کہ اگر اسکے سامنے اسکو گرفتار کرون گا رونا پیٹنا شروع کرے گی، جہان تک ممکن ہو مرادعلی سے پہلے علٰحدہ گفتگو کر کے معاملہ کو ختم کر لینا چاہیے، تاکہ مکروہ صورت نہ پیش آئے، لوٹن کی صورت بھی اُنھون نے دیکھ لی تھی فوراً ہی اپنی لڑکی کا خیال آیا دل نے کہا یہ بھی کسی شریف کی لڑکی معلوم ہوتی ہے خدا جانے کس طرح اس موذی کے چنگل مین پھنس گئی ہے خیر اب جو ہوا ہوا اب بھی اس بدنصیب کا پردہ ڈھکا ہے تو بہتر ہے اسکی گرفتاری کے بعد اس عورت کے بارے مین تحقیقات ہوگی، باپ کو خبر کی جائے گی ناحق ایک شریف کی رسوائی ہوگی۔ مین تو کوشش کرونگا آگے اس کی تقدیر، اگر آشتی و نرمی سے کام نہ نکلے گا پھر مجبوراً سختی کرنا ہی پڑے گی۔ نواب مرزا اس شش و پنج مین کھڑے تھے، آخر مرادعلی اُسی ہوٹل کی طرف روانہ ہوا جسکا قلی نے پتہ دیا تھا۔ لوٹن اور یہ دونون گاڑی مین سوار ہوئے اسباب رکھا گیا اسی عرصہ مین نواب مرزا نے دوسری گاڑی پہ بیٹھ کے اسی کے پیچھے اپنی گاڑی کو لگایا۔ مرادعلی نے اُس ہوٹل کے ایک کمرہ مین دوسری منزل پہ لوٹن کو اُتارا اور خود جہاز کی فکر مین چلنے کا قصد کیا، لوٹن نے کہا دیر نہ لگانا مین اکیلی ڈرتی ہون،

مرادعلی۔ اسی طرح گھبراؤگی تو کاہے کو کام چلے گا۔

بوٹن۔ اچھا جاؤ میں بیٹھی ہوں۔

مرادعلی کمرے کا دروازہ بند کرکے زینہ سے اُتر رہا تھا آدھی سیڑھیوں تک پہونچا تھا کہ نواب مرزا سے سامنا ہوا یہ اوپر چڑھ رہے تھے، نواب مرزا کا سامنا کیا ملک الموت کا سامنا تھا۔ مرادعلی کی تمام کوشش بیکار ہوئی اسی ناامیدی کے عالم میں وہ نواب مرزا سے لپٹ پڑا، ظالم کسی طرح بچ کے نہیں جاتا اچھا تو میں بھی تجھے جان سے مار ڈالوں گا، یہ کہہ کے دونوں ہاتھوں سے گلا گھوٹنے لگا۔ اتنے میں ہوٹل کا خدمتگار جو کمرہ دکھانے کو نواب مرزا کے ساتھ آیا تھا اُسنے ان ہاں کرکے بیچ بچاؤ کیا۔ نواب مرزا کا سن مرادعلی سے زیادہ تھا لیکن نہ یہ قوت میں کم تھے نہ ہمت میں، مرادعلی کے معاملہ میں ان کو واجبی رعایت مدنظر تھی اُس کا اس مغلوب الغضب ہو جانے سے بھی اُن کو غصہ نہیں آیا، ہوٹل کے خدمتگار کو یہ کہہ کے اُنھوں نے ٹال دیا، کوئی خوف کی بات نہیں یہ نقال ہے اسوقت ٹھگ کی نقل مجھکو دکھاتا تھا۔ جاؤ تم اپنا کام کرو کوئی خوف کی بات نہیں ہے۔ وہ تو چلا گیا مگر کچھ تھوڑا شور ہو چکا تھا بوٹن کے کان اسی طرف لگے تھے وہ گھبرا کے زینہ پر گئی۔ مگر جب وہ آئی تو یہ دونوں علٰحدہ ہو گئے تھے۔

بوٹن کا نکاح یا مصنوعی شادی جو کچھ ہوا مخفی طریقہ سے ہوئی تھی۔ پھر شرفو اُسکو بھگا کے لائی تھی ماں باپ کو اطلاع نہ تھی۔ لکھنؤ کے اسٹیشن پر نواب مرزا کو دیکھ چکی تھی۔ مرادعلی کی ہر حرکت سے اُس کا خوف زدہ ہونا بھی اُس سے چھپا نہ رہا تھا، یہاں نواب مرزا کو پھر وہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے پہلے ہائیں ہائیں یہ کیا کرتے ہو یہ آوازیں اُس کے کانوں میں گئیں، جن نگاہوں سے نواب مرزا اور مرادعلی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے یہ آثار ایسے نہ تھے کہ بوٹن سے مرادعلی کی حالت پوشیدہ رہ سکتی۔ بوٹن، ہائیں کیا ہوا؟ مرادعلی، جاؤ تم جاؤ کمرے میں جاکے بیٹھو تم کیوں چلی آئیں۔ بوٹن ایک ضدی عورت تھی ایسے پھسلانے میں کب آتی ہے۔ میں تو اکیلی نہ جاؤنگی،

نواب مرزا نے پھر البتہ ثابت کا برتاؤ کیا وہ بوٹن سے مخاطب ہوئے۔ ہم دونوں آپکے کمرے میں چلتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ سر راہ کوئی بات نہ ہو۔ یہ کہہ کے نواب مرزا بڑھے مرادعلی کو بھی مجبوراً جانا ہی پڑا، کمرے میں پہنچکر دروازہ بند کرکے دونوں آمنے سامنے بیٹھے، بوٹن کوچ پر کنارے بیٹھ گئی۔

مرادعلی۔ آخر آپکا مطلب کیا ہے؟

نواب مرزا۔ صرف دو دو باتیں۔

مرادعلی۔ (نے بوٹن کو چھوٹے کمرے میں جو اس بڑے کمرے سے متصل تھا لیجا کے بٹھا دیا۔) تم کو ان باتوں سے کیا غرض ہے۔

بوٹن۔ (پیچھے سے کسی کی حکومت ماننے والی نہ تھی) جب ہمنے تمھارا ساتھ دیا تو ہمکو تمھارے ہر کام سے غرض ہے۔

دروازہ کے قریب بیٹھ گئی مرادعلی کسی طرح اس گفتگو کے سننے سے نہ روک سکا، غریب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا باران جاری تھا۔ ایک میز کمرے کے بیچوں بیچ میں بچھی تھی۔ دو کرسیوں پر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

نواب مرزا۔ اول تو یہ بتاؤ کہ اس طرح گھبرا کے لکھنؤ سے تمہارے بھاگنے کی کیا وجہ ہے۔ تمہارا چال چلن ضرور مشتبہ ہے۔

مرادعلی۔ کہے جائیے جو کچھ کہنا ہے سب کہہ لیجئے تو میں جواب دوں گا۔

نواب مرزا۔ سہولت تو اسمین تھی کہ ہر بات کا جواب ملتا جاتا۔ مگر خیر یون ہی سہی۔

بوٹن۔ مرادعلی کو اندر بلایا۔ جواب کیوں نہیں دیتے۔ سانچ کو کیا آنچ۔

مرادعلی۔ تو کیا تم کو بھی میری طرف سے کچھ شک پیدا ہوا۔

بوٹن۔ شک ہو یا نہ ہو اب تو میں تمہارے ساتھ ہوں جو تقدیر دکھائے دیکھوں گی۔

نواب مرزا۔ یہاں آئیے۔ تھوڑی دیر میں میری باتوں کا جواب مل جائے میں چلا جاؤں پھر آپ دونوں میاں بیوی آرام سے بیٹھئے۔" یہ بوٹن کی تسکین کو کہا تھا۔

بوٹن سمجھ گئی تھی کہ جو شخص لکھنؤ سے یہاں تک ساتھ ہی ساتھ آیا ہے وہ بہت جلد ٹلنے والا نہیں ہے۔ ضرور سنگین مقدمہ ہے۔

نواب مرزا۔ (مرادعلی سامنے موجود ہے) میں خوب جانتا ہوں کہ خورشید مرزا ایک بھولے رئیس کو تم نے خوب شیشہ میں اتارا جب وہ تمہارے قابو میں آگئے، تو اختری کا تمام مال تم لے کے چلتے ہوئے۔ اگر تم کھرے ہو تو دو دن کے لئے لکھنؤ چلے چلو۔ اخراجات کا میں ذمہ دار ہوں خورشید مرزا صاحب کو حساب سمجھا کے چلے آؤ۔ پھر تم کو اختیار ہے جہاں جی چاہے جاؤ۔

مرادعلی۔ مگر یہ تکلیف میں کیوں گوارا کروں، میں لکھنؤ نہیں جاؤں گا، آپ کیا کر سکتے ہیں، آپکے فقط اشتباہ ہے شبہ پر کوئی کارروائی نہیں چل سکتی۔ مقدمہ کے وجوہ سے آپ بے علم ہیں۔ جو آپکا خیال ہے وہ بالکل غلط ہے۔

نواب مرزا۔ لکھنؤ تو آپکو چلنا ہی ہوگا۔

مرادعلی۔ وارنٹ گرفتاری دکھائیے۔ یوں تو آپ نہیں لیجا سکتے۔

نواب مرزا۔ تو آپ نہ جائیں گے؟

مرادعلی۔ ہاں مجھکو لکھنؤ چلنے سے انکار ہے اور اب ہم [illegible] سے بھی۔

نواب مرزا۔ میں اب تک آپ کی [illegible] کی خاطر سے کچھ [illegible] کہتا تھا شریفانہ برتاؤ کرتا ہوں ورنہ [illegible] تو

والی آپ کی دھری رہ جاتی - مجھکو خوب معلوم ہے کہ اگر مین پولس مین ابھی خبر کرتا ہون کہ مال مسروقہ اُس کے پاس ہے تو ابھی تم گرفتار ہو سکتے ہو، چورون کی طرح ہتکڑیان پڑجاینگی، مگر مجھے تمھارے لیے آبرو کرنے سے کیا نفع اور خصوصًا ایک شریف زادی کی زندگی برباد کرنے سے کیا حاصل بشرطیکہ اختری بیگم کو نقصان نہ پہونچے - آپکے اس انکار سے کیا ہوتا ہے مال مسروقہ آپکے پاس موجود ہے۔

مرادعلی - مقدمہ اس قدر آسان نہین ہے - ثبوت لائیے -

نواب مرزا - مقدمہ مین کوئی دشواری نہین، اور ثبوت بھی موجود ہے - تم پندرہ روپیہ ماہوار کے نوکر تھے، لاکھون کی رقم کا تمھارے پاس سے برآمد ہونا یہی کیا کم ثبوت ہے - تم کو ثابت یہی کرنا ہوگی کہ یہ رقم کثیر اور جواہرات تم کہان سے لائے -

مرادعلی (بہت دلیر ہوکے) جب اسقدر آسان ہے تو آپ دیر کیون کرتے ہین -

کہتے تو کہدیا اور معلوم ہوا کہ نواب مرزا کرسی سے اُٹھتے ہین، مرادعلی پر سخت خوف غالب تھا، چور کا دل کتنا، کوئی صورت مفر کی نہ تھی - نواب مرزا کچھ سوچ کے پھر بیٹھ گئے -

نواب مرزا - بعض وجوہ سے بلادستاندازی پولیس مین تم کو لکھنؤ واپس لیجانا پسند کرتا ہون - اچھا جلد کہو چلوگے یا نہین؟

مرادعلی - کچھ دیر خاموش رہا نجات کی تدبیرین سوچ رہا تھا، نواب مرزا کی "آخر" سے کسی قدر جراءت بڑھ گئی تھی - مین آج کوئی جواب نہین دے سکتا - مجھے مہلت دیجیے، کل غور کرکے جواب دونگا - کل صبحکو صاف جواب دونگا -

نواب مرزا - مجھکو بہلاتے ہو (زور سے ایک قہقہہ مارکے) "بازی بازی باریش بابا ہم بازی" - مین تم سے زیادہ عقلمند ہون اور شاید قانون بھی تم زیادہ جانتے ہو - بہرصورت عقل و فساد تمھاری بہت بڑھی ہوئی ہے - لیکن اتنا بے وقوف بھی نہین ہون کہ تم کو کورا چھوڑ دون - کل تک تم سمندر مین بمبئی سے کوسون دور نکل جاؤگے، پھر تمھین کون پا سکتا ہے - اچھا تو مین حاضر نامہ دے کے تم کو فورًا گرفتار کرائے دیتا ہون - تم برٹش انڈیا سے باہر جانا چاہتے ہو - سمجھے قانون - فوجداری نہ سہی دیوانی سہی ہر طرح مطلب ایک ہی ہے -

مرادعلی - ذرا خوش ہوکے - خورشید مرزا کا یا اختری کا تمھارا نام دعوے، دعوی سنت گواہ ثبوت -

نواب مرزا - تمھارا نامہ تار پر دو گھنٹہ مین آتا ہے - خلاصہ زیادہ باتون مین وقت نہ ٹالو یا تو میری شرطین منظور کرو - یا جواب صاف دو - بس بہت رعایت کی اب آگے فرض کی بجاآوری ہے -

مرادعلی جواب دینا چاہتا تھا - سخت سے سخت جواب، مایوسی کا عالم تھا - مگر یکایک دروازہ کھول کے

اسی کمرہ مین چلی آئی تھی - چیخ کے رو رہی تھی، نواب مرزا کو مراد علی کی ذراسی رعایت منظور نہ تھی مگر ایک بیکس نوجوان شریف کی لڑکی پر ترس آجاتا تھا - آخر نواب مرزا نے ادہر ادہر دیکھ کے مراد علی کا بیگ قبضہ مین کر لیا - بہتر ہے تو یہ بیگ میرے قبضہ مین رہیگا - اب آپ جب چاہین جواب دین -

مراد علی - بیگ ہاتھ سے رکھ دیجئے، آپ زبردستی کرتے ہین -

نواب مرزا - ہان زبردستی آپ پولس مین خبر کیجئے مین سمجھ لونگا - بہتر ہے آپ اپنے ہاتھون ہتھکڑیان پہننے مین تو بچا رہا تھا -

مراد علی - اچھا بیگ لے جائیے مگر کنجی میرے پاس رہیگی، کنجی بیگ کے قفل مین لگی تھی، ہاتھ بڑہا کے مراد علی نے کنجی پھرا کے قفل بند کر دیا اور کنجی اپنے جیب مین ڈال لی -

نواب مرزا خود اس بیگ کو کھولنا نہین چاہتے تھے نہ اپنے پاس کنجی رکھنا ضروری خیال کرتے تھے - اچھا تو آپکو تین گھنٹے کی مہلت ہے - اب مین رخصت ہوتا ہون -

مراد علی - نواب مین آزاد ہون کچھ آپ سے اطلاع کی ضرورت نہین ہے جہان چاہون چلا جاؤن -

مگر یہ صرف نواب مرزا کو بہکانے کے لئے کہا تھا -

نواب مرزا اپنے خاص کمرے مین چلے آئے ہوٹل کے آدمی سے کھانا منگا کے کھایا، تھوڑی دیر پلنگ پر لیٹے رہے - مراد علی اور بوٹن کمرے مین ایک ساتھ ہی ہین، بوٹن نے سب باتین کانون سے سنین اور واقعات آنکھ سے دیکھے، اسکو مراد علی کی پوری حقیقت معلوم ہوگئی، اب اس کمسن لڑکی نے تیور بدلے -

تم نے مجھ سے دغا کی -

مراد علی - اب تو تم کو سب معلوم ہی ہوگیا - مین تمھاری نظر مین بھی چور بن گیا -

بوٹن - مگر تم نے مجھ سے دغا کی - اب تک مجھ سے کہا کیون نہین -

مراد علی سمجھا کہ بوٹن میرے ساتھ جرم مین شرکت کرنے کو موجود تھی - یہ بات نہ تھی بوٹن جو کچھ ہو اسکا دل بے ایمان نہ تھا - اُسنے کہا تو یہ کہا -

مین اور سب طرح تمھارا ساتھ دینے کو حاضر ہون مگر چوری کی شریک نہین ہون - اختری کو مین جانتی ہون بڑی نیک بی بی ہے اُسکا مال مین بیٹھ کے کھاؤن یہ مجھ سے نہ ہوگا -

مراد علی - خیر اب اسے جانے دو - جو ہوا ہوا، اس سے نجات کی فکر ہونا چاہیے -

بوٹن - بس نجات اسی طرح ہے کہ اختری بیگم کا سب مال اُن کو پھیر دیا جائے - اسمین تمھارا بھی

مرادعلی — میرا کیا ہے - چچا کے ترکہ مین ایک ہزار روپیہ مجھکو ملے ہین وہ بھی اُسی بیگ مین ہین -
بوٹن - بہت خوش ہوکے - ایک ہزار! بس وہ ہمارے لئے کافی ہو زندہ ہین تو محنت مزدوری کرکے بہت کچھ پیدا کرلین گے - حرام کے مال مین برکت نہین ہوتی - جلدی واپس کرو - اور جہان جانا چاہتے ہو چلو مین ساتھ ہون -

مرادعلی — ایک ہزار روپیہ تو وہ کئے دن کا ہو - سفرخرچ کے لئے بھی کافی نہ ہوگا -
مرادعلی کا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا تھا اُسنے بوٹن کو دھوکا دیا تھا وہ چاہتا تھا کہ نئی دنیا کو جانا چاہیئے وہان کون میرا پیچھا کرے گا، وہین جواہرات بھی بک جائین گے اور نو بوٹن کا بھی معاملہ کسی نہ کسی طرح کرلون گا -
خوب فراغت سے زندگی بسر کرونگا -
بوٹن کو اس کا اندازہ نہ تھا کہ سفر مین کیا خرچ ہوتا ہو - سفرخرچ ہم اُن سے لین گے جو اختری کی طرف سے آئے ہین بیچارے بھلے آدمی معلوم ہوتے ہین -
مرادعلی — تم نواب مرزا کو نہین جانتین وہ ایک حبہ دینے والا نہین ہو -
بوٹن - یہ میرا ذمہ ہین (نواب مرزا نام ہی) ان سے سفرخرچ دلوا دون گی -
مرادعلی - مین تو کہہ نہین سکتا -
بوٹن - اور یہ ہزار روپیہ بھی اُسی بیگ مین ہین - اس کا صاف جواب مرادعلی نے نہین دیا -
مرادعلی — سب اُنھین کے پاس سمجھو -
بوٹن - تمھارا جو کچھ ہو سب مل جائیگا بلکہ اور کچھ بھی -
وہ دن گذرا، رات گذری، صبح سویرے نواب مرزا مرادعلی کے پاس گئے وہ زینہ سے اُتر رہا تھا نواب مرزا نے جواب مانگا -
مرادعلی - جلدی کیا ہو مال آپکے پاس ہو گھر مین طبیعت علیل ہوگئی ہو - سفر ملتوی ہو جواب آپکی مرضی کے موافق ہوگا - ذرا اور ٹھہر جائیے -
نواب مرزا خوب جانتے تھے کہ مرادعلی وقت گذاری کر رہا ہے مگر سخت کارروائی منظور نہ تھی چاہتے تھے کہ باسانی کام نکل جائے - "ہم لعل بدست آید ہم یار نرنجد" بوٹن مرادعلی کے لئے سپر کا کام دے رہی تھی - نواب مرزا کو کچھ ایسا اُسکا خیال پیدا ہوگیا تھا کہ پولیس کی کارروائی سے یہ بچاتے تھے اگرچہ مصمم ارادہ تھا کہ جب کچھ نہ ہوگا تو پھر مجبوراً گرفتار کرانا پڑیگا - بوٹن کی نسبت یہ خیال تھا کہ
یہ اس مردود کے بہکانے سے گھر سے نکل آئی ہو بدنصیب والدین پر جو گذرنا تھی گذر گئی اب اگر یہ گھر

مین واپس جائے بھی اور بالفرض والدین رکھ بھی لین تو بھی بہت بری زندگی ہوگی عزیز اقارب بری نظرون سے دیکھتے رہین گے عقد ہو نہ سکے گا - مجھے یقین نہین مگر شاید نکاح ہو گیا ہو - اس صورت مین اور خرابی ہے یہ بدمعاش جیل خانہ مین بھیجدیا جائیگا - میعاد پانچ چھ برس سے کم نہ ہوگی - خورشید مرزا اسکا مختار تھا خیانت مجرمانہ ہے سات برس کی میعاد یہ بدنصیب کیونکر بسر اوقات کرے گی - اگر ماں باپ نے نہ قبول کیا، جوان تنہا ہے ناک نقشہ بھی اچھا ہے ضرور شکم پروری کے لئے بدکاری پر مجبور ہوگی اگر اسکا جی نہ بھی چاہے بدمعاش کب چھوڑین گے - اسکا انجام بخیر نہ ہوگا - مین دیکھتا ہون کہ اسکو اس مردود سے الفت ہے وہ بھی بظاہر فریفتہ ہے اگرچہ ایسے بدمعاشون کے قول فعل کا اعتبار نہین مگر نام تو شوہر کا ہے، اب جو ہوا وہ ہوا اس عورت کا اسی کے پاس رہنا اس کے حق مین مناسب ہے اور کوئی اسکا ٹھکانا نہین ہے - اگر مرادعلی سزایاب نہ ہوا شاید کسی طرح کوئی صورت معاش کی نکل آئے خدا رزاق ہے، آدمی کارکردہ ہوشیار ہے - بہرصورت مجھکو صبر کرنا چاہیے مگر ہوشیار رہنا چاہیے -:-

باب ۲۴

برسات کے دن گذر چکے ہین مگر اب بھی ہفتہ مین دو ایک مرتبہ بارش ہو جاتی ہے - بہت خوش آیند خنکی ہے - درختون کے سبز سبز پتے مینہ سے دھو گئے ہین، بار بار نظر پڑتی ہے - ہوٹل کے سامنے ایک مختصر پارک ہے سامنے ہوٹل کی عمارت عالیشان چار پانچ منزلہ مکان متعدد کمرے - سبز سبز بیل زمین سے جو چڑھنا شروع ہوتی ہے اوپر تک چلی گئی ہے رو کار کا اکثر حصہ بیلون سے پوشیدہ ہے - محراب دار درون مین پھولون کے چوبی ناندے (گملے) لٹکے ہوئے ہین، پارک کے بیچون بیچ مین ایک وسیع حوض مین فوارہ پانی کی سطح سے بہت اونچا ہو کے چارون طرف گولائی کے ساتھ پھیل کے حوض کی سطح پر گرتا ہے فوارے کے گرنے سے پانی کی سطح پر عجیب کیفیت ہوتی ہے جلدی جلدی حباب بنتے اور بگڑتے ہین - فوارہ سے تھوڑے فاصلہ پر برقی لیمپ کا ستون سبز رنگا ہوا بہت بڑا سفید چینی کے رنگ کا گلوب چڑھا ہوا ستون پر بھی بیلین چڑھی ہوئی ہین - ہوٹل کے پھاٹک مین کیسی خوبصورت پتھر کی بنی ہوئی قندیلین آویزان ہین - وہ سامنے عظیم الشان ریلوے اسٹیشن کی عمارت ریلون کی آمد و رفت اسٹیشن کی چہل پہل غرض کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے - ہوٹل سے

پھاٹک سے کوئی پچاس قدم کے فاصلہ پر ایک پنچ پڑی ہے نواب مرزا یہاں بیٹھے ہوئے اس منظر کی سیر کر رہے ہیں، آپ مصور کے لئے ایسے منظر کو دیکھ کے بغیر تصویر اتارے کب رہا جاتا ۔ پنسل اور کاغذ ہاتھ میں نقشہ کھینچ رہے ہیں ۔ اسی اثنا میں یہ خیال آیا کہ زینہ خالی خولی اچھا نہ معلوم ہوگا ۔ اگر کسی کی بھولی بھالی صورت زینہ سے نیچے اترتے ہوئے نقشہ میں دکھائی جاتی تو بہت ہی نقشہ بنتا ۔ اتنے میں انھوں نے دیکھا مرزا علی کی زوجہ اسی دفعہ پھر اترتی چلی آتی ہے انھوں نے فوراً اسکیچ کر لیا ۔ مصور کو ایک نظر کسی کی صورت دیکھ لینا کافی ہے ۔ اب یہ خیال کہ ایک پردہ کی صورت ایسی تصویر میں کیونکر دکھائی جائے جسے ہزاروں منظرین دیکھیں گی، نواب مرزا نے اپنے دل کو اس طرح سمجھا لیا کہ ایک فرضی تصویر میں اگر کسی پردہ نشین کا ناک نقشہ مل جائے تو یہ اس کی تصویر نہیں ہے ۔ یہ گھڑی گھڑی ہوٹل کی عمارت کو نظر اٹھا کے دیکھتے جاتے تھے اور پنسل کام میں مصروف تھے انھوں نے دیکھا کہ وہ برقع پوش زینہ سے اتر کے اسی طرف آ رہی ہے ۔

نوٹن ۔ (نے آکے بہت ادب سے تسلیم کی) میں آپ سے ایک التجا لے کے آئی ہوں ۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں ۔

نواب مرزا ۔ کیا تم اپنے شوہر کا پیام لے کے آئی ہو ۔

نوٹن ۔ نہیں میں کسی کی طرف سے نہیں آئی ہوں ۔ خود کچھ کہنا چاہتی ہوں ۔

نواب مرزا ۔ بہت خوش ہو کے ۔ بے تکلف کہو ۔

نوٹن ۔ خدا آپ کا بھلا کرے ۔ میں کل سے آپ کی انسانیت اور شرافت آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں اس سے زیادہ کیا کوئی مروت کر سکتا ہے ۔

صورت ملاقات کی یہ ہے کہ نواب مرزا بینچ پر بیٹھے ہیں اور نوٹن نیچے زمین پر اُن کے روبرو گھاس پر بیٹھ گئی ہے ۔ نواب مرزا نے پنسل نوٹ بک ہاتھ سے رکھ دیا ہے اور متوجہ ہو کے سر جھکائے سن رہے ہیں ۔

نوٹن ۔ وہ تو مرد ہیں اور میں عورت ذات آپ کے آگے کیا چھپ کروں ۔ میرے اعمال ایسے نہیں ہیں جو کچھ اور کہہ سکوں ۔

نواب مرزا ۔ کیوں ؟ جب تمھارا نکاح اس شخص کے ساتھ ہے تو پھر کیا عیب ہے ۔

نوٹن ۔ نکاح ضرور ہے مگر بغیر ماں باپ کی منظوری کے اُن سے چھپا کے ۔ کیا کہوں میری سمجھ پر کیا پتھر پڑ گئے تھے ۔

نواب مرزا ۔ خیر نکاح ہے خواہ کسی طرح ہوا اب مطلب کی بات کہو ۔

نوٹن ۔ میں چوری کے مال سے کھانا نہیں چاہتی سُود مُردار اور پھر چوری بھی کس کی ......

اتنا کہہ کے بوٹن رک گئی۔ اختری کا نام زبان پر آکے رہ گیا۔
نواب مرزا۔ ہاں ہاں کہو کہو۔ کسکی چوری؟ بے شک تم جس کا مال ہو اُسکو جانتی ہو۔
بوٹن۔ جی نہیں مین کیا جانون۔
نواب مرزا۔ تو پھر آپنے میرے پاس آنے کی ناحق تکلیف اُٹھائی مین صاف آدمی ہون اور صفائی پسند کرتا ہون اگر مجھ سے کوئی کام لینا ہو تو صاف صاف سب کہنا ہوگا۔
نواب مرزا کا یہ مقصد تھا کہ شاید اس بدنصیب کم سن لڑکی کے ماں باپ کو مین کچھ تسلی دے سکون نیکی کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔
بوٹن۔ مین خوب جانتی ہون کہ یہ اختری بی بی کا مال ہے۔ ایسی نیک آدمی وہ تو فرشتہ ہین اُن کی چوری کرکے کوئی برا نہین ہوسکتا۔
نواب مرزا۔ تم اختری بیگم کو کیونکر جانتی ہو؟
بوٹن۔ اب اسکو چھوڑ دیجئے۔ مجھ پر رحم کیجئے۔ مین ہاتھ جوڑتی ہون۔
نواب مرزا۔ حال تو ذرا ذرا سا تم کو بتانا ہوگا۔ آخر مین بھی تو سُنون تم کس کی لڑکی ہو کیونکر اس بدمعاش کے پھندے مین پھنسی۔ اب تمھارا کیا انجام ہونا ہے۔
بوٹن۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہوا جب اوکھلی مین سر دیا تو دھمکیون کا کیا ڈر جو کیا وہ کیا بے شک برا کیا مگر اب چھوڑ دینا کیسا۔ اب چور ہو جواری ہو شرابی ہو جو کچھ ہے مین نباہ دون گی۔ میری قسمت کا یہی لکھا تھا۔
نواب مرزا۔ شاباش بھلے آدمیون کی لڑکیان ایسا ہی کرتی ہین مگر کاش اُس کم بخت کو بھی اس کی شرم ہو۔ ... غرض بوٹن کو اپنی سرگذشت نواب مرزا سے کہنا پڑی۔ جسکو ناظرین خوب جانتے ہین دوہرانے سے کیا حاصل۔
نواب مرزا۔ تو اب کیا چاہتی ہو۔
بوٹن۔ مجھپر رحم کرکے قید سے بچا دیجئے۔ میرصاحب اگر آپنے میری فریاد نہ سُنی تو پھر یہ سمجھ لیجئے گا کیا میری ساری زندگی آپنے خاک مین ملا دی۔ سزا کاٹنے کے بعد پھر کوئی پاس کھڑے ہونے کا روادار نہ ہوگا بھیک بھی مانگنے نہ ملے گی، دوسرے یہ شخص برا ہے اور بدتر ہو جائیگا۔ پھر عمر بھر سوائے چوری کے اور کوئی پیشہ کوئی کام نہ ہوسکے گا۔ میری مٹی پلید ہوگی۔ یہ کہہ کے بوٹن نے چیخین مار کے رونا شروع کیا۔
نواب مرزا۔ سخت متأثر ہوئے۔ اچھا تو روؤ نہین میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے، نواب مرزا کی آنکھون سے

آنسو جاری تھے، اچھا مال سے مجھکو کام ہو۔ وہ میرے پاس ہو۔ جاؤ مین کچھ نہ کرونگا پہلے سے میرا یہی خیال تھا مگر اُس کے انکار اور سرکشی سے کبھی کبھی خیال آتا تھا......

بوٹن۔ نہین میر صاحب آپ اپنی طرف دیکھئے۔

نواب مرزا۔ دیکھو کل کا واقعہ ہو میرا گلا گھونٹے دیتا تھا، ہوٹل کا آدمی غل مچانے کو تھا مین نے بہانا کر کے ٹال دیا، ورنہ کل ہی گرفتار ہوگیا تھا۔

بوٹن۔ میر صاحب آپ اصل سادات ہین اور مین سیدون کی لونڈی ہون، عمر بھر آپ کی احسانمند رہونگی اور تو مجھ سے کیا ہوسکتا ہو دعائین دیا کرونگی۔

نواب مرزا۔ اچھا تو اور جو کچھ کہنا ہو کہو۔

بوٹن۔ ہائے ہزار روپیہ ذاتی بھی اُسمین ہین۔

نواب مرزا۔ وہ واپس دیے جائینگے۔

بوٹن۔ مگر ہزار روپیہ سے کیا ہوتا ہو۔ پردیس جانا ہو کچھ آپ مدد کیجئے۔

نواب مرزا۔ اچھا ہزار وہ اور ایک ہزار روپیہ مین اور دونگا، اول تو اختری معاف کردینگی اور اگر نہ معاف کرین تو مین خود اپنے پاس سے قسطین کر کے ادا کردونگا۔ تم خاطر جمع رکھو۔ بس اتنا مجھ سے ہوسکتا ہو۔

بوٹن۔ خدا آپ کو جیتا رکھے بس اور کیا چاہیے۔

نواب مرزا۔ لیکن اتنا سمجھا دو کہ اس بیگ سے علٰحدہ اور جو کچھ اختری یا خورشید مرزا کا کوئی کاغذ یا روپیہ یا جواہر غرض جو کچھ ہو واپس دیکے حساب پاک کردینا ہوگا۔

بوٹن۔ مین ذمہ دار ہون سوائے اس دو ہزار کے اور کچھ نہ لیا جائیگا۔

نواب مرزا۔ اچھا تو اب جاؤ۔ خاطر جمع رکھو۔ مین کچھ نہین کرونگا۔ یہ سب تمھاری خاطر سے۔

بوٹن۔ تسلیم کر کے دعائین دیتی ہوئی ہوٹل کی طرف روانہ ہوئی۔

نواب مرزا۔ اُس کی ایمانداری اور وفاداری سے بہت خوش ہوئے۔ بے شک شریف کی اولاد ہے ایسی دل کی نیک بامروت اس بدمعاش کی تقدیر مین تھی۔ اس حساب سے تو بڑا خوش قسمت ہو مگر اسکی تقدیر پھوٹ گئی۔ کس قدر اپنی قسمت پر قانع ہو عمر بھر اس بدمعاش بے ایمان چور کا ساتھ دینے کو موجود ہو صرف اس لئے کہ اُس کا ساتھ ہوگیا ہو گو کسی طرح سے ہو شوہر کا نام تو ہوگیا۔

بوٹن کو بجائے خود اطمینان ہوگیا تھا۔ اُس نے مراد علی سے کچھ نہین کہا۔ اُسکو یقین تھا کہ آج رات گویا کل صبح کو میر صاحب سے اور مراد علی سے گفتگو ہوکے معاملہ طے ہو جائیگا۔ وہ چاہتی تھی کہ کہین جلد

یہ جھگڑا چکے۔ شام ہوئی قریب آٹھ نو بجے کے درمیان کھانا کھایا باتیں ہوا کیں یہ باتیں جہاز کے متعلق تھیں
بوٹن مجھے تو سمندر کے نام سے بخار چڑھتا ہے دیکھئے کیا ہوتا ہے - مراد علی سفر کی خوبیاں جہاز کے سفر کی
سیر میں نئی نئی چیزوں کا دیکھنا جہاز کا چلنا لنگر ڈالنا جو کچھ اُسنے سُنا سنایا تھا اُسکو اس طرح سے بیان
کر رہا تھا جس سے بوٹن کا خوف دُور ہو۔ شوق بڑھے۔

باتیں کرتے رات زیادہ ہو گئی دونوں سو رہے۔ صبح سویرے وہ ہوٹل سے نکل کے غائب ہو گیا، تو جب دن
بجے دوپہر ہو گئی ابھی تک کہیں پتہ نہیں کبھی کبھی بوٹن کو خیال ہوتا تھا کہ کہیں مجھکو یہیں چھوڑ کے چلا تو نہیں
گیا - جب سے اُس کا چور ہونا بوٹن پر ثابت ہو گیا تھا بھروسہ نہ رہا تھا یہ بھی اُس کی جرأت تھی کہ وہ ساتھ
دینے پر آمادہ تھی - اُسکو مرجانا قبول تھا مگر وطن کو واپس جا کے ماں باپ کو صورت دکھانا یہ پولیس سے آنکھ
چار کرنا کسی طرح گوارہ نہ تھا - آخر سرِ شام مراد علی آیا - گاڑی لیتا آیا اور آتے ہی جلدی کرنے لگا کہ اُٹھو
سوار ہو - بہت گھبرایا ہوا تھا - اُٹھو جلدی اُٹھو - ایک دم کی مہلت نہیں ہے - یہ جلدی یہ گھبراہٹ بوٹن کی امید
کے بالکل خلاف تھی - وہ حیران تھی کہ یہ کیا ہوتا ہے معاملہ طے ہوا یا نہیں؟

بوٹن - آخر کہاں لئے چلتے ہو کچھ کہو تو سہی -

مراد علی - کہہ دیا کہ اُٹھو اسوقت فضول باتوں کا موقعہ نہیں ہے - جہاز کا لنگر اُٹھنے کو ہے

نواب مرزا سے کیا ٹھہری؟ - یہ سوال اُس کی زبان پہ بار بار آیا مگر مراد علی نے کوئی جواب نہ دیا سوائے
اسکے کہ اُٹھو جلدی اُٹھو چلو - گویا اُسے کوئی بات آتی ہی نہ تھی - مرد ہر طرح سے عورت پر قوی ہے - عورت
ہر حیثیت سے محکوم ہے بوٹن مراد علی کے قابو میں تھی مگر پھر ساتھ دینے کا قصد کر لیا تھا - غیر ملک میں جہاں
کوئی اُسکا ساتھی نہ تھا نواب مرزا نے اُس سے سب کچھ کہا مگر یہ کبھی نہیں کہا کہ تو مراد علی کو چھوڑ دے بلکہ
وہ اپنے نزدیک بوٹن کے حق میں بہتر یہی مناسب سمجھے ہوئے تھے کہ وہ مراد علی کا ساتھ دے سوائے مراد علی کے اب
اُسکا کوئی ٹھکانا نہیں رہا ہے - آخر بوٹن کو کچھ نہ بن پڑا - اسباب گاڑی پہ پہونچ چکا تھا وہ بھی برقعہ اوڑھ
کے ساتھ ہو گئی، مراد علی نے ہاتھ جلدی سے اُسکو وہیں اُٹھا کے گاڑی میں بٹھا دیا - گاڑی والے سے کہا
چلو - راستہ میں گاڑی والے سے بار بار جلد چلنے کی تاکید ہو رہی تھی - چلو! چلو!

گاڑی بندرگاہ پہ پہونچ گئی، بوٹن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مراد علی جلد جلد قدم بڑھاتا - یہ چلا جاتا ہے راستہ
میں کہیں موٹے موٹے رسّے لپٹے ہوئے پڑے ہیں، گٹھریں اور صندوقوں کا جا بجا انبار ہے - مختلف ملکوں
کے مسافر مرد عورت بچے، ہاتھی، گھوڑے، بھیڑیں، دُنبے بکرے بکریاں گائے بیل جہاز پر بار کرنے کے لئے
بھاگا بھاگ کھینچے چلے جاتے ہیں - ہاتھی کے پیٹ سے زنجیر لپیٹی گئی بڑے بڑے کانٹے لگائے گئے کرین

(بوجھ چڑھانے کی کل) اُٹھی ہاتھی چند منٹ میں جہاز پر تھا غرض ایک ایسا عجیب غریب منظر تھا جو دُلہن نے ہرگز نہ
دیکھا تھا مگر افسوس ہے کہ اس تماشے سے لطف اٹھانا اُس کی قسمت میں نہ تھا وہ حیران تھی کہ جہاز پر آنے کی اتنی
جلدی کیا تھی - سمندر کو دیکھ کے اسکو جھرجھری سی معلوم ہوئی جیسے بخار چڑھتا ہو مگر کیا کر سکتی تھی، مراد علی اسکو
دبوچے ہوئے تھا - چھوٹی کشتیاں کنارہ پر آکے لگائی جاتی تھیں اُسپر مسافر سوار ہو جاتے تھے، جہاز کنارے سے
فاصلہ پر تھا، کشتی جہاز کے نیچے جا کے ٹھہر جاتی - یہاں سیڑھیوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھنا ہوتا تھا - دُلہن نے
دونوں آنکھیں بند کر لی تھیں، مراد علی سے منت کر رہی تھی، اللہ تم ہمیں چڑھا دینا ہم سے نہ چڑھا جائیگا - مراد
علی ہوا سے رہا ہے، کشتی کے انتظار میں تھا، ایک ایک سکنڈ ایک گھنٹہ معلوم ہوتا تھا - آخر کشتی آ ہی گئی، مراد علی
نے دُلہن کی ٹوکری جسمیں کھانے کا سامان تھا ملاح کو دیا - ملاح مسافروں کو کشتی میں چڑھاتا جاتا تھا، اب دُلہن
کی باری تھی - اتنے میں چند شخص اس موقعہ پر آگئے اور ایک نے ملاح کو روکا - دُلہن نے پلٹ کے دیکھا، وہ جسنے
ملاح کو روکا تھا، "اس شخص کو تو میں کچھ پہچانتی ہوں کچھ ایسی گھبرائی ہوئی تھی کہ فوراً خیال نہیں آیا - ہوٹل کا
آدمی تھا، وہی جسنے نواب مرزا اور مراد علی میں بیچ بچاؤ کیا تھا - ابھی دُلہن کا خیال اس شخص کی شناخت میں
مصروف تھا کہ اور ایک شخص سپاہیانہ لباس بہت گراں ڈیل سرخ پگڑی نیلا کوٹ و پتلون مراد علی کے شانہ پر
ہاتھ ڈال کے، ذرا دیر تکلیف کیجئے - آپکو تھانہ پر چلنا ہوگا -

مراد علی - یہ میں کیوں روکا جاتا ہوں -؟

افسر پلیس - بڑا سنگین جرم ہے - ہتکڑیاں ڈال کے قتل انسان -

مراد علی - قتل انسان! غضب ہوا میں نے کس کو قتل کیا!

ہوٹل کا ملازم - وہی جسکا کل تم زینہ پر گلا گھونٹ رہے تھے -

مراد علی - وہ تو تم کو معلوم ہو گیا تھا کہ محض مذاق ہے -

افسر پلیس - وہ مذاق تھا - تو یہ مذاق ہے - بس خاموش! اور ایک سپاہی کی طرف دیکھ کے کہا گھونٹنا بھی
کوئی مذاق ہوتا ہے -

سپاہی - حضور ایسا ہی مذاق ہوتا ہوگا اور تو کبھی دیکھا نہ سنا -

دُلہن کو غش آ گیا تھا -

باب ۲۵

نواب مرزا اور موسیٰ بھائی سے ریل مین ملاقات ہوئی تھی۔ اُنھون نے پتہ اپنی پاکٹ بک مین لکھ لیا تھا، فوراً دو تار دئے ایک تار ان کی زوجہ کے پتہ سے سعادت گنج، دوسرا تار خورشید مرزا کو صرف لکھنؤ کے پتہ سے، دونوں تار پہونچ گئے۔ تار کا مضمون یہ تھا۔

"نواب مرزا منصور ساکن لکھنؤ پارسی ہوٹل مین سخت زخمی ہوئے پولس اسپتال مین ہین مراد علی گرفتار ہے"

اختری۔ ہائے، میری خیرخواہی مین غریب کا یہ حال ہوا، اُن کے بیوی بچے میری جان کو کوسین گے خدا جانے نواب مرزا کے گھر مین بھی اطلاع ہوئی یا نہین حکیم جعفر علی صاحب کو بُلانا چاہئے، حکیم جعفر علی ابھی دو دن ہوئے سفر سے آئے ہین کس مُنہ سے کہون کہ آپ بمبئی جائیے، ماموں جان ابھی تک بیماری سے ناطاقت ہو رہے ہین۔ اتنے مین حکیم جعفر علی آ گئے تار کا مضمون سُن کے سخت پریشان ہوئے، اس مردود مراد علی نے یہ کیا کیا؟

ہرمزی اور اُن کی ماں:۔ دیکھئے اُس چھوکری (زبتن) پر کیا بنی ہوگی، وہ تو گرفتار ہے یہ بمبئی کی گلیون مین بھیک مانگتی پھرتی ہوگی۔

حکیم جعفر علی۔ کیا کہون بہن ہرمزی کا اس موقعہ پر جانا ضروری ہے۔ ماموں جان ضرور جائین گے، مگر سب سے پہلے نواب مرزا کی بیوی کو خبر کرنا چاہئے۔ کس مُنہ سے کہون گا، اس لئے کہ وہ جانتی ہین کہ میری اور اُن کی رائے ایک تھی۔ اب میرا ہی نام ہوگا کہ مین نے بھیجا تھا۔

اختری۔ نہین مین نواب مرزا صاحب کی بیوی کو خوب جانتی ہون وہ اُن عورتون مین نہین ہین جو جھوٹا الزام کسی پر رکھین۔ آپ فوراً خبر کیجئے، بہن ہرمزی کو اور اُن کو ہمراہ لئے جائیے۔

حکیم جعفر علی۔ اچھا تو اب دیر نہ کرنا چاہئے پہلے مین ماموں جان کے پاس جاتا ہون۔ پھر نواب مرزا کے گھر جاؤن گا۔

خورشید مرزا سے اور حکیم جعفر علی سے چند ہی منٹ کی گفتگو کے بعد بمبئی کے سفر کا تہیہ ہو گیا۔ ہرمزی کا جانا بھی ضروری سمجھا گیا، نواب مرزا کے مکان پر امام علی ملازم کو بھیجا۔

خورشید مرزا اور حکیم جعفر علی ابھی باتین کر رہے تھے کہ امام علی پلٹ کے آ گیا۔

امام علی۔ نواب مرزا صاحب کے گھر مین کل شام ہی کو بمبئی سوار ہوگئین۔ مین نے گھر مین جا کے دیکھا ایک بڑھیا ماما ہے اور دونون بچے کیسا بلک بلک کے رو رہے ہین۔

خورشید مرزا۔ تو کیا بچون کو چھوڑ گئین۔

جعفر علی۔ کیا کرتین بچون کو پردیس مین کہان لئے پھرتین دوسرے شاید روپیہ بھی نہ ہو۔

خورشید مرزا۔ تو یہان کہلا بھیجا ہوتا۔

جعفر علی۔ وہ لوگ اس منش کے نہین ہین۔

خورشید مرزا۔ ہمکو تو اعانت کرنا چاہئے۔

جعفر علی۔ ممکن ہو تو بچون کو بلوا لیجئے۔

نادری اور اختری دونون سوار ہو کے گئین دونون بچون کو بہلا کے ساتھ لائین یہان آکے ذرا بہل گئے۔

خورشید مرزا۔ نواب مرزا صاحب کی بیوی نے بڑی جلدی کی ہر فری کو انھین کے ساتھ کر دیتے۔ خیر اب مین لیتا جاؤن گا۔

جعفر علی صاحب اپنے گھر گئے جلد جلد سفر کا سامان کیا۔

اختری نے خود بھی ہمراہ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر بعض مصلحتون سے اُن کا جانا ملتوی رہا۔

یہ لوگ بمبئی کو روانہ ہو چکے ہر فری زنانہ گاڑی مین ساتھ گئین۔ چاد بچہ کر کے باہر نکلنے مین اُنکو باکل تکلف نہ تھا، زینب بیگم کی لڑکی اُن کے لئے ایک برکت تھی۔ ہزار بیٹے صدقے کئے تھے اس دنیا مین سوائے مان کی اطاعت اور خدمت گذاری کے ان کو نہ کسی بات کا شوق تھا نہ حوصلہ اتنی زندگی سخت عسرت مین بسر ہوئی تھی خود تکلیفین اُٹھائین مگر مان کا دل کبھی میلا نہ ہونے دیا۔ عین جوانی مین بڑھیون کا سا مزاج تھا جو کچھ مان سے بچا کھچا وہ آپ کھا لیا، گزی گاڑھا پہن لیا مگر صاف ستھرے کپڑے سیدھی سیدھی کنگھی سادہ لباس غوطہ طہارت نماز روزہ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا اختری کے ساتھ سے اُنکو بہت فائدہ پہونچا اختری کو بھی پڑھنے سے شوق تھا جس کتاب کی ضرورت ہوتی فوراً منگائی جاتی دو ایک اخبار بھی آتے تھے جس کتاب کا اشتہار نظر پڑا اور مفید مطلب سمجھی گئی اختری نے فرمائش کا کارڈ بھیجدیا اور ویلیو چلے آتے ہین، بخلاف اِن دونون کے نادری اور جعفری کو پڑھنے لکھنے سے کچھ کام نہ تھا، نادری کو قصہ کہانی کی کتابون کے سوا اور کسی قسم کے مطالعہ سے شوق نہ تھا۔ جعفری کے نزدیک یہ بھی فضول تھا۔

جعفری کا مزاج کسی کی سمجھ مین نہ آیا جس گھر کو وہ اپنے باپ کا گھر سمجھے ہوئے تھی اب اُسکو معلوم ہوا کہ اختری کے ہاتھ بکا ہوا ہے۔ باپ (خورشید مرزا) کے پاس سوائے پنشن اور وثیقہ کے کوئی آمدنی کا ذریعہ نہین ہے

باغ سے میوہ گاؤں سے غلہ اب بھی آئے جاتا ہے مگر وہ اب اُس کے باپ کا مال نہیں ہے اختری کا ہے۔ اختری نے اپنی سیرچشمی اور فیاضی سے کبھی ان چیزوں کو آنکھ اُٹھا کے بھی نہیں دیکھا گویا اُس سے کوئی تعلق ہی نہیں مگر جعفری غیر کا مال سمجھ کے ایک دانہ کسی کو ہاتھ اُٹھا کے نہ دیتی تھی۔ خانہ داری کا انتظام اناج تول کے دینا، کھانا پکوانا اُسی کے ذمہ تھا، کھانا پکنے سے پہلے وہ اختری کے پاس پکانے والی کو بھیج کے پچھواتی تھی کیا پکایا جائیگا۔ اختری کو اس غیریت سے بھی ملال ہوتا تھا وہ لاکھ چاہتی تھی کہ جعفری اُس کے ساتھ میل کرلے مگر وہ کسی طرح ملنے والی نہ تھی۔

ابھی تک اختری سے اُس دن کے بعد جب وہ گھر سے نکالی گئی تھی سامنا نہ ہوا تھا۔ آخر خورشید مرزا کے بمبئی روانہ ہونے کے بعد زینب بیگم نے اختری کو جعفری سے گلے ملوا دیا۔ اختری خود ہی جھک کے ملی اُلٹی معذرت کی۔

اختری۔ ماموں جان کے بعد میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتی ہوں، آپ کھانے پکوائیے مجھکو بھی جس طرح ہاتھ اُٹھا کے دیتی تھیں دیجیے۔ اپنی چھوٹی سمجھیے چھوٹی بہن نہ سہی لونڈی سمجھیے۔ مجھے زندگی بھر عذر نہ ہوگا۔ کیا اتنا اختری کا۔

جعفری۔ بس بس۔ آپ کی خوبیوں میں کوئی شک نہیں مجھے یقین ہے کہ جو آپ کہتی ہیں وہی کریں گی، مگر میں اس قابل نہیں ہوں۔ میں اُسی درجہ پر رہنا چاہتی ہوں جس درجہ پر خدا نے مجھکو رکھا ہے ایسی جھوٹی حکومت مجھکو منظور نہیں جب میں محکوم ہوں تو حاکم کیوں بن کے بیٹھوں، میں آپ کی اطاعت کرنے کو حاضر ہوں مگر مجھے بنایئے نہیں۔

اختری [illegible] اس اکھل کھرے پن سے بہت ملال ہوا۔ مگر اس کا کوئی علاج نہ تھا اس شخص کی طبیعت ہی اس ڈھنگ کی تھی، آخر اختری کو کہنا پڑا۔ بہتر ہے جو آپ کی مرضی ہو وہی کیجیے۔ منت سماجت کی بھی حد ہے۔

جعفری۔ آپ کیوں منت کرتی ہیں۔ میں خطاوار ہوں مجھکو منت کرنا چاہیے۔ آپ کا اُلٹے منت کرنا مجھکو گویا جوتیاں مارنا ہے۔ میں اپنی [illegible] بس اب معاف کیجیے۔

اختری [illegible] دیکھ کے اختری کو [illegible]

[illegible]

جعفری نے صاف کہدیا۔

اب میں اس گھر کی مالک نہیں ہوں، تمھاری طرح میں بھی پرائی تابعدار ہوں، مالک اختری بیگم ہیں، میں یہ کچھ جل کے نہیں کہتی جسکو خدا دے۔ جہاں کسی ماما نے کہا حضور آپ آپ ہی ہیں ہم ہمیں ہیں، آپکی ہماری کیا برابری، آپ وہ برابر وار ہیں ہم تابعدار۔

جعفری۔ بوا کریمن سنو یہ سچ ہے کہ میں تمھارے برابر نہیں ہوں مگر پرائی تابعداری میں بھی شک نہیں اچھا تو تم مجھکو اس گھر کی داروغہ مان لو، بس یہ میرا عہدہ ہے میں تمھاری افسر ہوں تم سب میرے ماتحت ہو اور میں بیگم صاحبہ کی ماتحت ہوں۔

کریمن۔ نہیں صاحبزادی تم بھی مالک ہو وہ بھی مالک ہیں۔

جعفری۔ یہ جھوٹی خوشامد ہے۔ میں خود بدولت (اختری بیگم) سے بھی کہہ چکی ہوں کہ اگر اس رتبہ پر مجھے رکھیں گی تو میں کام کو حاضر ہوں نہیں تو میرا استعفا ہے۔

کریمن۔ وہ تو آپ کو اپنا بڑا سمجھتی ہیں باجی کہتے کہتے منہ خشک ہوتا ہے دیکھیے وہ اسوقت یہاں نہیں ہیں مگر صاحبزادی ہم خدا لگتی کہیں گے انھوں نے تو آپ کے ہوتے کبھی حکومت نہیں جتائی۔

جعفری۔ یہ اُن کی ریاست ہے۔ اور باجی کہنے کو، جو کہو، تو پرانے نوکروں کو بھی نوکر نہیں کہتی۔ میں تو خوش ہوں وہ مجھے داروغہ صاحب کہا کریں۔

اختری نے تو زبان جل جائے جو کبھی یہ لفظ کہا ہو۔ ہاں نادری ہنسی ہنسی میں کہہ جاتی تھی۔

داروغہ صاحب آج آپ کیا بھجوائیگا۔؟ کہئے بزار سے کیا خریدا گیا؟

جعفری۔ ہاں ہاں تم بھی یہی کہو۔ میں کچھ چڑھتی ہوں؟ یہ تو میری عین خوشی ہے۔

غرض جعفری جس مرتبہ کی تھی وہی مرتبہ اُسنے اختیار کیا۔ اختری کی دولت منت خوشامد اُس کی ضد کے سامنے سب ہیچ تھی، مضبوط ارادے کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں وہ اپنی بات کی پکی اور ضد کی پوری تھی جب تک باپ کی دولت سمجھ کے وہ اُٹھا رہی تھی اسکو اختری (اُس کے باپ) سے مفت خوری کا خرچ فضول معلوم ہوتا تھا اُس کو باپ کی تباہی کا قلق تھا وہ سمجھی تھی کہ باپ کی تباہی کا سبب اختری ہے باپ کے بیہوش ہوتے ہی اُس کی رائے میں اختری کے ساتھ رعایت کرنا گناہ تھا۔ جب سے اُس کو معلوم ہوا کہ معاملہ برعکس ہے بلکہ اُن کے والد خود اختری کے دست نگر ہیں وہ اختری کی مطیع تھی [illegible] کرتی تھی سمجھا حکومت پرائے مال پر اپنا تصرف ناجائز خیال کرتی تھی وہ اپنی حالت پر بہت جلد راضی ہو گئی وہ [illegible] میں اپنی تقدیر پر شاکر تھی۔ اُس کے چال چلن میں صرف ایک بات اخلاق کے خلاف تھی یعنی مزاج میں [illegible]

کرکے اختری کی حالت کی تفتیش اُس کی ماں کی قبر پر مرادعلی کو بھیجا، مگر جعفری کوئی فرشتہ نہ تھی کہ اُس کی زندگی لغزشوں سے پاک ہوتی ایک چھپے ہوئے بھید کے کھلنے ایک پہیلی کے بوجھنے ایک معمے کے حل کرنے کا کس کو شوق نہیں ہوتا۔ خصوصًا ایسا معمہ جسمیں اُس کے نزدیک اُس کے باپ کا روپیہ برباد ہو رہا تھا۔ نادری اختری سے مِل کے اچھی رہی اختری بھی اُس سے خوش رہی اور خورشید مرزا بھی۔ جعفری اپنے گھمنڈ پن کی وجہ سے اختری سے بھی بُری ہوئی اور باپ سے بھی۔ آخرکار اُسکو اختری کے ماتحت ہوکے زندگی بسر کرنا پڑی۔ اختری اُس سے صاف تھی مگر اختری کی صفائی کی اُس کو پروا نہ تھی، باپ کا دل کبھی صاف نہ ہوا۔ یہ جعفری کی تقصیر کہ اُس نے باپ کی خیرخواہی میں یہ ذلت برداشت کی مگر وہ اُس سے خفا ہی رہے۔

نواب مرزا کے دونوں بچوں کو نادری اور اختری نے بڑی خاطرداری سے رکھا۔ چار چار جوڑے کپڑے بنا دیے۔ کھانے پینے کی کوئی کمی نہ تھی پیسے اُٹھانے کو ملتے تھے، لڑکے اچھی طرح بہل گئے۔

اختری۔ تم ہمارے پاس رہوگے؟

لڑکے، اس خاطرداری سے اُن کو کبھی بُرا خیال پیدا ہوتا تھا کیونکہ سات سات آٹھ آٹھ برس کا سن و سال تھا بہت نا سمجھ نہ تھے اُن کے خیال میں یہ خاطرداری نہ آتی تھی کہ ماں باپ کے ہوتے ہم کیوں یہاں رہنے لگے۔

اختری پہلے تو اس خیال کو نہ سمجھی تھی جب اُس نے اُن کو یہاں رہنے کا ذکر سن کے بسورتے دیکھا تو فورًا اُس کی سمجھ میں آگیا، اپنے ہی ماں باپ کا ہونا کس قدر بلائے عظیم ہے اس راحت و آرام کی ہرگز ان بچوں کو پروا نہیں ہے یہ سمجھ کے اختری نے یہ بُرا خیال بچوں کے دل سے دور کیا اب وہ ان کے ماں باپ کے آنے کا اکثر ذکر کرنے لگی اس تذکرہ سے بچے بہت خوش ہوتے تھے۔

خط کا انتظار تھا۔ بمبئی سے چوتھے دن خط آتا ہے ابھی تو یہ لوگ پہونچے ہونگے۔ ساتویں دن ان لوگوں کے بخیر و عافیت پہونچنے کا خط آیا۔ نواب مرزا کی حالت ایسی نہیں ہے جس سے خدانخواستہ جان کا خوف ہو۔ زخم بھر رہے تھے۔ اب حالت اچھی ہے ابھی بات کرنے کی طاقت نہیں ہے نہ ڈاکٹر کی اجازت ہے کہ کوئی بات کرے، مرادعلی گرفتار ہے رحیم بخش اور شرفو کا حلیہ جاری ہے۔ بوٹن کی ماں بھی بمبئی میں بیٹھی ہے بیٹے کو لکھی ہیں۔ بوٹن کا اظہار ہوا تھا وہ سخت انکار کرتی ہے، مرادعلی نے ہرگز نہیں مارا۔ سب سمجھاتے ہیں، پولس دھمکی دیتی ہے مگر وہ یہی کہے جاتی ہے کہ مرادعلی نے نہیں مارا اُسنے پولس میں بھی یہی اظہار دیا اور ہم لوگوں سے بھی یہی کہتی ہے مگر اُس کی بات کا کسی کو یقین نہیں ہے، مرادعلی پر جرم ثابت ہے۔ ضرور سخت سزا ہوگی۔ بوٹن کی حالت پر سب کو سخت افسوس ہے۔ اور غصہ بھی آتا ہے۔

نواب خورشید مرزا۔ حکیم جعفر علی۔ امام علی خدمتگار اور ہرمزی یہ سب بمبئی میں قریب ۴ بجے پہونچے حکیم جعفر علی پہلے نواب مرزا کو دیکھنے کے مشتاق تھے، مگر معلوم ہوا کہ بغیر اطلاع اور اجازت ڈاکٹر صاحب کے ملنا غیر ممکن ہوگا۔ پولس کے ذریعہ سے ہوٹل کا پتہ ملا۔ حکیم جعفر علی نواب مرزا کی بیوی کو ڈھونڈھنے نکلے۔ یہ آٹھ دن پہلے بمبئی میں پہونچ گئی تھیں۔ پولس اسپتال کے قریب ایک چھوٹے سے مکان میں پہلے اُتری تھیں وہاں جاکر معلوم ہوا کہ پولس نے اُن کو شوہر کے پاس ٹھہرنے کی اجازت دیدی ہے مگر چونکہ مقدمہ سنگین ہے اسلئے بلا اجازت ڈاکٹر صاحب آپ بھی نہیں مل سکتے ہیں۔ حکیم جعفر علی لکھنؤ کے سول سرجن کی ایک چٹھی لیتے گئے تھے اسمیں انکے اعزاز اور پیشہ طبابت کا ذکر تھا۔ یہ چٹھی بہت کام آئی اُسدن شب کو ملنا نہ ہوسکا مگر دوسرے دن آٹھ بجے یہ پولس اسپتال میں پہونچگئے، نو بجے تک ڈاکٹر کا انتظار کرنا پڑا۔ نو بجے اسکو زخمی مریض کے پاس جانے کی اجازت ہوئی۔ حکیم صاحب کی خبر سُن کے کمرہ کے دروازہ کے پاس آئی ہیں۔

نواب مرزا کی بیوی۔ آج تو آنکھ کھولی ہے مجھکو پہچانا، مگر ڈاکٹر کا حکم بات کرنیکا نہیں ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ ذرا پردہ کر لیجئے میں ڈاکٹر کی اجازت سے آیا ہوں۔

نواب مرزا کی بیوی۔ آپ بھی تو حکیم ہیں۔ اچھا میں ہٹی جاتی ہوں، یہ کہکے نواب مرزا کی بیوی گوشہ میں بیٹھ گئیں حکیم صاحب اندر گئے۔

حکیم صاحب کو نواب مرزا نے فوراً پہچانا۔ حکیم صاحب نے زخم دیکھے ایک زخم بائیں گال پر تھا ایک ہاتھ پر، سر دو جگہ سے کھل گیا تھا، نواب مرزا کی صورت ہی بدل گئی تھی۔ کہاں وہ دبلا پتلا منھ پر ایک جھری نہ تھی کسرتی بدن تھا بالکل ضعیف ہوگئے خون سیروں بہ گیا، بڈھوں کا سا منھ ہوگیا۔ تکئے پیچھے لگے ہوئے عجب حالت تھی۔ مگر یہی شکر ہے کہ جان بچگئی زندگی ہے تو پھر توانا ہو جائیں گے یہ کسکو یقین تھا کہ زندہ دیکھیں گے، ظالم نے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

حکیم صاحب۔ نواب مرزا صاحب آپ پر بڑا ستم ہوا لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے آپ کے اہل عیال پر اللہ نے رحم کیا۔ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ بہت جلد صحیح و سالم ہو جائیں گے۔ خورشید مرزا صاحب بھی آئے ہیں کل شاید آپ کے دیکھنے کو آئیں گے۔

نواب مرزا۔ مجھے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد غش آتا ہے سر میں درد ہے مگر خفیف جسم میں بہت ضعف ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ کی ہمت تو یہی چاہتی ہے کہ ابھی اُٹھ کھڑے ہوں مگر ابھی ضعف بہت ہے ابھی آپ پلنگ سے اُٹھنے کے قابل نہ ہوں اور ہوں بھی تو حرکت کرنا مناسب نہیں ہے خدانخواستہ زخموں نے جھٹکے دیا تو نقصان پہونچیگا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو کہ ملزم حوالات میں ہے۔

نواب مرزا۔ (نہایت افسوس کے ساتھ) جی ہاں معلوم ہوا۔ مگر حکیم صاحب آپ سعی کریں کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ یقیناً مجنون ہے اور شریعت میں بھی مجنون مرفوع القلم ہے، قانون کا بھی یہی منشا ہے۔ پھر تھوڑی دیر ٹھہر کے سب میری محنت رائگان ہوئی، مرادعلی فرار ہوگیا۔

حکیم صاحب۔ (متعجب ہوکے) مرادعلی تو گرفتار ہے اُسی نے تو آپ کے قتل کا قصد کیا تھا، یہ آپ مجنون کسکو بتا رہے ہیں۔

نواب مرزا۔ (چونک کے۔ نہایت جوش کیساتھ جس سے حکیم صاحب کو خوف ہوا کہ زخم نہ پھٹ جائیں، گویا اُٹھنے کا قصد تھا حکیم صاحب نے زور سے ہاتھ پکڑ کے روکا) نہیں میں اُٹھوں گا نہیں، مگر آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ مرادعلی کو چور بدمعاش جو جی چاہے کہئے اور وہ سخت سزا کا مستوجب ہے مگر اِس جُرم سے اُسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھکو اُسنے نہیں مارا۔

حکیم صاحب کو یقین نہیں ہوا، معلوم ہوا بچانا چاہتے ہیں۔ اچھا تو ہوا کیا؟

نواب مرزا۔ میں اُس منحوس ہوٹل کے رو کار کا نقشہ بنا رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص اجنبی جسکو میں نے عمر بھر نہیں دیکھا تھا آکے دفعتہً مجھ پر پل پڑا۔ ایک لوہا لگا ہوا ڈنڈا اُس کے ہاتھ میں تھا جب تک سنبھلوں تین چار ڈنڈے پڑ گئے۔

حکیم صاحب۔ ممکن ہے کہ مرادعلی بھیس بدل کے آیا ہو کسی اور کو آپ سے کیا سروکار تھا۔

نواب مرزا۔ مرادعلی ہرگز نہیں تھا وہ کسی بھیس میں ہوتا میں اُسکو پہچان لیتا۔ مرادعلی جوان ہے وہ شخص جسنے مجھکو مارا بوڑھا تھا، میانہ قد سے کچھ ہی کم۔ سر کے بال سفید بہت چھوٹے جیسے آٹھ دن سر منڈانے کے بعد ہوتے ہیں۔ چہرہ گورا سرخی لئے ہوئے، میں نے اُسکو اچھی طرح دیکھا جیسے اسوقت آپکو دیکھ رہا ہوں، واقعی مجھسے اُسکو کوئی غرض نہ تھی۔ میں کہتا ہوں دیوانہ تھا۔

حکیم صاحب۔ (کو اب تک یقین نہیں ہوتا، نواب مرزا نے اپنی جوانمردی سے مرادعلی کو بچانے کے لئے یہ حکایت تصنیف کی ہے) جناب میرے سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔

نواب مرزا۔ میں خود حیران ہوں۔ میں بیٹھا نقشہ بنا رہا تھا۔ اتنے میں وہ شخص آیا پہلے کچھ بڑبڑایا جسکو میں نہیں سمجھا، پھر کچھ ماں بہن جورو کا ذکر کیا یہ بھی میرے فہم میں نہیں آیا میں نقشہ بنانے میں ایسا محو تھا کہ میں نے بالکل توجہ نہیں کی، نہیں کیا جواب دیا جس سے وہ ٹل جائے اُسنے ایک ڈنڈا رسید کیا جو میرے منھ پر پڑا ابھی اِس ضرب سے میں سنبھلا نہ تھا کہ دوسرا سر پر جما۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے روکنا چاہا مگر آپ میں تیورا گیا تھا۔ شاید اِس حالت میں اُسنے ایک اور وار کیا۔ میں بیہوش ہوچکا تھا، پھر خدا جانے کیا ہوا

آپ کہیں گے کہ مار کھایا کئے اور تم سے کچھ نہ ہو سکا۔ اوّل تو میں نہتا تھا، دوسرے بے خبر، تیسرے وہ کھڑا تھا، میں بیٹھا ہوا تھا، اُس کا پورا وار مجھ پر پڑ سکتا تھا جب تک اُٹھیں اُٹھوں وہ اپنا کام کر چکا۔ مجھ سے بہت بوڑھا تھا۔ مگر آدمی گٹھیلا اور کثرتی معلوم ہوتا تھا۔ اگر دونوں ایک حالت میں ہوتے تو شاید وہ مجھ سے جیت پاتا۔

حکیم صاحب۔ (بالکل حیرت میں تھے مگر نواب مرزا کی انداز تقریر سے معلوم ہو گیا کہ بیان واقع ہے یا کم از کم جو سمجھے وہی بیان کرتے ہیں جان بوجھ کے غلط بیانی کا شبہ دور ہو گیا) اچھا مانا کہ مراد علی بے قصور ہے پھر کیا کیا جائے، اب وہی گرفتار ہے حتی الوسع اس الزام سے بچانے کی کوشش کی جائے گی، مگر سرکار مدعی ہے۔

نواب مرزا۔ گرفتاری تو بے جا نہیں ہے معاملات صاف ہو جائیں گے خیر ہماری آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اور بھی کچھ سنا آپنے میں مراد علی سے مصالحت پر راضی ہو گیا تھا۔ اگرچہ یہ رعایت مراد علی کی ذات سے نہ تھی، اُس کی جورو کے رونے پر مجھکو ترس آگیا۔ بہت کمسن کسی شریف کی لڑکی ہے۔ افسوس!

حکیم صاحب۔ تو کیا اُس کی جورو نے آپ سے اپنے شوہر کی سفارش کی تھی؟

نواب مرزا۔ جی ہاں، اُسی کی وجہ سے میری یہ گت ہوئی نہیں تو میں مراد علی کو مع مال مسروقہ لکھنؤ گرفتار کر کے لیجاتا۔

حکیم صاحب۔ لکھنؤ سے اُس کے فرار ہونے کی آپ کو اطلاع ہو گئی تھی، اور یہ بھی معلوم تھا کہ مال لے کے بھاگا ہے۔

نواب مرزا۔ میں نے اوسکا پیچھا نہیں چھوڑا سایہ کی طرح ساتھ رہا۔ لکھنؤ میں اُسنے مجھکو خوب جھکیاں دیں۔ میں بھی سایہ کی طرح اُس کے پیچھے پیچھے رہا۔ پہلے تو اُسکو میرا حال معلوم نہ ہوا، پھر اُسنے مجھکو دیکھ لیا کہ یہ میری ٹوہ میں ہیں، دو تین مرتبہ نوبت گفتگو کی بھی آئی مار پیٹ ہوتے ہوتے رہ گئی میں تو چاہتا تھا کہ فوجداری ہو جائے تو کل حال کھل جائیگا، مگر وہ بڑا ہوشیار ہے اس کی نوبت اُسنے خود نہ آنے دی، ایک دن کا واقعہ سنئے۔

یہ مہاجن کی کوٹھی کی طرف چھپا ہوا چلا جاتا تھا۔ میں اسکے پیچھے پیچھے تھا، وہاں سے نکل کے مجھے خیال ہوا شاید نواب خورشید مرزا کے مکان کی طرف معالی خان کی سرا جائے اسنے ناکوں سے چور کا راستہ لیا۔ پھر چھنگا مل کی کوٹھی میں گھس گیا پھر اور دو مہاجنوں کی کوٹھیوں میں گیا جن کو میں نہیں جانتا۔

حکیم صاحب۔ جہاں جہاں نواب صاحب کی دھروہر تھی اسکو سب معلوم تھا، اُسی طرح اشرفیوں کے توڑے اور جواہرات وغیرہ قابو میں کئے گئے۔

نواب مرزا۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ افسوس خورشید مرزا صاحب سے مجھ سے تعارف نہ تھا ورنہ فوراً اُن کے پاس
جا کے اطلاع کرتا۔

حکیم صاحب۔ تو کیا ہوتا، نواب صاحب کو وہ سمجھا دیتا کہ مجھے خوف ہے کہ صاحب دیوالیہ نہ ہو جائیں اس لئے
آپکا مال سنبھال لیا، نواب صاحب اُس کے کہنے میں تھے۔ ہاں پھر کیا ہوا۔ آپکی بات رہی جاتی ہے۔

نواب مرزا۔ یہ اپنے گھر کی طرف چلا، آپکو معلوم ہے کہاں رہتا تھا۔

حکیم صاحب۔ وہی اپنے چچا کے مکان میں گھڑیالی کے پاس۔

نواب مرزا۔ جی نہیں اسنے وہ مکان چھوڑ دیا تھا، اب ایلچی خان کے میدان کے قریب تنگ تاریک گلیوں
میں اسنے ایک مکان کرایہ پر لیا تھا، بڑی مشکل سے پتہ لگا، غرض یہ مکان میں گھس گیا، میں باہر ٹھہر رہا مجھے
خیال تھا کہ یہ فرار ہوا چاہتا ہے اسلئے کہ آپ کا مال، میری دانست میں اس کے قبضہ میں آ چکا تھا، اب ٹھہرنے
میں اندیشہ تھا، میری رائے غلط نہ تھی یہی واقعہ تھا۔ جب یہ چاول کی دوکان سے نکلا ہے اسکے پاس ایک
چھوٹا صندوقچہ تھا، چوک میں آکے اسنے کرنچ کا بیگ لیا جسمیں کنجی قفل ہوتا ہے، شاید دس بارہ روپیہ کو آتا ہے
خرید کیا، اس کے جانے کے بعد میں نے ویسے ہی ایک بیگ کی قیمت دریافت کی معلوم ہوا ابھی ایک بیگ بارہ
روپیہ کو بکا ہے، دوسرا اُسی کے جوڑ کا تھا۔ یہ مکان سے نہ نکلا میں نے دو گھنٹے تک انتظار کیا سخت پریشان تھا
سخت سردی کا موسم تھا، کچھ ترشح بھی ہو رہا تھا، گلی میں تاریکی ہو گئی تھی۔ میں نے مارے سردی کے جیبوں میں
ہاتھ ڈال لئے، چھتری بھی پاس نہ تھی، کوٹ کا کالر پلٹ لیا۔ اب رات ہو گئی ساڑھے آٹھ بجے گھر کا دروازہ کھلا
خود وہ تو نہیں نکلا ایک لونڈا کالا سا ہاتھ میں چلم لئے شاید آگ کی تلاش میں نکلا۔ میں نے دریافت کیا منشی
جی کیا کرتے ہیں اُسنے کہا وہ گئے ہیں، اب میں سخت حیران ہوا آخر جلد جلد قدم بڑھا کے سڑک پر آیا دیکھا ایک یکہ
پر سوار ہو رہا ہے میں بھی اسی یکہ پر جا بیٹھا، اب ہم دونوں چپکے بیٹھے، گویا ایک دوسرے سے کوئی مطلب نہیں
یکہ وکٹوریہ گیٹ کی سڑک سے اسٹیشن پہنچا، یہاں میں نے اُسکو خورشید مرزا کے مکان پر چلنے کو مجبور کیا آخر
اُسکو چلنا پڑا، وہ اسٹیشن سے سیدھا چلا آیا تانگہ نخاس کے پل پر آکے اُس سے کود پڑا اُس کے اُترنے کے تھوڑی
دیر کے بعد میں بھی تانگہ والے کو کرایہ دے کے اُترا پھر دوڑ کے اس کا پیچھا کیا یہ پھر اپنے مکان پر آیا اپنے گھر میں
گھس گیا۔ مکان میں جاتے وقت اسنے آہٹ پائی کہ آپ سرکار میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اچھا اب میں آپ کے
ساتھ چلونگا اسکا مکان بھی چل کے دیکھئے گا۔ تھوڑی دیر اس گلی میں چہل قدمی کیجئے۔ میں حاضر ہوتا ہوں۔ مگر یہ
مجھکو بالکل اسکا خیال نہیں آیا تھا کہ جس مکان میں یہ رہتا ہے اسکا دوسرا دروازہ پچھواڑے ہے۔ اب میں
لگے رہے دیر تک انتظار کیا، آخر [illegible] آواز دی، وہی کالا سا لونڈا نکلا۔ آپ کس کو پوچھتے ہیں [illegible]

منشی جی کو۔ لونڈا۔ کون منشی جی؟ میں سخت برہم ہو کے مراد علی کو اور کس کو۔ لونڈا وہ گئے بھی،
میں، کہیں نہیں گئے میرے سامنے مکان میں گئے تھے جب سے میں یہیں کھڑا ہوں۔
آپ خود آکے گھر میں دیکھ لیجئے، دوسرے دروازہ سے چلے گئے۔ میں مکان کے اندر تو نہیں گیا اس
لئے کہ پرائے مکان میں بلا اجازت جانا اچھا نہ تھا، مکان بھی دشمن کا مگر دوسری طرف سے جاکے دوسرا در
وازہ دیکھ لیا اپنی غلطی پر سخت افسوس کیا، مگر کیا کرتا مجبور تھا۔ پھر میں نے سڑک پر آکے اسٹیشن کا قصد
کیا، مینہ برس رہا تھا، اکہ سخت مشکل سے ملا، غرض اسٹیشن عین وقت پر پہونچا، اگر دو منٹ اور نہ پہونچتا
تو پھر مراد علی کا سراغ نہ ملتا۔ آخر اسی کے ساتھ ساتھ میں بمبئی تک آیا یہاں یہ آفت ہوئی، ہاں یہ کہنا
بھول گیا کہ وہ بیگ جس میں مال تھا وہ میں نے قابو میں کر لیا تھا میرے بے ہوش ہونے کے بعد خدا جانے کیا
ہوا۔

حکیم صاحب۔ واقعی آپنے سخت تکلیف اٹھائی، اختری کو آپکے زخمی ہونے کا سخت صدمہ ہے، مجھکو [illegible]
تار دینے کو کہا تھا۔ اب آپ سے رخصت ہو کے جاتا ہوں تار دیتا ہوں۔ خدا حافظ۔

باب ۲۶

حکیم صاحب نے تار دیا، پھر ہوٹل میں آئے، خورشید مرزا مراد علی سے ملنے کے لئے حوالات گئے تھے، ایک
بارسٹر کو ساتھ لے لیا تھا، مراد علی نے اس بیگ سے بہت سا مال علیحدہ کر کے اپنے منی بیگ میں رکھ لیا تھا،
گرفتاری کے وقت وہ بھی لے لیا گیا تھا۔ نواب مرزا کے پاس جو بیگ تھا وہ بھی پلس کی حفاظت میں تھا
یہ سب عدالت نے خورشید مرزا کو دیدیا۔ مراد علی نے خیانت مجرمانہ کی سزا سے بچنے کے لئے خوشی کل مال حوالہ
کیا، صرف ہزار روپیہ ذات خاص کے خورشید مرزا نے واپس دئے وہ بھی پلس کی حفاظت میں رکھے گئے، لوٹن
حوالات کے قریب ایک کوٹھری میں اکیلی پڑی ہوئی تھی۔ حکیم صاحب بڑی مشکل سے پتہ لگا کے پہونچے ہرمزی
کے آنے کا حال بیان کیا اسنے جانے سے انکار کیا۔ آخر ہرمزی لوٹن کی ماں کی خواص ہرمزی کے ساتھ گئیں
لے کے لوٹن کے پاس گئیں، آخر ان جا کے لپٹ گئی۔ ہائے بیٹی یہ تونے کیا اندھیر کیا، اسے ہم نے کس محنت
سے پالا پوس کیا، تم سخت سمجھکو کچھ بھی خوف خدا نہ ہوا۔ باپ ایسا چاہنے والا باپ جو صورت دیکھ کے جیتا

تھا۔ تونے جیتے جی مار ڈالا، آئے تو ہین خدا جانے کہان مارے مارے پھرتے ہونگے وہ اپنے ہوش ہی مین نہین ہین۔

بوٹن کے منہ مین جواب نہ تھا سوائے رونے کے۔

مان۔ ایسے ایک اُچکے چور بدمعاش جسکو نہ چوری کرتے دیر لگی نہ ایک غریب کو مار ڈالنے مین کوئی کسر رکھی۔

بوٹن۔ یا تو رو رہی تھی یا فوراً، امان چور بدمعاش جو جی چاہے کہو مگر اُسنے مارا نہین اس مقدمہ مین وہ بالکل بے قصور ہے۔

ہرمزی۔ اب تو اُس پر ثابت ہے اور کون ہوتا۔ مگر آپ کو کیونکر خبر ہوئی۔

بوٹن۔ بیٹی بڑی بات کہین چھپی رہتی ہے۔ پہلے مین لکھنؤ آئی تھی، اسٹیشن ہی پر شکل کے ایک پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھی رو رہی تھی، اتنے مین ایک مسافر وہین آکے کھڑا ہوا اُسنے حال پوچھا مین اُس سے کہہ رہی تھی۔ ایک ریل کا قلی وہین آکے چلم پینے لگا۔ وہ چپکا سنا کیا، پھر چلا گیا، کنوین کی جگت کے پاس ایک عورت اوڑھے لپیٹے بیٹھی تھی، مین نے اُس کی شکل نہین دیکھی مجھ مین اتنے حواس کہان تھے، قلی اُس عورت سے کچھ باتین کرتا رہا۔ پھر مین نے دیکھا اُس عورت نے بٹوے سے کچھ نکال کے قلی کو دیا اور وہان سے اُٹھ کے چلی گئی اور وہ مسافر جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بھی اُسی طرف کو چلا گیا۔ قلی اُن کے جانے کے بڑی دیر کے بعد آیا مجھ سے کہا بڑی بی تمھاری بیٹی جمبئی گئی ہے۔ ایک مرد اُس کے ساتھ ہے۔ اب مین نے خیال کیا کہ ہو نہو وہ شریف ہے، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کٹنی یہان بیٹھی ہے نہین تو مدعی کو فوراً گرفتار کرا دیتی۔ وہ قلی اُسی کے پیچھے لگا ہوگا اس سے جب وہ چلی گئی جب مجھکو خبر دی، آخر مین جمبئی کا ٹکٹ لے کے یہان پہنچی۔ بڑی مشکل سے تم لوگون کا پتہ ملا۔ بوٹن کے باپ پہلے ہی لکھنؤ آئے تھے۔ آخر میری ماما نے نہ مانا مین بھی چلی آخر ہوئی۔

حکیم صاحب۔ دروازہ کے قریب یہ سب بیٹھے سن رہے تھے آخر ان کے دل مین ایک خیال پیدا ہوا فوراً بوٹن کی مان سے پوچھا۔ ذرا مجھ سے اپنے شوہر کا حلیہ تو بیان کیجیے شاید مین تلاش کر سکون، بوٹن کی مان نے بیان کیا گورے ہین سرخ و سفید رنگ ہے قد کے بہت لمبے نہین ہین بہت ٹھگنے بھی نہین ہین

حکیم صاحب۔ نواب مرزا نے یہی صورت بیان کی تھی یہ اور آفت ہوئی۔ حضور مرزا ہو جاسے کی بیٹی کا جب سکھ ایک طرف ایک شریف آدمی دوسری بلاؤن مین مبتلا ہوئے غصہ مین کچھ خیال نہ آیا آپکی جرح و دریافت نہ کیا۔

حکیم صاحب۔ بوٹن سے اچھا ذرا اتنا تو بتا دو نواب مرزا صاحب نے تم سے کہان باتین ہوئی تھین۔

بوٹن۔ ذرا جھجک کے شاید اُسکا خیال بھی اصل واقعہ کی طرف فوراً پہونچگیا۔ نواب مرزا صاحب ہوٹل کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے مین بھی موقع پاکے وہین چلی گئی تھی۔ وہ بیچارے بڑے نیک آدمی ہین جو مین نے کہا فوراً مان لیا۔

حکیم صاحب۔ بس مجھے اتنا ہی دریافت کرنا تھا سخت مشکل کا سامنا ہے۔

ہرمزی ابھی تک تو یہی سمجھ رہی تھی کہ بوٹن مراد علی کو بچانے کے لئے جھوٹ کہہ رہی ہے کہ وہ بے گناہ ہے مگر اب اصل واقعہ کی طرف اُس کا بھی خیال رجوع ہوا۔

بوٹن کی مان۔ فوراً بات کی تہ کو پہونچگئی، سر پیٹ کے، ہے کم بخت پیدا ہوتے ہی مرجاتی جہان اور چار کو رو پیٹ کے بیٹھ رہی تھی اسکو بھی رو لیتی۔ اس ضعیفی مین باپ کو کس آفت مین ڈالا۔

حکیم صاحب۔ آپ گھبرائے نہین نواب مرزا کو آپ نہین جانتین وہ فوراً راضی نامہ دے دین گے ہر طرح کی رعایت کی جائے گی، مگر افسوس تو یہ ہے کہ سرکار مدعی ہے۔ خیر جو کچھ ہوسکے گا کیا جائیگا۔

حکیم صاحب ان سب کو ہوٹل مین لے گئے۔ خورشید مرزا صاحب بھی آگئے تھے، اُنھون نے بیان کیا کہ مراد علی نے کل کا کل غذات نوٹ زیور جواہر سب حوالہ کر دیا۔ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اُس کا ہزار روپیہ سرکار مین محفوظ ہے۔

حکیم صاحب۔ لیکن اس مقدمہ مین کیا ہوگا۔

خورشید مرزا۔ (ابھی بوٹن کے واقعات سے بے خبر تھے) مراد علی اس جرم سے انکار کرتا ہے مگر شہادت اُس کے خلاف ہے۔ ہوٹل کے آدمی نے گلا گھونٹتے دیکھا تھا۔ کئی بار نواب مرزا مین اور مراد علی مین سخت گفتگو ہو چکی تھی اس کی بھی شہادت ہے۔ بیگ نواب مرزا نے چھین لیا تھا وہ اُنکے اسباب سے نکلا، کنجی مراد علی کے جیب سے نکلی۔ عدالت کو پورا واقعہ تو معلوم نہین مگر یہ قیاس کیا گیا ہے کہ معاملات زر کی تکرار تھی۔ اُس عورت کو جسکا بوٹن نام ہے نواب مرزا سے باتین کرتے دیکھا گیا تھا۔ غرضکہ بہت سے واقعات سے نواب مرزا اور مراد علی مین خصومت کا ثبوت ملتا ہے۔ مراد علی کو سخت سزا ہوگی، میری شہادت کی بھی نوبت آئے گی، ان سب عورتون کی شہادت ہوگی۔ کوئی صاحب محسن علی بھی ہین، ان واقعات کے سلسلہ مین کل شام سے گرفتار ہین۔

حکیم صاحب۔ گھبرا کے محسن علی گرفتار ہوگئے۔

خورشید مرزا۔ کیا آپ محسن علی کو جانتے ہین؟

حکیم صاحب۔ محسن علی ہرمزی کے ماموں ہین۔

خورشید مرزا۔ اُن سے کیا واسطہ۔ ہان اب مین سمجھا یہ بوٹن اُنھین کی صاحبزادی ہین۔
بوٹن کی مان۔ حضور ہان اس نامراد بیٹی کے بدنصیب باپ وہی ہین۔ دیکھیے بڑھاپے مین کیا قسمت کا لکھا پورا ہوتا ہے۔
خورشید مرزا۔ سخت افسوس کرکے، آپ خاطر جمع رکھیے نواب مرزا کا راضی نامہ ہوجائیگا۔ مین بارسٹر کردونگا۔ ہر طرح اُن کے بچانے کی کوشش کی جائے گی، مگر کیا کیا جائے، اس معاملہ مین مشکل ہی مشکل ہے، مین تو سمجھتا تھا کہ یہ بھی مراد علی کی حرکت ہے مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم مین وہ بے قصور ہے، مین تو کہتا ہون وہ کم بخت پھنس جاتا تو خوب ہوتا۔
حکیم صاحب۔ مگر ناکردہ گناہ کو سزا دیوانا بھی تو خلاف انصاف ہے خواہ کیسا ہی بدمعاش ہو۔
خورشید مرزا۔ یہ درست ہے تو پھر محسن علی صاحب کا بچنا محال ہے کیونکہ سرکار مدعی ہے نواب مرزا کے راضی نامہ سے جرم خفیف ضرور ہوجائیگا۔
محسن علی کی رہائی کے لئے پوری کوشش کی گئی، نواب مرزا نے راضی نامہ داخل کردیا، بارسٹر نے جملہ واقعات پوست کندہ بیان کئے، جوان لڑکی کا فرار ہونا عالی خاندانی عزت چال چلن یہ سب کہا گیا، فوجی جنون کے دورہ پر بڑی حجت ہوئی، مگر سرکار مدعی قتل انسان مستلزم سزا۔ آخر کار قرار داد جرم پر میعاد چھ ماہ قید با مشقت پانچسو جرمانہ۔ جرمانہ کی رقم خورشید مرزا نے ادا کی اپیل کی تجویز ہوئی مگر وکلا نے کہا کہ سزا بالکل کم دی گئی ہے ایسا نہ ہو اپیل سے اور بڑھ جائے۔ پھر جیل مین ریشہ دوانی ہوئی۔ آخر اسپتال مین لے گئی۔ اب بمبئی مین آئے ہوئے ایک ماہ سے زائد ہوچکا تھا لکھنؤ کی واپسی پر مشورہ ہوا۔
بوٹن کو سب نے سمجھایا کہ مان کے ساتھ گھر چلی جائے مگر اس بدنصیب نے کسی کی نہ سنی ایک زبان ہی مرغ کی ایک ٹانگ۔ اب تو جو کچھ میری تقدیر کا لکھا تھا پورا ہوا اب مین ہرگز گھر نہ جاؤن گی آخر سب نے مجبور ہوکے اس کو اس کی تقدیر پہ چھوڑا۔ نواب مرزا نے جو دو ہزار روپیہ کا اس سے کیا تھا خورشید مرزا اگرچہ اس کے خلاف تھے مگر جب اُنھون نے نواب مرزا کو اپنے پاس سے دینے پر آمادہ پایا کچھ روپیہ انکے پاس تھا باقی کے لئے بیوی کا زیور گروی کرنے کے لئے موتی بھائی سے بات چیت کی، موتی بھائی بلا رہن زیور ہزار روپیہ قرض دینے کو آمادہ ہوگئی۔ نواب مرزا کی جوان مردی اور مروت کا سکہ دلون پر بیٹھ گیا تھا خورشید مرزا نے بخوشی ہزار روپیہ دے دیئے۔
بوٹن کی رخصتی قیامت کا سنا ٹا تھا پھر تو نواب مرزا کی بیوی سب سمجھا کے تھک چکے، مان چھین

زار زار رو رہی ہیں۔ سب سے مل کے نہایت بے پروائی کے ساتھ جہاز میں سوار ہو گئی، جہاز میں جا کے وطن ماں باپ عزیز کنبہ کی جدائی کا خیال آیا ایک کونے میں جہاز کے منھ چھپا کے بیٹھ رہی۔ جہاز کا لنگر اُٹھا۔ سب ہوٹل کو واپس آئے کوئی بوٹن کو بُرا کہہ رہا ہے، کیسے کٹر دل کی ہے نہ باپ کی قید کا خیال نہ ماں کے رونے پیٹنے کا، مگر اُس کا چلتے چلتے یہی کلام تھا کہ اب تو جو قسمت میں لکھا تھا پورا ہو کر کے چھوڑ دینا بہت بُرا ہے۔ اس کے بعد سنا گیا کہ بوٹن پر سخت مصیبتیں گذریں، مراد علی نے چھوڑا تو نہیں مگر ناداری ایسی تھی کہ صبح سے شام تک دشواری سے پیٹ بھر کے کھانے کو ملتا تھا۔ مگر وہ اپنی قسمت پر شاکر رہی اور وطن کا رخ نہ کیا۔ بُری ہو یا بھلی بات کی سچی اور قول کی پوری تھی۔

ماں باپ کی اکلوتی دُلاری لڑکی جسکو ماں باپ کے دُلار نے تباہ کیا، کس ناز و نعمت سے پرورش پائی ہر بات میں اپنی ضد، باپ آنکھ دکھاتے ہیں تو اماں جان بگڑ رہی ہیں، اب یہی ایک تو اندھیارے گھر کا اجالا ہے کیا اسکو بھی مار ڈالوگے۔ ماں کبھی خفا ہوئیں تو باپ بیٹی کی طرف سے لڑ رہے ہیں دیکھو صاحب تم میری لڑکی کو نہ کچھ کہا کرو، کسی کا خوف اُس کے دل میں نہ تھا وہ سمجھ گئی تھی کہ جو کچھ میرا جی چاہے وہی اچھا ہے کیونکہ اُس کی ہر بات کو سب اچھا ہی اچھا کہتے رہے تھے، غرض دونوں نے اپنے اپنے کیے کی سزا پائی۔

خورشید مرزا، نواب مرزا، حکیم صاحب، آغا علی، ہرمزی، بوٹن کی ماں، نواب مرزا کی بیوی یہ سب لکھنؤ پہنچ گئے، اختری کے جواہرات نوٹ سب اختری کو مل گئے کیونکہ اب اُس کے قانونی بلوغ میں تین مہینے اور باقی تھے۔

بمبئی سے آنے کے بعد اختری نے ہرمزی کو اسکول کی نوکری نہ کرنے دی۔ گھر میں کام ہے تو باہر کی نوکری کیوں کرتی ہو۔ ہرمزی اسکو قبول نہ کرتی تھی مگر اختری کا ایسا ہی دباؤ سب پر تھا۔ خواہ دولت کا دباؤ ہو خواہ نیکی کا دباؤ ہو بلکہ دونوں کو اُس کی بات کا ٹالنا دشوار تھا۔ اختری نے ہرمزی کے بارے میں ایک فیصلہ کر لیا تھا ابھی وہ منھ سے نہیں نکالتی تھی۔

باب ۲۷
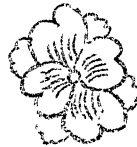
اختری کی دولت کا حال کھلتے ہی سیکڑون خواہان پیدا ہو گئے۔ سیکڑون رقعہ خواستگاری کے لیے خورشید مرزا صاحب کے پاس آئے۔ آخر خورشید مرزا نے عندیہ لینے کو ہرمزی کی مان کے ذریعہ سے خود اختری سے دریافت کیا اُنھون نے نہایت بزرگانہ طریقہ سے اختری سے پوچھا، ایک دو مرتبہ تو اختری اُس بات کو ٹال کے اُٹھ گئی جب زینب بیگم نے اصرار کیا، اختری نے صاف انکار کیا۔

اختری۔ دیکھیے وہ میری امان جان کی بات سامنے آئی نہ؟ پانچ برس سے مامون جان کے گھر مین رہتی ہون لوگون کو معلوم تھا کہ مین اُن کی روٹیون پڑی ہون اُس زمانہ مین کسی کا رقعہ نہ آیا اب کیا مجھ مین شاخ زعفران ہے کہ میری شادی کے پیام روزمرہ آتے ہین۔ مین نے سب کچھ سنا اور تو اور خود میرے نوکرون نے مجھ سے نہل تذکرے کیے مین نے کسی کو نرمی سے کسی کو سختی سے جواب دیدیا، مجھکو ہرگز منظور نہین۔

زینب بیگم۔ تو کیا بیٹی زندگی بھر بیٹھی رہوگی، ہماری تو خوشی یہی ہے کہیں تمھاری شادی ہوتی بال بچے ہوتے، آخر دولت ہوئی تو کیا ہوا جب اُسکا مزا نہ پایا۔

اختری۔ آپ بزرگ ہین مین آپکو جواب نہین دے سکتی۔ اتنا کہتی ہون کہ ابھی تو کسی طرح مجھ منظور نہین ہے، پہلے بہن نادری اور جعفری کا ٹھکانا ہو جائے، ہرمزی بہن کے بارے مین تو ایک بات میرے دل مین ہے اگر اُن کی شادی کیجیےگا تو پہلے مجھ سے دریافت کر لیجیےگا۔

اسی زمانہ مین اختری کا ٹھاٹھ امیرانہ ہونے لگا تھا۔ عملہ بڑھایا گیا تھا۔ باہر کی خدمتگار اور سپاہی نوکر ہوئے تھے، پہرے چوکی کا انتظام قرار واقعی کیا گیا تھا۔ اندر بیش خدمتین مغلانیان مصاحبین چھٹی نویس، کہاریان، باری داریان، پرانے نوکرون کی تنخواہین بڑھائی گئین، رحیمن محلدار ہوئین، امام علی جمعدار تھے۔ فنس کہار غرضکہ پورا امیرانہ سامان اچھی خاصی سرکار بن گئی۔

بیگم ستمگار رندون کے منہ مین پانی بھر آتا ہے کوئی نام پر عاشق کوئی دیوانہ۔ کوئی باہر سکنے والے نوکرون کے ہاتھ جوڑ رہا ہے روپیہ دکھا رہا ہے، ہمارا پیام کوئی کہتا ہے ہماری ایک گلوری کھلا دو، کوئی کہتا ہے ہمارے رقعہ کا جواب لا دو پچاس روپیہ ابھی گنوا لو۔

ان سب مین ایک بہت ہی چالاک مالا منہ نوکرون مین مسماۃ حسینی نے نامہ وپیام کے بہانے سے بہت سے پیسے کمائے، اسی زمانہ مین ایک جوان عورت شہزادی چھٹی نویسون مین نوکر ہوئی، صورت شکل کی اچھی تھی اختری سے کچھ جھجک سی ملتی تھی - بڑی خوش مزاج یا مذاق، بات بات مین شعر غزل لطیفہ گانے بجانے مین مشاق خوش گلو - یہ اپنی صحنچی مین بیٹھی ہوئی تھی، پاندان کھلا ہوا تھا حسینی جو باہر سے آئی تو وہ بھی پان کی لالچ سے انھین کے پاس جا بیٹھی، اُس کے ہاتھ مین ایک لفافہ تھا۔

چھٹی نویس - یہ لفافہ کیسا ہے؟

حسینی - کیا کہون بیوی ایک مردوا میرے پیچھے پڑگیا ہے کہ یہ لفافہ اپنی سرکار کو پہونچا دو - مین نے کہا موئے کچھ شامت آئی ہے - ابھی سپاہیون کو بلا کے کہدون گی تو خاصی مرمت ہوجائے گی، موئے کٹنے ہماری سرکار کوئی ایسی خانگی ہین جو باہر کے مردون سے رقعہ بازی کرتی ہین - مجھ سے یہ باتین ہو رہی تھین کہ اُدھر سے حسین علی (خدمتگار کا نام ہے) نکلے اُنھون نے مجھکو آنکھ سے اشارہ کیا لے بھی نے پھر اُسی مردوئے سے اور حسین علی سے چپکے چپکے باتین ہوئین - وہ مردوا چلا گیا - حسین علی نے مجھ سے کہا کہ لفافہ مجھکو دیدو - مین نے کہا واہ مین بھی تو دیکھ لون اسکو چھٹی نویس سے پڑھوا کے اسمین لکھا کیا ہے، لو یہ لفافہ کھول کے پڑھو تو ذرا مین بھی سنون - لفافہ تو بڑا پیارا ہے دیکھو کنارون پر جالی کیسی کٹی ہے اور خوشبو کیسی آتی ہے عطر مین ڈوبا ہوا ہے۔

چھٹی نویس نے لفافہ کھولا "خط نکلا اچھا لفافہ تھا اُسی کے جوڑ کا کاغذ کیسے خوبصورت کنارے سفید جیسے ہاتھی دانت کے اور کیسی خوبصورت باریک جالی کٹی تھی اگر کے عطر سے بسا ہوا تھا) دیکھو اس لفافہ کا حال کسی سے نہ کہنا دیکھنا کیسی دل لگی ہوتی ہے - شام کو حسین علی کو ڈیوڑھی پر بلا لانا ذرا اُس سے دو دو باتین ہوجائین، مردوئے اپنے کو بڑا چالاک جانتے ہین کوئی ہم پر عاشق ہوجائے سب دولت ہم کو کھلائے - یہ اختری بیگم ہین کوئی اور چھوکری نہین کہ جلدی سے پھسل جائے، ہماری سرکار خدا رکھی ہفت زبان ہفت قلم نہین معلوم کون کون سی بدیا پڑھی ہین وہ کسی کے دام مین آنے والی نہین - چھٹی نویس نے ادہر اُدہر دیکھ کے کوئی دیکھتا نہ ہو رقعہ پڑھا - لکھا تھا -

"گل گلزار خوبی بلبل شاخسار محبوبی زید حسنہا - جب سے آپکے حسن خداداد کی تعریف سنی ہے" نادیدہ مبتلائے عذاب ہون نہ دن کو چین آتا ہے نہ رات کو نیند دن رات آپ کی یاد دلمین اور آپ کا نام زبان پر رہتا ہے اگر چندے یہی حال رہا تو تڑپ تڑپ کے مرجاؤنگا، آپ پر ایک بندہ خدا کا خون ہوگا، لہذا میری حالت زار پر رحم کیجئے اور اپنا جمال جہان آرا ایک

نظر دکھا دیجیے، میری جوانی پر ترس کھائیے اگر سخت جانی مرنے نہ دیگی کچھ کھا کے سو رہونگا
میرے تھوڑے لکھے کو بہت سمجھنا زیادہ سوائے اشتیاق کیا لکھوں"

راقم اُمیدوار دیدار، نام درمیانی سے معلوم ہوجائیگا۔

چھٹی نویس — اے ہے عاشقانہ خط لکھنے کی بھی تمیز نہیں، آپنے دیکھا نہ بھالا آپ عاشق ہیں جان دیتے ہیں مرجائینگے کچھ کھا کے سو رہینگے، بہتر ہے آپ کی اماں جان کو بڑا رنج ہوگا اور کسی کی بلا کیوں رنج کرنے لگی۔

بوا حسینی تو یہ خط سُن کے کڑھنے لگیں، چھٹی نویس ٹھٹھے لگانے لگیں۔

بوا حسینی — اے ہے بیوی تم بڑے دل کی کڑی ہو۔ اور جو سچ مچ کھا کے سو رہے تو خون ہوا نہ؟

چھٹی نویس — بوا افیم بہت مہنگی ہے کون کھاتا ہے۔ کوئی افیمی ہوگا کسی دن ماشہ بھر زیادہ کھالے گا، مرنے ہزاروں کو سُنا جنازہ کسی کا نہ دیکھا نہ کوئی مرتا ہے نہ جیتا ہے، یہ مردوں کے فیل ہیں۔

بوا حسینی — اے ہے ہنسی کی بات نہیں ہے ابھی ہمارے محلہ میں ایک نواب رہتے تھے کیسے جوان خوبصورت رنڈی سے کچھ تکرار ہوئی ہرتال کھا کے مر گئے۔

چھٹی نویس — خوب ہوا ایسے نالائقوں کا مرنا ہی اچھا خس کم جہان پاک۔ اچھا تمھاری خاطر سے میں مرنے نہ دونگی، برسوں سسکا رکھونگی، ذرا تم حسین علی کو میرے پاس بلا لانا موقع دیکھ کے کوئی ڈیوڑھی پر اور نہ ہو۔

مختصر یہ کہ بوا حسینی حسین علی خدمتگار، اور چھٹی نویس کی ایک گٹھ ہو گئی۔ حسین علی نے خط کا جواب پہنچا دینے کا وعدہ کیا چھٹی نویس نے جواب لکھا۔

وصل میں تاخیر ممکن ہی نہیں،
عشق بے تاثیر ممکن ہی نہیں

"آپکا اشتیاق نامہ دیکھ کے ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا۔ ہنسی تو اس لئے کہ نا دیدہ" گرفتاری اور یہ بیقراری آہ وزاری اختر شماری اگر کہیں میری صورت دیکھ لی تو دشمنوں کی جان پر بنجائے گی اس لئے پروا ہی مناسب ہے افسوس اسلئے ہوا کہ خدانخواستہ اگر آپنے رحلت کی تو ہم کو کون چاہیگا۔ آپنے لکھا ہے جی چاہتا ہے کچھ کھا کے سو رہوں، آپکو اپنی پیاری جان کی قسم ایسا نہ کیجیے گا اور اگر بالفرض یہ قصد مصمم ہو گیا ہو تو ہماری ناز برداری کے لئے کسی اور کو تجویز فرما دیجیگا" باقی اُمیدوار راقمہ وہ جس کا نام آپکو خوب یاد ہے"

یہ رقعہ لکھ کے چھٹی نویس نے حسین علی خدمتگار کی معرفت عاشق زار دل فگار کو پہونچا دیا۔

اس رقعہ کے انعام میں دس روپیہ ملے پانچ روپیہ چھٹی نویس نے لئے تین روپیہ حسین علی کو اور دو بوا حسینی کو ملے۔ پہلی بوہنی ہوئی۔

منصور نگر میں حیدر بیگ خان کی حویلی کے پچھواڑے ایک اونچے ٹیکرے پر پختہ مکان ہے صحن بہت وسیع ہے یہ مکان کسی زمانہ میں خوب سجا سجایا قابل سکونت کے ہوگا بالفعل فقط آگے پیچھے دو دالان اندر کا دالان جسکی آدھی چھت متواتر برساتوں میں ٹپکتے ٹپکتے آخر آدھی گر پڑی، آدھی چھت کا پانی اس طرف گر پڑا کرتا ہے اس لئے اب تک نہیں گری آگے کے دالان کی چھت باقی ہے اور یہی نواب گوہر مرزا کی سکونت کا مقام ہے اس مکان کے اور کمرے کی صحنچیاں کوٹھریاں سب گر پڑی ہیں، ڈیوڑھی باقی ہے اسمیں نواب صاحب کا ملازم خاص بردار خدمتگار دربان چوبدار بکاول غرض جو کچھ ہے یہی ہے۔ نواب صاحب کے مصاحبین کبھی ناغہ نہیں پاتے۔ صرف ایک ماشہ بھر افیون روزانہ نواب صاحب کی خاص ڈبیہ سے ملجاتی ہے۔ یہ ڈبیہ بی چھنی جان کی بخشی ہوئی تھی مگر اب اُسکا وہ قدیم اثر تو جاتا رہا ہے لیکن پھر بھی کچھ باقی ہے۔ افیم جو اسمیں رکھی جاتی ہے اسمیں بڑی برکت ہوتی ہے۔

چھنی جان کی بخشی ہوئی ڈبیا

روایت ہے کہ ایک صاحب علی مرزا نامی افیون سے شوق رکھتے تھے اور آمدنی بہت قلیل تھی آخر اثاث البیت کے فروخت کی نوبت آگئی، آج ایک پتیلی گئی کل دوسری اسی طرح ایک ایک کرکے تمام تانبے کے برتن گرو ہوگئے، جب نبئے کا سود زیادہ بڑھ گیا تو آخر بیچنا پڑے اب مٹی کی ہانڈیوں میں کھانا پکنے لگا، کپڑوں کی نوبت آئی وہ بھی سب بک گئے آخر نوبت باین رسید کہ ایک دن بیوی کا ایک پائجامہ باقی تھا وہ شادی بیاہ میں جانے کے لئے رکھ چھوڑا تھا، کچھ ایسا قیمتی نہ تھا۔ افیم نہ تھی گروی ہونے کو نکالا گیا، آج علی مرزا کو طیش آگیا پائجامہ چھین کے رکھ لیا اور قسم کھا بیٹھے کہ آج سے افیم نہ پیونگا، دو تین وقت تو خیر کسی طرح گذر گئی مگر تیسرے دن بُرا حال ہوا۔ چارپائی پر پڑے ہیں دست جاری ہیں، آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ آدھا آنا کاٹ دی گئی ہے ماں بہنیں تسکین دے رہی ہیں بیوی قدموں پہ سر رکھ رہی ہیں، دوست منتیں کر کے ہار گئے مگر یہاں ایک نہیں ہزار نہیں کسی طرح نہیں سنتے اب غشی کی نوبت ہے دم شماری کا عالم ہے سب نے سمجھ لیا کہ ان کی موت اسی بہانہ لکھی تھی، اب کوئی دم کے مہمان ہیں۔ اتنے میں کسی نے باہر سے آواز دی۔ علی مرزا صاحب! گھر میں عورتوں نے جواب دیا آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں اسکا کوئی جواب نہیں

ذرا اُن کو یہان بھیجدیجئے۔ کہا گیا کہ اُن مین باہر آنے کی طاقت نہین ہے پھر اُسنے کہا آپ اُن کو ذرا بھیجدیجئے
ایسے صاحب کس کو بھیجدین وہ اپنے ہوش مین بھی ہون اُسنے پھر آواز بلند پکارا۔

علی مرزا صاحب۔ انھون نے غش سے آنکھین کھولدین چارپائی سے اُٹھے اور باہر چلے گئے سب کو
حیرت ہوگئی، اب باہر سے کسی طرح اندر نہین آتے ایک گھنٹہ سے زیادہ ہوگیا آخر ایک عورت نے دروازہ کے
پاس جاکے دیکھا دروازے پر کوئی نہین، علی مرزا اُسی پکارنے والے کے ساتھ چلے گئے، سخت تعجب ہے۔

علی مرزا جب مکان سے باہر نکلے ایک خدمتگار باہر کھڑا تھا اُسنے کہا چلیئے بُلایا ہے یہ ساتھ ہوئے وہ اُنکو
کشان کشان تال کٹورے کی طرف لے چلا۔ اب یہ لاحل معما ہے کہ ان مین طاقت رفتار کہان سے آگئی جو خود
اُس کے ساتھ ساتھ چلے جاتے تھے۔ تال کٹورے سے بہت دور پہونچ کے ایک جنگل پڑتا ہے اس جنگل مین
ایک خیمہ لگا تھا چلمنین پڑی تھین خدمتگار نے کہا جائیے آپ سے کوئی چھپنے والا نہین ہے۔ خیمہ کے اندر گئے
دیکھا ایک ادھیڑ سی عورت بیٹھی ہے آدھے بال سفید آدھے سیاہ موٹی سی سیاہ فام سی اور ایک نازنین دھانی
ساری باندھے بسنتی دوپٹہ اوڑھے پلنگڑی پر منہ لپیٹے بیٹھی ہے۔ علی مرزا کو دیکھتے ہی اُس ادھیڑ عورت نے
کہا۔

واہ صاحب اسی طرح کسی سے چاہ کرتے ہین دیکھئے اسی لئے پہلے چھوکری آپ کو منہ نہین لگاتی تھی
آپ پیچھے پڑگئے آخر جب اُسنے آپ کو منہ لگایا تو آپ نے چھوڑ دیا، جاؤ صاحب ذرا اُس کا منہ کھول کے
منہ دھلواؤ پان کھلاؤ۔ یہ آگے بڑھے منہ سے دوپٹہ ہٹایا دیکھا کہ جوان عورت کوئی سولہ سترہ برس کا سن
پری کا سا نقشہ مگر سیاہ فام۔ اب ان کو معلوم ہوا کہ یہی حبشی بیگم ہین جن کو لوگ افیم کہتے ہین۔ علی مرزا نے
ہوشیار کیا اُنھین دے کے پلنگ سے اُٹھایا منہ دھلوایا پان کھلایا، مگر اُن بڑی بی سے یہ کہا کیا کرین حضرت
کہان سے ان کی خاطرداری کرین، پیسہ کا تو کہین پتہ نہین روٹیون کی محتاجی ہے۔ بڑی بی اچھا جناب
سے محبت کریگا وہ اس کا بھی خیال رکھیگا۔ ایک ڈبیہ افیون سے بھری ہوئی انکو دی اور یہ کہا کہ یہ لیجیے
خود لیجئے لوگون کو پلائیے مگر ایک کام کیجئے گا کیسی ہی ضرورت ہو تھوڑی افیم اسمین چھوڑ دیا کیجئے گا ایک
خشخاش کے دانہ کے برابر یہ نہ کیجئے گا کہ کبھی بالکل خالی کرکے ڈبیہ دھو ڈالیئے نہین تو پچھتائیگا۔ علی مرزا
کے پاس یہ ڈبیہ برسون رہی خود بھی پیتے تھے لوگون کو پلاتے تھے، پھر ڈبیہ بند کرکے رکھدیتے تھے پھر جب
کھولا اُسی قدر افیم موجود پائی۔ ایک دن اُن کی بیوی نے جو کھول کے ڈبیہ دیکھی ان کو اس کی کیا خبر
تھی کیونکہ علی مرزا کو کسی سے اس راز کے بیان کرنے کی اجازت نہ تھی، بیوی نے ڈبیہ دھو کے رکھدی ادھر
جو علی مرزا نے دیکھا سر پیٹ لیا ادھر بیوی بیچاری کاٹو تو لہو نہین۔ ہائے مین کیا جانتی تھی، علی مرزا صاحب

کے انتقال کے بعد گوہر مرزا صاحب یہ ڈبیہ پانچ روپیہ علی مرزا کی بیوی کو دے کے لے آئے تھے اب بھی اسمین اتنی تاثیر تھی کہ اس ڈبیہ مین جو افیم رکھی جاتی تھی اوسمین دوگنا نشہ ہوتا تھا - جو دو ماشہ پیتا تھا اُسکو ایک ماشہ کفایت کرتی تھی - ناظرین کہین گے کہ یہ قصہ بالکل دروغ ہے - ہم کہتے ہین ایسا ہی ہوگا جس طرح سُنا تھا لکھدیا دروغ بگردن راوی ، واہمہ خلاق ہے اور افیون کا خاص اثر اس قوت پر ہے ممکن ہے کہ اُسی کا کرشمہ ہو اور علی مرزا نے اُس حالت مین جب افیون چار پانچ دن سے نہین پی تھی ، اس کرشمہ کا دیکھنا ، ہرگز بعید از قیاس نہین ہے - جو صاحب اسکے قائل نہ ہون کچھ دن شوق کرکے چھوڑ دین جھوٹ سچ کھل جائیگا

نواب صاحب کے ہاتھ مین وہی رقعہ ہے بار بار پڑھتے ہین اور مصاحبین کو سناتے ہین -

مصاحب ۱ (میر صاحب) واللہ نواب بڑا پڑاؤ مارا - لاکھون کی دولت پائی -

مصاحب ۲ (خانصاحب) اسمین تعجب کیا ہے ہمارے نواب صاحب کیا ایسے ویسے ہین - اور کچھ نہ سہی فقط صورت شکل ماشاء اللہ ہزار دو ہزار مین ایک ہین - ایسے طرحدار جوان دیکھنے مین آتے ہین ،

نواب صاحب کی صورت ملاحظہ ہو

رنگ گورا ہے مگر تن بدن مین خون کی ایک بوند نہین چہرہ کی رنگت جیسی چھپکلی کا پیٹ ، سن شریف ۵۰ برس سے کچھ اوپر ، گدڑے کی صورت ، کمر جھکی ہوئی ، منہ پر جھریان پڑی ہوئین - ماشہ بھر افیون کی خوشامد حسن مین یکتا چاند مین میل ہے اور ان مین نہین - یہ تعریفین نواب صاحب سن رہے ہین باچھین کھلی جاتی ہین -

نواب صاحب - تو پھر اب کچھ سامان کرنا چاہئیے ، داروغہ صاحب کو بلائیے -

داروغہ صاحب - (سب سے بڑھے ہوئے افیونی کمر بالکل دوہری ہوگئی ہے پینک مین تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پیشانی زمین کے بوسے لیتی ہے جب کوئی چونکا دیتا ہے تو پھر تن کے بیٹھتے ہین مگر ٹیڑھے ٹیڑھے ہوئے جاتے ہین) آخر تو کیا تشریف لائین گی ؟ دعوت کے لئے سجٹ ہونا چاہئیے -

نواب صاحب - ابھی سے ، نفیسن کہہ گئی ہے کہ آج سہ پہر کو سوار ہون گی ، آپ بھی سوار ہو کے آئے ، عیش باغ موتی جھیل کے کنارے آمنا سامنا دو دو باتین ہو جائین گی -

داروغہ صاحب - تو پھر کون سے سامان کی ضرورت ہے ، کرایہ کی گاڑی منگوا لیجئے ، میر صاحب اور خان صاحب کو ساتھ لے لیجئے چلے جائیے -

مصاحب ۳ (مرزا صاحب) مین ضرور ہمراہ چلونگا -

نواب صاحب - بھلا مین بغیر آپکے کہین جاؤنگا - آپ ہین داروغہ صاحب سب صاحب چلیے

دو خدمتگار ساتھ ہوں۔

داروغہ صاحب۔ تو پھر دو گاڑیاں ہوں۔

مصاحب ۱۔ دو گاڑیاں کیا ہوں گی ایک ہی گاڑی پر اُترتے چڑھتے چلے چلیں گے۔

مصاحب ۲۔ بھئی واللہ کیا بات کہی ہے۔

مصاحب ۳۔ یہ بھی بیل گاڑی ہے کہ اُترتے چڑھتے چلے جائیں گے۔

مصاحب ۴۔ کیا خوب یاد دلایا ہے بیل گاڑی منگا لیجئے واللہ سفر کا لطف بیل گاڑی میں ہے "سفر کیا دور و دراز کا ہے عیش باغ امین آباد سے ایک میل کے فاصلہ پہ ہے۔

داروغہ صاحب۔ اچھا تو میں نہ جاؤں گا۔

نواب صاحب۔ نہیں واللہ، ایسا نہیں ہو سکتا۔ داروغہ کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔

داروغہ صاحب۔ نواب آپ تو سمجھتے نہیں۔ اب کیا عرض کروں میرے کپڑے ابھی دھوبن نہیں لائی میلے چکٹ ہو رہے ہیں ایسے کپڑے پہن کے جانا مناسب نہیں ہے۔ آپ کی بدنامی ہے۔

مرزا صاحب۔ کھڑے گھاٹ دُھلوا لو، لے تو میں دریا جاتا ہوں اپنے بھی کپڑے دھلوا تا لاؤں گا اور آپکے بھی۔

داروغہ صاحب۔ پہلے کچھ روپیہ کا بندوبست کرنا چاہیے، تو کپڑے آپ کو دیدوں پھر مہاجن کے پاس کیونکر جاؤں۔

نواب صاحب۔ روپیہ کی تدبیر مقدم ہے تو آپ جائیے۔ اور ہاں خوب یاد آیا۔ چاندی کا خاصدان لُٹیہ۔ چاندی کی گڑگڑی یہ سامان بہت ضروری ہے۔

داروغہ صاحب۔ اسی لئے تو میں نے عرض کیا تھا آج کی میرا جانا نہ ہوگا، کیا آج ہی کا دن، خدا چاہے تو آکلی آپکے دولت خانہ پر تشریف لائیں۔

مرزا صاحب۔ ذرا دولت خانہ کی حالت تو دیکھئے۔

نواب صاحب۔ مناسب ہے کہ ایک مکان سر راہ کرایہ پہ لے لیا جائے اور وہیں نشست رہا کرے۔

خان صاحب۔ آجکل مکانوں کا کرایہ بہت گراں ہو گیا ہے۔ بیس پچیس روپیہ ماہوار سے کم کا نہ ہوگا۔

شیخ صاحب۔ درست ہے اس سے بھی کیا کم ہو۔

داروغہ صاحب۔ مگر یہ صرف کہاں سے آئیگا۔ کوئی جائداد رہن یا بیع کیجائے۔

نواب صاحب۔ روپیہ کا بندوبست کسی طرح ہونا چاہیے رہن ہو یا بیع۔
داروغہ صاحب۔ یہ ہزاروں کے معاملے ہیں آج تو ہوئے نہیں جاتے۔ آج تو خاصدان لیجیے گڑگڑی مہاجن سے کرایہ پر منگوائی جائے گی۔ پچاس روپیہ میں کسی نہ کسی طرح لے ہی آؤنگا۔ مگر میں صاف کہدوں مجھے تو ابھی یہ معاملہ خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔
اتنا کہنا تھا کہ خان صاحب شیخ صاحب میر صاحب مرزا خود نواب صاحب بیچارے داروغہ پر گویا برس پڑے جیسے کسی نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ خلاف قیاس کیسا یوں سمجھے کہ یہ معاملہ ہوگیا، ذرا رقعہ کو ملاحظہ کیجیے۔ دوسرے حسینی قسمیں کھاتی ہے کہ بیگم صاحب نواب صاحب کے نام پر فدا ہیں حسینی علی کو میں خوب جانتا ہوں وہ مجھ سے کبھی جھوٹ نہ کہے گا۔ اور آج ہی سرشام تک کا انتظار ہے جھوٹ سچ کھلا جاتا ہے۔
داروغہ صاحب۔ خیر خدا ایسا ہی کرے۔ اچھا تو میں جاتا ہوں۔
سرشام، موتی جھیل کے کنارے دو گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آئیں کوئی پچاس قدم کے فاصلہ سے جب سورج غروب ہوگیا، نواب صاحب تنہا طلب ہوئے۔ معمولی مزاج پرسی۔ گاڑی کے اندر سے پاندان کے کھلنے کی آواز آئی۔ ایک پان بنا کے نواب صاحب کو دیا گیا۔ نواب صاحب نے اپنا خاصدان منگایا وہ گاڑی میں داخل ہوا۔ پھر تھوڑی دیر میں مہری سے حقہ مانگا گیا۔
مہری نے جواب دیا، حضور لونڈی خطا دار ہے بھول گئی، یہ گویا حسن طلب تھا۔ نواب صاحب نے گڑگڑی چلم سلگتی ہوئی منگوا کے گاڑی کے اندر اپنے ہاتھ سے دی، نواب صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اچھی طرح بیگم صاحب کو دیکھا مگر فوراً دوپٹہ سے منہ چھپا لیا۔ بیگم صاحب نے خود کوئی بات نواب صاحب سے نہیں کی۔ ساتھ والیاں بات چیت کرتی رہیں۔ دوبارہ نواب صاحب کے مکان پر ملنے کا وعدہ ہوا۔ نہ خاصدان پھر گاڑی سے نکلا نہ گڑگڑی۔ بیگم صاحب سے کس کی مجال تھی جو مانگ سکتا۔ نواب صاحب رخصت ہو کے اپنی گاڑی پر آئے۔
داروغہ صاحب۔ خاصدان اور گڑگڑی تو منگوا لیجیے۔ اب یہ مشورہ ہونے لگا کہ مانگنا مناسب ہے یا نامناسب۔ داروغہ صاحب خان صاحب کی رائے تھی کہ منگوا لینا چاہیے۔
میر صاحب۔ واللہ کہیں ایسا غضب کیجیے گا ذلت ہو جائیگی۔
نواب صاحب۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔
شیخ صاحب۔ میرے نزدیک بھی یہی مناسب ہے کہ نہ منگوائیے۔

داروغہ صاحب۔ برہم ہو کے کیسا نامناسب! مہاجن کو کیا جواب دونگا۔
اب اسی پر کثرت رائے ہوئی کہ منگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مگر بیگم صاحب کی گاڑی وکٹوریہ گنج کی سڑک کی طرف تند قدم ہو چکی تھی دانے کا وقت تھا گھوڑے سرپٹ جا رہے تھے۔
نواب صاحب۔ کیا مضائقہ ہے۔ گھر سے منگوا لیں گے۔
داروغہ صاحب۔ اِن دونون عددون سے ہاتھ دھوئیے مہاجن کو تمسک لکھ دیجئے۔
میر صاحب۔ کیا چوروں سے ہوا ہے۔ ہم منگوا دینگے۔
داروغہ صاحب۔ اب مین کہتا ہون ایسا غضب نہ کیجئے گا۔ اگر خود بھجوا دین تو خیر مانگنے مین بات اوچھی ہو جائے گی۔
اب گھر پر بلانے کی تیاریان ہونے لگین۔
حسینی (دوسرے دن گھر پر آئی، خاصدان کا تذکرہ ہوا) اے ہے رکھا ہے مین لانا بھول گئی بیگم نے اسی وقت کہا تھا کہ نواب کو تکلیف ہوگی یہ سب فوراً بھجوا دو۔ مگر میری یاد پہ پتھر پڑین خیال تھا، کہ لیتی جاؤن گی مگر چلتے وقت بھول آئی۔ اچھا اب میرا انعام تو دلوائے دیکھئے مین نے آمنا سامنا کرا دیا۔ اب نواب جانین بیگم جانین۔ ہمارا جو کام تھا وہ ہم کر چکے۔
میر صاحب۔ اچھا تو حسینی یہ تو کہو ہمارے نواب صاحب کچھ پسند بھی آئے۔
حسینی۔ ایک ٹھٹھا لگا کے، اے لو خدا رکھے پسند کیون نہین آئے، آدھی رات تک گانا بجانا ہوا کیا نواب صاحب ہی کا ذکر رہا۔ پھر پیچھے سے بیگم تو خط ہی کو دیکھ کے لوٹ گئی تھین، میان مین نہ مالون کی عطر پڑھا ہوا تھا۔
مرزا صاحب۔ عطر کیسا؟
حسینی۔ اب آپ مجھے چیند راتے ہین، وہ جو خط مین لگا تھا۔ اور خاصدان کی گلوری جب سے کھائی ہے جب سے تو کیا کہون بیگم صاحب کے دشمن جیسے دیوانی ہو گئی ہین۔ یہین کی رٹ لگی ہے۔ یہی حال رہا تو مین جانتی ہون چار ہی دن مین نواب صاحب کے پہلو مین آبیٹھین گی۔ میان ہم بھی بچپنے سے بیگمون کے پاس رہے زندگی انھین فیلون مین گذری۔ ہم عورت کی نگاہ پہچانتے ہین۔ اچھا اب میرا انعام دلوائے دیر ہوتی ہے۔ میری یاد ہو رہی ہوگی۔ میری حسینی کہان گئی۔ ایک گھڑی بھر بغیر میرے قرار نہین ہے ادہر مین آنکھ سے اوجھل ہوئی اور میری پکار ہونے لگی۔
شیخ صاحب۔ ہمارے نواب صاحب بھی تم کو زندگی بھر سمجھتے رہین گے، ہمارے نواب بھی دیکھ

بڑے فیاض ہین۔

مرزا صاحب۔ نہال ہوجاؤ گی۔

انعام اکرام مین نواب صاحب کے ملازمین کا بھی آدھا ساجھا تھا۔ ملی بھگت تھی، نواب کو ڑیا دے دیے ۔۔ تھی۔ آخر داروغہ صاحب سے اور نواب صاحب سے تخلیہ مین گفتگو ہوئی۔ پچاس ۵۰ روپیہ دیا گیا۔ پچیس ۲۵ ادہر رہے پچیس ۲۵ ادہر۔

داروغہ صاحب اور حسینی۔ حسینی سنو دلوائے ہوتے پچاس ۵۰ تو ہم لوگون کے پلے پڑتے یہ تو کچھ نہ ہوا۔

داروغہ صاحب۔ دو سو ۲۰۰ روپیہ کی رقم خاصدان لٹیہ گڑگڑی نہین جا چکی ہے۔

حسینی۔ تو کیا وہ ہکو ہضم ہوئی جاتی ہے۔ کہو تو بیچا ؤن، مگر بیگم کو پسند ہین، مین جان کے نہین لائی، مین تو آپ لوگون کی بات بنا رہی ہون۔ خدا رکھے ہماری بیگم کے آگے ایسی ایسی چیزون کی کوئی اصل ہے خدا جھوٹ نہ بلوائے ایسے ایسے خاصدان بیس پچیس تو ہون گے۔ حقون کا کوئی شمار نہین۔

نواب صاحب کو اور نواب صاحب کے ملازمون کو یہی گمان تھا کہ اختری بیگم کے پھانسنے کی تدبیر ہو رہی ہے۔ اس کے بعد خاصدان گڑگڑی لٹیہ کا نہ کسی نے تقاضہ کیا نہ واپس آیا۔

باب ۲۸

امین آباد مین سر راہ ایک مکان کرایہ پر لیا گیا۔ مکان اس طرح کا تھا کہ اندر بہت وسیع مکان زنانہ کے لئے باہر دو کمرے سر راہ مردانہ نشست کے لئے۔ بتیس ۳۲ روپیہ ماہوار پر ایک مہینہ کا کرایہ پیشگی دے کے فرش فروش جھاڑ کنول میزین کرسیان غرضکہ عمدہ فرنیچر سے سج دیا گیا، مگر یہ سب سامان جیسے کسی مالک کا ہوتا ہے اور اس کے نوکر چاکر اس کو کام مین نہین لاتے اس طرح نواب صاحب نے ان کمرون کو بالکل چھوڑ کے ایک مختصر سا کمرہ نیچے مکان مین تھا یہان نشست اختیار کی۔ انہی جرأت ہی نہ تھی کہ ایسے صاف ستھرے آراستہ کمرے مین بیٹھین۔ زندگی تو ٹوٹے کھنڈر مین گذر گئی، گویا یہ کمرے ان کی شان کے نہین بلکہ

کمرون کی شان انکے قابل نہ تھی - ان کی بے تکلف صحبت مین - ایک میلی سی دری بچھی ہے مدار یہ حقے چپے ہوئے
ہین یاران طریقت بیٹھے ہوئے ہین، گپے چہل ہے ہین چلمین الٹی جاتی ہین داستان ہورہی ہے - شام
کے وقت بڑے لطف کی صحبت ہوتی ہے - نواب کے کمرے کے پہلو مین چاہ کا پتیلہ چڑھا ہے ایک چولھے پر
دودھ کی پتیلی ہے - دودھ جوش ہو رہا ہے، ملائی اتاری جاتی ہے - پتیلے مین سبز چائے جوش کھا رہی ہے
سبی دیکھے اچھالی جا رہی ہے افیونی رنگ دیکھ رہے ہین - ابھی رنگ نہین کٹا سبی اور دینا چاہیے - سامنے
بسکٹ والے بیٹھے ہین - چاء پینے والے خرید رہے ہین، ادہر فالودہ والے کھیر کی قفلی والے برف والے
خاصہ میلا لگا ہے - یہ سب نواب صاحب کے دم کا ظہور ہے - مہاجن سے پانچہزار روپیہ سودی پرونوٹ
لکھ کے گویا علی الحساب لے لئے گئے ہین اگاؤن کے بارہ آنے کا معاملہ طے نہین ہوا ہے - یہ سب پروی
شہزادی اور اُسکے شریک وارون کی تقدیر کا ہے - نواب صاحب اختری کے نام کی تسبیح پڑھا کرتے ہین،
ایک کرور کی جائداد کے مالک ہوا چاہتے ہین -

ایک حکیم نے لکھا ہے کہ اگر کسی دیوانہ کو یہ خیال ہو جائے کہ مین بادشاہ ہفت اقلیم ہون تو اُس کا
علاج کرنا اُس کے قتل کرنے سے بدتر ہے جو صدمہ بادشاہ کو تخت کے نیچے اُترنے سے ہوتا ہے ویسا ہی
صدمہ اس مجنون کو ہوش مین آنے سے ہوگا - نواب صاحب مدتون اس خیال مین رہے اور بہت خوش
رہے - یہ سودا عمر بھر نہ گیا -

آخر اس مکان مین بیگم صاحبہ (شہزادی) تشریف فرما ہوئین - بڑی دھوم سے دعوت کا سامان ہوا
پلاؤ زردہ فیرنی، شیرمال، کباب، کئی رنگ کا سالن، امیرانہ دعوت تھی - مفت خورون نے خوب ہاتھ
مارے - چلمن کی اوٹ سے خوب رمز و کنایہ ہوئے - طرفین سے اشتیاق کے فقرے کہے گئے مگر

دیر آید درست آید

ساتھ والیان پردے کی ذمہ دار تھین - حضور ابھی کم سن ہین - بن بیاہی کیونکر ایسا کرین آپکے سامنے
آکے بیٹھ جائین - راہ و رسم بڑھنے دیجیے - ہواؤ ٹوٹنے دیجیے - دیکھیے جلدی نہ کیجیے گا - نہین تو سونے
کی چڑیا ہاتھ سے نکل جائیگی - یہ پردا کھولنے کا قصد کرتے ہین اُدہر سے ڈھکی دی جاتی ہے - ابھی اُٹھی چلی
جاوَنگی - اہا! ایسے جلدی مین آئے لو صاحب کیا میرے دشمن کوئی بازاری کسبی خانگی ہین، کیون
بوا حسینی اسی لئے تم ہمکو لائی تھین -

حسینی - نہین حضور کیا مجال بغیر آپکی مرضی کے کوئی بات ہو سکتی ہے -
تھوڑی دیر مین سوار ہو کے چلتی ہوئین، نواب صاحب منہ دیکھ کے رہ گئے -

آج بھی خاطر خواہ روپیہ اٹھا نوکروں چاکروں نے انعام پایا، بیگم صاحبہ کی فرمائشیں پوری کی گئیں چار تھان ململ کے بھیجدو دو تھان اطلس کے ابھی روانہ کردو۔

نواب صاحب۔ تو پھر آخر کیا ہوگا۔

حسینی۔ حضور جو دنیا زمانہ کا قاعدہ ہے رقعہ بھیجئے ہم بڑے حضور کے پاس لے جائیں اُدھر سے ہم لوگ بیگم کی طرف سے رضامندی کا اظہار کرینگے، دھوم دھام سے شادی ہوجائے گی۔

نواب صاحب نے داروغہ صاحب اور جملہ مصاحبین سے مشورہ کیا۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ رقعہ کون لیجائیگا۔ حسینی اسکی ذمہ دار ہوئی۔ میں رقعہ پہونچا دونگی جواب لاؤنگی، شادی ٹھہرا دونگی مانجھا آئے گا۔ مگر حضور مانجھے کے دن سونے کے کڑے بھاری جوڑا پہن کے جاؤنگی۔

شہزادی بیوہ تھی وہ اس فکر میں لگی ہوئی تھی کہ کسی رئیس کے گھر بیٹھ جائے۔ اختری کے محل میں نوکری کرنے کا منشا یہ تھا کہ کسی طرح نواب خورشید مرزا سے آنکھ لڑا کے تعلق کرلوں، اس ارادے کے پورا کرنے کے لئے بڑی کوشش کی۔ خوب بنی سنوری رہتی تھی کسی نہ کسی بہانہ سے خورشید مرزا کے سامنے آجایا کرتی تھی کہیں پان بنا کے لئے جاتی ہے باہر سے وہ آئے کپڑے اُتارنے کھڑی ہوگئی۔ خورشید مرزا کو پہلے تو چنداں خیال نہیں ہوا جب کئی بار یہ حرکتیں دیکھیں سمجھ گئے۔ اختری سے کہہ کے منع کرادیا۔ یہاں شہزادی کی آس ٹوٹی۔ ادھر یہ مشغلہ مل گیا، گوہر مرزا اختری بیگم کے دھوکے میں گرفتار ہوگئے۔ شہزادی کو خوف تھا کہ اس راز کے کھلنے پر نواب گوہر مرزا سزا دینگے اس لئے اپنے دو تین مرتبہ کی آمد و رفت کے بعد سامنا کرکے نواب گوہر مرزا کو اپنی صورت کا دیوانہ بنالیا۔ اب اسکو یہ اندیشہ جاتا رہا اگر راز کھل بھی جائیگا تو دھندھلا کے احمق بنالونگی۔ مرد آکیا بنالیگا۔

واقعی شہزادی نے ڈھائی دن میں گوہر مرزا کو اپنا ایسا فریفتہ کرلیا کہ راز کھلنے کے بعد گوہر مرزا کی زبان سے ایک حرف شہزادی کے خلاف نہ نکل سکا۔

شہزادی۔ بس مردوے جائداد ڈھونڈھتے ہیں، آدمی سے کوئی غرض نہیں اختری بیگم سے میں کس بات میں کم ہوں ذات پات، صورت شکل، ہاں روپیہ میرے پاس نہیں ہے۔ روپیہ ہے کیا، ہاتھ کا میل ہے۔

گوہر مرزا۔ تو پھر تم نے یہ فریب کیوں کیا۔ پہلے سے کہدیا ہوتا۔

شہزادی۔ سنو نواب بات یہ ہے۔ اتنا کہہ کے گردن جھکا کے چپ ہو رہی۔

گوہر مرزا- ہان، ہان کہو کہتے کہتے کیون رُک گئین - بات نہ چھپایا کرو یہ بُری بات ہے میرا دم گھبراتا ہے-
شہزادی- (پھر شرما کے) اب اسکو نہ پوچھو، ایسی ہی کچھ بات ہے میرے مُنہ سے نہین نکلتی حسینی کو آنے دو- بلا بھیجو- حسینی کو دیکھتے ہی، خوب اچھے موقعہ پر آئین، اچھا بوا حسینی، نواب کو سمجھاؤ کہ یہ مین ان سے دوسرے کا نام لے کے کیون ملی-
حسینی (اوّل درجہ کی مشاق کٹنی تھی پہلے ہی سے بات بنا رکھی تھی) اچھا تو اب کہہ دون، نواب صاحب آپ کو تو خوش ہونا چاہیے - شہزادی بیگم کی ایسی بیوی آپ کو ملی پڑھی لکھی دست و قلم پری کی صورت پھر آپ کی عاشق زار وہ خود سے آپ پر گری خدا جانے کیا تھا کہ آپ کا رقعہ دیکھتے ہی دیوانی ہوگئی - وہی عطر پڑھا ہوا تھا کسی اچھے سیانے سے آپنے پڑھوایا تھا - آپ کو اختری بیگم کی دھُن تھی - بھلا کوئی عورت جو کسی مرد کو چاہے گی وہ یہ گوارا کرے گی کہ کوئی دوسری عورت اُس مرد کے پہلو مین بیٹھے آخر اس غریب کو یہی بن پڑا- اسی بہانہ سے آپ سے ملی- آپ کو پسند نہ ہو تو ابھی سوار کرکے لئے جاتی ہون - اُسکے بھی سیکڑون گاہک ہین نواب خورشید مرزا ہاتھ جوڑتے تھے کہ میرے ساتھ نکاح ہوجائے اختری خود پیچھے پڑ رہی تھین، شہزادی نے آپکے پیچھے اپنی سلطنت مٹا دی،
ادہر حسینی یہ باتین کر رہی تھی اُدہر مُنہ پھیر کے شہزادی نے رونا شروع کیا-
آخر گوہر مرزا کو منانا پڑا- روتی کیون ہو مین تو کچھ نہین کہتا - دو آنسوؤن نے وہ دفتر ہی دھو ڈالا-
شہزادی- خود سے گرنے کی یہی سزا ہے - اختری مین لال لگے ہین مجھ مین کیڑے پڑے ہین-
مرد کی گرفتاری کے لئے کوئی لاسا کوئی جال کوئی پھندا اس سے بڑھا ہوا نہین ہے کہ عورت اُسکو اپنا عشق جتائے بشرطا حسن و جمال شہزادی سَو رہ سَو عورتون مین ایک تھی - گوہر مرزا اپنی قسمت پر نازان تھے- اسکو گانے کا شوق تھا، شہزادی خوب گاتی تھی - افیون سے بھی شوق تھا مگر چنڈو سے نفرت تھی یہ جلسہ اسکو پسند نہ تھا کہ مرد عورت ایک حلقہ مین لیٹے ہین درمیان مین تمپ جل رہا ہے چھینٹے بنائے جاتے ہین، شہزادی کے طعنون سے نواب صاحب کا بھی یہ شوق ترک ہوا - اسکے بعد اور مشغلے شروع ہوئے اسنے راگ مین رنگ کو ملایا عشق کو چمکایا - باغون کی سیر جنگلون کی ہوا مصاحبون کا ساتھ یہ دا موقوف آزادی کی دھُن شہزادی کو دولت کی ہوس حد سے زیادہ تھی ہر وقت نئے عاشق کی جو یا تھی اختری کے دم سے ایک جگہ اسکو پوری کامیابی ہوئی تھی، بوا حسینی نئے شکار کی جستجو مین تھین - اختری کے محل سے شہزادی کے ساتھ حسینی اور حسین علی یہ دونون بھی نکال دیے گئے تھے مگر

ایک بڑے رئیس کو دام میں لانے کی کوشش ہونے لگی، جہاں حسین علی ایسے بے بدل کمٹنے کار گذار ہوں وہاں انتظار کا شکوہ نہ فراق کا رونا نہ آہ وزاری کی ضرورت نہ اختر شماری کی حاجت چند ہی روز کے ہیر و ن پھیروں میں مصنوعی اختری (شہزادی) کی سواری بڑے تزک و احتشام سے ــــ راجہ صاحب کی کوٹھی میں پہونچ گئی، کہار سرخ بانات کی وردیاں پہنے بی حسینی گلبدن کا لہنگا پھڑکاتی ہوئی، چاندی کی مچھلی مانگ کے پاس چمکتی ہوئی فینس کا پایہ پکڑے ہوئے سواری آتری بسم اللہ! خود راجہ صاحب تا لبِ فرش لینے کو آئے، بیگم صاحبہ بڑی تمکنت کے ساتھ زربفتی مسند پر رونق افروز ہوئیں پیچوان منہ سے لگا ہے۔ راجہ صاحب سے راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں۔

باب ۲۹

نواب مرزا اختری کے خیرخواہ قدیم ان کی بیوی انکے بچے سب کے سب اختری کی فیاضیوں سے مالا مال ہو چکے یہ گھر کا گھر اختری کے نام پر جان دینے کو آمادہ ــ نواب مرزا اپنے تصویر بنانے کے کمرے میں بیٹھے ایک تصویر میں رنگ بھر رہے ہیں۔ اس اثنا میں ایک صاحب مقصود علی نامی ان سے ملنے کو آئے، نواب مرزا نے زنانہ کی طرف کا دروازہ بند کر کے باہر کا دروازہ کھول دیا اسی کمرہ میں بلا لیا ــ باتیں ہونے لگیں۔ نواب مرزا صاحب کے زخم سب اچھے ہو گئے تھے مگر دو نشان سیاہ ایک بائیں رخسارے پر، اور ایک پیشانی پر بہت نمایاں تھے۔

مقصود علی ــ یہ نشان پہلے تو آپکے چہرہ پر نہ تھے۔

نواب مرزا ــ جی ہاں، آپ سے ایک مدت ہوئی ملاقات نہیں ہوئی ــ یہ عجیب واقعہ ہے۔

مقصود علی ــ ضرور بیان فرمائیے، یہ تو اگلے زمانے میں جب بات بات پر تلواریں کھنچا کرتی تھیں اس زمانہ میں بہت عجیب نہ معلوم ہوتے، اس امن و امان کے عہد میں البتہ قابل استفسار ہیں۔

نواب مرزا ــ مگر یہ قصہ کسی قدر طولانی ہے شاید آپکو اتنی مہلت نہ ہو اور مختصر بیان آپکے سمجھ میں نہ آئے گا۔

مقصود علی ــ اگر آپ کو کوئی خاص ضرورت ہو جس سے میرا حاضر رہنا اسوقت خلاف مصلحت ہو تو

خیر ورنہ مین ہمہ تن گوش ہون ضرور کہئے۔

نواب مرزا۔ مجھے ایسا کوئی کام نہین ہے اسوقت آٹھ بجے ہین مین دس بجے تک گھر مین رہون گا دس بجے کے بعد سرکار کا کچھ کام ہے، کچہری تک جانا ہے۔

مقصود علی۔ سرکار کون! مین تو جانتا تھا آپ خانہ نشین ہین کسی کے نوکر نہین ہین۔

نواب مرزا۔ یہ سچ ہے مین نوکر نہین ہون مگر جسکا نمک کھائے وہی سرکار ہے۔ اختری بیگم صاحبہ کو خدا سلامت رکھے اُنھین کا نوکر سمجھ لیجئے بلا شرط خدمت۔

مقصود علی۔ اختری بیگم کے نام پر مُسکرائے۔ نواب مرزا نے دیکھا مگر کچھ ایسا خیال نہین ہوا ممکن ہے کوئی اور خیال آگیا ہو، انسان کا ذہن تو ایک سیر مین ہے جہان سیکڑون منظر ہر وقت پیش ہوا کرتے ہین۔ نواب مرزا نے اس کے بعد پورا واقعہ منصوری۔ لکھنؤ۔ بمبئی اور جو جو واقعات خصوصاً مرزا علی کے تعاقب سے متعلق تھے سب بیان کئے، ان سب واقعات کو ناظرین اچھی طرح جانتے ہین اختری بیگم کے نام پر مقصود علی کے چہرہ کی تبدیلی مُسکراہٹ مختصر یہ کہ سب اُمور نواب مرزا کی نظر سے گذری نواب مرزا کو مقصود علی کی یہ حرکت ناگوار ہوئی مگر اس خیال سے کہ ایک عورت کی شکر گذاری کا اظہار مقصود علی کو عجیب معلوم ہوا ہوگا کیونکہ اکثر قصبات کے رہنے والے عورتون کی چندان وقعت نہین کرتے، مقصود علی نے خود ہی اس راز کو کھولنا شروع کیا مقصود علی کو یقین تھا کہ اختری غالباً راجہ صاحب کی کوٹھی مین ہون گی، کیونکہ وہ ہر شام جاتی ہین اور دوسرے دن بارہ بجے گھر آتی ہین۔

مقصود علی۔ یہ اختری بیگم بھی ناشتہ قیمت ہین۔

نواب مرزا۔ پہلے ہی سے مقصود علی کی حقارت آمیز تبسم سے بدگمان ہو رہے تھے، اس لفظ سے سخت برہم ہوگئے۔ بس بس جناب مین اپنی محسنہ کے بارے مین جو ایک نہایت باعصمت بی بی ہے یہ لفظ نہین سن سکتا۔ شاید آپنے یہ لفظ کسی برے خیال سے نہ کہا ہو مگر ہم اہل لکھنؤ اس لفظ کو مستورات، خصوصاً بن بیاہی لڑکیون کی نسبت نہین کہتے۔

مقصود علی۔ بڑا تعجب ہے، اختری بیگم بن بیاہی ہین پھر تو معاف فرمائے مین نے اس لفظ کو بے محل استعمال نہین کیا۔

نواب مرزا۔ کو ایسا ہی غصہ آیا جیسے کسی شریف کو فحش گالی دینے سے آسکتا ہے، مگر غصہ کو تھام کے ذرا اپنا مطلب صاف صاف کہئے۔

مقصود علی۔ بن بیاہی لڑکیان اگر غیر مردون سے بے تکلف ملین دوسرے الفاظ مین ناجائز تعلقات پیدا

کرین تو اُن کو شبہ یقین کہنا کوئی بڑی بات نہین ہے۔

نواب مرزا۔ استغفر اللہ! محال۔

مقصود علی۔ اس حسن ظن کا تو کوئی جواب نہین ہے۔ وہی کلکتہ والی بیگم جو خورشید مرزا صاحب کی تولیت مین تھین۔

نواب مرزا۔ تو پھر اُنھون نے کس..... سے ناجائز تعلق کیا۔ بالکل جھوٹ بہتان افترا۔

مقصود علی۔ خیر آپ جو چاہین فرمائین۔ مین تو خیال کرتا ہون کہ وہ اسوقت کوٹھی مین راجہ صاحب کے پہلو مین تشریف رکھتی ہین۔

نواب مرزا۔ آپکو دھوکا ہوا ہوگا۔

مقصود علی۔ مین بھی یہی کہہ سکتا ہون۔

نواب مرزا۔ آپکا بیان چشم دید تو ہو نہین سکتا سُنی سنائی بات پر اتنا اعتبار۔

مقصود علی۔ بے شک یہ صحیح ہے۔ مگر بعض سماعی اُمور بھی مثل معائنہ کے ہوتے ہین۔ مین اس شخص کی زبانی بیان کرتا ہون جس نے بیگم صاحبہ کو پہلے بھی دیکھا تھا اور اب اُس موقعہ پر دیکھا جسکا مین نے بیان کیا۔

اتفاقاً نواب مرزا کی بیوی یہ سب باتین دروازہ کے پاس کھڑی سُن رہی تھین اُنھون نے کنڈی کھڑ کھڑائی۔ نواب مرزا اندر گئے۔ سمجھے پان بھیجنے آئی ہین۔

نواب مرزا کی بیوی۔ تم کیون بیکار حجت کرتے ہو۔

نواب مرزا۔ لاحول ولا قوۃ یہ کیا کہتی ہو، تو مین مان لون کہ بیگم نے راجہ صاحب سے آشنائی کر لی۔

نواب مرزا کی بیوی۔ اُن کے دشمن مگر اسمین ایک بھید ہے۔ انکو ٹال دو۔ مین تم سے کہدونگی۔ شہزادی کو جانتے ہو۔

نواب مرزا پورا واقعہ تو نہین سمجھے مگر بیوی کے کہنے سے اب اُنھون نے باہر آکے مقصود علی سے یہ کہا، اچھا تو اب اس تذکرہ کو جانے دیجئے، ایک ہفتہ کے بعد مین آپ سے خود ملونگا، اب کچھ اور ذکر فرمائیے۔

مقصود علی۔ مناسب ہے۔ پھر ادھر اُدھر کی دو چار باتین کر کے رخصت ہوئے۔ نواب مرزا گھر مین گئے۔

بیوی۔ تم کو یہ حال نہین معلوم۔ ایک عورت شہزادی نام کی چند روز ہوئے بیگم کے پاس نوکر ہوئی تھی، اب وہ نکال دی گئی، صورت شکل کی اچھی ہے اور بیگم سے کچھ یون ہی سی جھجک بھی ملتی ہے اُسنے کئی

رئیسون کو ٹھگا ہے۔ مین خوب سمجھ گئی یہ اُسی نے کوئی گل کھلایا ہے۔

نواب مرزا۔ تم نے اُسکو دیکھا ہے، ایک بدمعاش عورت کو قرار واقعی سزا دینا چاہئے۔

بیوی۔ ہان مین خوب پہچانتی ہون۔ بیشک ناک چوٹی کاٹ گدھے پر سوار کرکے ہنڈوانا چاہئے۔

نواب مرزا۔ تو پھر اسکی قلعی کھولنا چاہئے۔ خواہ مخواہ ایک بے گناہ عصمت دار رئیس زادی کو بدنام کر رکھا ہے۔

بیوی۔ پہلے گوہر مرزا کو پھانسا تھا اُن کے ہزار دو ہزار روپئے بگڑوا دئے۔ اب کی بڑا ہاتھ مارا راجہ صاحب کو دام مین لائی۔ مگر مین کہتی ہون کہ اگر کسی غریب کو لالچ ہو تو کچھ بے جا نہین ہے ایسے ایسے بڑے آدمیون کو بھی دولت کی ہوس ہے۔

نواب مرزا۔ دولت کی طمع سے کوئی خالی نہین۔ مگر اب تمھاری رسائی راجہ صاحب کی کوٹھی مین کیونکر ہو

نواب مرزا کی بیوی۔ مشکل یہ ہے کہ راجہ صاحب کی کوٹھی مردانہ مکان ہے۔ وہان مین جا نہین سکتی۔ اور ایسی صحبت مین تمھارا بھی گذر نہین ہوسکتا۔ رانی صاحبہ سے تو مین مل سکتی ہون۔

نواب مرزا۔ تمھاری خالہ وہان جاتی ہین۔ اُن کے ساتھ جانے مین کوئی مضائقہ نہین ہے۔

نواب مرزا کی بیوی۔ اچھا مین جاؤن گی، کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ پھر اسکے بعد کوئی بات دل مین سمجھ کے خوب ہنسین۔

نواب مرزا۔ یہ آپ ہی آپ ہنسی کیون۔

نواب مرزا کی بیوی۔ یہ ابھی نہین بتائین گے۔ لو تم جاؤ جہان جاتے ہو مین خالہ کو ابھی بلاتی ہون۔

نواب مرزا کی بیوی نے ڈولی بھیج کے اپنی خالہ کو بلا بھیجا ایک نورانی صورت ضعیفہ تسبیح ہاتھ مین سجدہ کا گھٹا ماتھے پر آکے آئین۔ بیٹا مجھے کیون بلایا ہے۔

نواب مرزا کی بیوی۔ خالہ ایک ایسا ہی کام تھا۔ تم رانی صاحب کے پاس کب جاؤ گی۔

خالہ جان۔ مین جب جی چاہے جاؤن کوئی میری روک ٹوک ہے۔

مرزائی بیگم۔ میری اچھی خالہ آج ہی چلو۔ اور مجھکو ساتھ لے چلو۔

خالہ جان۔ تم تو ایک دفعہ گئی بھی تھین۔

مرزائی بیگم۔ جی ہان کوئی ۵ برس ہوئے۔

خالہ جان۔ تو اب کیا کوئی کام ہے۔ مجھ سے کہو۔

مرزائی بیگم۔ آپ سے کہنے کا نہین ہے۔

خالہ جان کچھ اور سنا راجہ صاحب نے کوئی نئی رنڈی کی ہے۔ رانی اُس کے غم مین گرفتار ہین۔ کسی سے کوئی تعویذ لکھوا دو، اپنے میان سے کہہ کے کوئی عمل پڑھواؤ، یہ موئی چھوٹ جائے۔

مرزائی بیگم۔ ابھی لے تو چلتی ہون مین چھڑوا دون گی۔

خالہ جان۔ اے بیٹی یہ بڑا کام ہے۔ رانی بچاری سوکھ کے کانٹا ہو گئی ہین۔ آخر کیونکر چھڑوا دو گی کوئی مُلّا سیانا ہے یا کوئی عمل ہے۔ مجھ سے تو کہو۔

مرزائی بیگم۔ مجھے خود ایک ایسا عمل یاد ہے کہ وہ رنڈی آپ سے چلی جائے گی اور نہ جائے تو راجہ صاحب جوتیان اُسکے نکلوا دین گے۔

خالہ جان۔ اے بیٹی تیرے منہ مین گھی شکر۔ مین خود صحنک رتجگہ کرون گی۔ ابکی درگاہ مین چلا تو باندھ آئی تھی اچھا تو پھر کپڑے بدل لو۔

مرزائی بیگم جلدی جلدی نہائین کنگھی کی سر مین تیل ڈالا۔ اپنی حیثیت کے موافق کپڑے پہنے۔ دونون خالہ بھانجیان سوار ہو کے حسین گنج پہونچین۔ ڈیوڑھی پر سواریان لگائی گئین اندر اطلاع ہوئی دونون طلب ہوئین۔ مرزائی بیگم نے رانی صاحب کو جھک کے تسلیم کی۔ رانی صاحبنے خود ان کی خاطر کو اُٹھ کے بندگی کی۔

رانی صاحبہ۔ اوہ یہ مرزائی بیگم آج کہان بھول پڑین۔

مرزائی بیگم۔ حضور کے سلام کو حاضر ہوئی ہون اور کچھ کام بھی ہے۔

رانی صاحبہ۔ سلام تو ہو گیا۔ اب کام بھی کہہ ڈالو۔

مرزائی بیگم۔ یہ جو کوئی بیگم راجہ صاحب کے پاس تشریف لائی ہین ذرا اُن کے سلام کو مین آئی ہون۔

رانی صاحبہ۔ خفا ہو کے۔ تو پھر میرے پاس کیون آئین، مردانی ڈیوڑھی پر گئی ہوتین۔

مرزائی بیگم۔ مردانی ڈیوڑھی پر ہم غریبون کا کیا کام ہے وہان تو بیگمات کا گذر ہو سکتا ہے مین حضور کے ذریعہ سے ملنا چاہتی ہون۔

رانی صاحبہ۔ تعجب سے (میرے ذریعہ سے) مرزائی بیگم نے اختری بیگم کا حال بیان کیا، اوّل سے آخر تک پھر چٹھی نویس کا اُن کے پاس نوکر ہونا۔ اُس کی چالاکی لوگون کو اُن کے نام سے پہچاننا۔ یہ سب واقعہ تفصیل سے بیان کیا۔

رانی صاحبہ۔ نواب خورشید مرزا نے جس لڑکی کو پرورش کیا تھا اُسی کا نام اختری بیگم ہے۔ تو یہ اُس کے نام سے لوگون سے ملتی پھرتی ہے۔ اب مین سمجھی۔ اچھا تماشہ ہے۔

خورشید مرزا میرے عزیز ہین - مین خوب جانتی ہون -
مرزائی بیگم - آپ سے نواب صاحب سے قرابت ہے - تو اختری بیگم یہان چلی آئین گی -
رانی صاحبہ - خورشید مرزا میرے بُلوانے سے فوراً بھیجدینگے -
مرزائی بیگم - یون نہ آئین گی مجھکو جانا پڑیگا - مگر یہ بات ذرا ظاہر نہ ہونے پائے - مجھے خوف ہے کہ نقلی اختری کہین بھاگ نہ جائے -
رانی صاحبہ - کیا مجال جو کسی پر ظاہر ہو - اچھا تم جاؤ - آج ہی جاؤ -
مرزائی بیگم حسین گنج سے سوار ہوئین، معالی خان کی سرا پہونچین - اختری بیگم انکے یک بیک اتر پڑنے سے متعجب ہوئین -
اختری بیگم - یہ آج کہان آئین - مین خود بُلوانے کو تھی جعفری بیگم کی نسبت آئی ہے -
مرزائی بیگم - آپ بُلوانے کو تھین مین خود حاضر ہوئی - کچھ خبر بھی ہے دنیا مین کیا شہرے اُڑے ہوئے ہین -
اختری بیگم - کیا کوئی نیا گُل پھولا ہے -
مرزائی بیگم - یہ شہزادی جو آپ کے پاس نوکر تھی - اب وہ اختری بیگم بن گئی ہے - اب کیا کہون کیا غضب کیا ہے - راجہ صاحب کے پاس پہونچی -
اختری بیگم - ہائے غضب! یہ تو بڑا ستم ہے - مجھے گناہ کو بدنام کرتی ہے - پھر کیا کرنا چاہئے -
مرزائی بیگم - آپ رانی صاحب کے پاس چلی چلئے -
اختری بیگم - ماموں جان شاید نہ جانے دین -
مرزائی بیگم - رانی صاحبہ سے اور نواب صاحب سے عزیزداری ہے وہ جانتے ہین اور پھر وہ گھر ایسا ویسا نہین ہے - ضرور جانے دین گے - آپ کہدیجیگا - رانی صاحب نے مجھے بُلانے کو بھیجا ہے -
اختری بیگم - اور یہ شہزادی کا تو حال نہ کہون -
مرزائی بیگم - نہین اس کی ضرورت نہین ہے - مردون سے کوئی ایسی بات کہتا ہے -
اختری بیگم نے اجازت حاصل کی - نہایت تزک و احتشام سے سوار ہوئین -
رانی صاحب کو اطلاع پہلے سے دی گئی تھی - ڈیوڑھی پر سواری بڑی عزت سے اُتری - اختری بیگم رانی صاحب کے پاس گئین - رانی صاحب اُسی طرح ملین جس طرح چھوٹے رشتہ کے عزیزون سے ملتے ہین - اختری بیگم کی تمیزداری ادب سلیقہ سے بہت ہی خوش ہوئین -

اختری بیگم نہایت عمدہ جوڑا بہت قیمتی زیور پہنے تھیں ملازم بھی زرق برق لباس سے گہنے پاتے سے آراستہ تھے۔ اختری بیگم، جو کسنی مین بیاہی لڑکیون کا رویہ ہوتا ہے بہت شرمائی ہوئی سر جھکا ہوا نہ تمکنت نہ غرور ہر شخص سے اُس کی شان کے موافق ملنساری سے پیش آنا۔ صورت پر بھولا پن، نور کی صورت بن بیاہے پن کی حالت ہر انداز سے پیدا تھی۔ تمام محل کی عورتین اس کم سن رئیس زادی کو دیکھ کے گویا فریفتہ ہو گئیں۔ اب تو حال کھل ہی گیا تھا سب شہزادی کو لعنت ملامت کر رہی تھے، اکثر باہر کی نکلنے والی عورتین شہزادی کو جھانک جھانک کے دیکھ آئین، آپس مین چرچے ہونے لگے۔

ایک عورت۔ کہان ماشاء اللہ یہ کہان وہ ہان صورت کچھ یون ہی سی ملتی ہے۔

دوسری عورت۔ انکے منہ پر امیرانہ پن ہے اُسپر ڈومنی پنا برستا ہے۔ کہان یہ شرمائی شرمائی نیچی نظرین بھولی صورت کہان وہ چالاک بیباک آنکھ مین ذرا لحاظ نہین۔ انکے منہ پر ہلکی سی مسکراہٹ کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ایک اُسکو دیکھو جیسے منہ پر ٹھیکرے ٹوٹتے ہین کیسے سوکھے ٹھٹھے لگا رہی ہے۔

تیسری عورت۔ گہنے کو بھی خیال کیا۔ مین تو سمجھتی ہون پیتل کا ہے جھوٹے موتی ہین۔

پہلی۔ پیتل تو نہین ہے۔ میرے نزدیک تو ملمع ہے۔ وہی دلی وال کندلے کا کام۔

دوسری۔ اور وہ سچا بھی ہے تو کیا ہوگا کوئی پانسو چھ سو کا۔ بیگم کا ہر عدد بھاری مول کا ہے۔

خود رانی صاحب۔ آنکھ مار کے۔ کیا باتین کر رہی ہو۔ اس زیور کی اُس کے گہنے سے کیا مقابلہ وہ یہ جواہرات کہان سے پا سکتی ہے۔ اسی سے اصلی و نقلی کی تمیز ہو سکتی ہے۔ خدا جانے مردون کی کیسی نگاہ ہوتی ہے۔ ذرا راجہ صاحب کو آنے دو۔ اسی زیور سے بات نکلے گی۔ اختری اُن کے سامنے تو جا نہین سکتی۔ زیور دیکھ کے راجہ صاحب کی آنکھین کھلین گی۔ دیکھین تو اُن کی بیگم صاحب کے پاس کوئی عدد اس جوڑ کا نکلتا ہے۔

راجہ صاحب رات کو دس بجے رانی صاحب کے ساتھ خاصہ نوش فرماتے تھے حسب معمول تشریف لائے۔ راجہ صاحب، تختون کے چوکے پر مسند بچھی ہے تکیہ سے لگے بیٹھے ہین۔ مختصر دستر خوان ہے سامنے رانی صاحب بیٹھی ہین کھانا چنا جاتا ہے۔ خاصہ والی کے سامنے چھوٹی چھوٹی پتیلیان چاندی کی رکھی ہین، ایک اور پیش خدمت چینی کی رکابیان خاصہ والی کے آگے رکھتی جاتی ہے۔ رانی صاحب کے آگے سیلاب چی آفتابہ آیا ہے کلی کر کے دست پاک سے ہاتھ پونچھ رہی ہین۔ راجہ صاحب کی طرف متوجہ ہو کے یہ آج کل کون بیگم صاحبہ آپ کی سرکار مین داخل ہوئی ہین۔ اُن کے تو بڑے شہرے ہین۔

راجہ صاحب۔ کسی قدر تیوری چڑھا کے۔ مین نے آپ سے بارہا کہا ہے کہ مردانہ کے بارے مین

آپ کچھ دخل نہ دیا کریں، خدا جانے کون آتا ہے۔ کون جاتا ہے۔ آپکو باہر کے دھندوں سے کیا سروکار۔
رانی صاحبہ۔ میں کچھ دخل دینا نہیں چاہتی اور نہ میں نے آج تک کسی کی ٹوہ لی۔ ان بیگم صاحبہ کے واقعہ سے میرا ایک ذاتی تعلق ہے نہ وہ تعلق جو صرف آپ کے واسطے سے ہو بلکہ میرے ایک عزیز کو نقصان پہونچ رہا ہے۔
راجہ صاحب۔ شاید آپکے کسی عزیز کو نقصان پہونچتا ہو مگر میرا تو فائدہ ہے۔ بالفعل میں مقروض ہوں اور بیگم صاحبہ کے پاس اُن کے ذاتی نوٹ ہیں قرضہ کی گفتگو ہو رہی ہے۔ شاید بہت کم سُود پر ان سے رُوپیہ مل جائے۔ اس معاملہ کے سلسلہ میں میری اُن کی راہ و رسم ہو گئی ہے۔ ہم خرما و ہم ثواب۔
رانی صاحبہ۔ مُسکرا کے، تو یہ بیگم صاحبہ سودی روپیہ چلاتی ہیں۔ کتنا روپیہ انکے پاس ہے اور وہ کس بنک میں جمع ہے۔
راجہ صاحب۔ آپکو یقین نہیں آتا، اس لئے آپ مذاق سمجھتی ہیں۔ میں خود بنک کے منیجر سے مل کے دریافت کر چکا ہوں۔
رانی صاحبہ۔ یہ بالکل درست ہے۔ منیجر نے صحیح اطلاع دی ہے۔ مگر جن کا روپیہ ہے اُن کو آپ جانتے بھی ہیں۔ کیونکر آپنے سمجھ لیا کہ یہ وہی ہیں۔
راجہ صاحب۔ ایک قہقہہ لگا کے۔ وہ روز میرے پاس آتی ہیں۔
رانی صاحبہ۔ میں اور کچھ نہیں کہتی صرف ایک بات پر غور کر لیجئے جس شخص کا اتنا روپیہ بنک میں جمع ہو اور وہ کنڈلے کی بالیاں جھوٹے موتیوں کی پہن کے آئے۔
راجہ صاحب۔ جھوٹے موتی یہ کسی نے غلط کہا ہے۔
رانی صاحبہ۔ بھلا اُن کا سب زیور آپ کی نگاہ میں کتنی مالیت کا ہوگا۔
راجہ صاحب۔ میں کوئی سُنار نہیں جوہری نہیں جو زیور کی مالیت آنک سکوں۔
رانی صاحبہ۔ پھر آپ رئیس ہیں خدا نے آنکھیں دی ہیں لاکھوں کا زیور دیکھ ڈالا ہوگا، بقول شخصے راجہ کے گھر موتیوں کا کال۔
راجہ صاحب۔ سچے بالیاں سادی ہیں مگر جھوٹے موتی نہیں ہیں۔
رانی صاحبہ۔ اچھا وہ سچے سہی چھوٹے چھوٹے موتی جیسے غریب لوگ بالیوں میں ڈالتے ہیں، کڑے شیر دہان کے، چمپا کلی۔ دھکدھکی۔ سونے کی پازیب، اچھا اسی پر فیصلہ ہے۔ پاؤں کا زیور سُنہری ہے یا رُوپہلی۔

راجہ صاحب۔ روپہلی، سونے کا کون پہنتا ہے۔
رانی صاحبہ۔ یہ نہ کہو جسکو خدا دے۔ اختری کی دھکدھگی اور موتیوں کا مالا سامنے رکھدیا ایسا کوئی عدہ ہے۔
راجہ صاحب۔ یہ تمھارا زیور ہے۔
رانی صاحبہ۔ جی نہین میرا نہین ہے۔ میرے پاس بھی ایسے قیمتی عدہ کہان ہین؟ ایک پیش خدمت کو اشارہ کر کے۔ سب گہنا اٹھا لا۔
پیش خدمت نے ایک چاندی کی کشتی مین تمام زیور اختری بیگم کا لاکے سامنے رکھدیا۔
راجہ صاحب۔ یہ کیا فروخت کے لئے آیا ہے۔ اُس کے بعد ایک ایک عدد اُٹھاکے غور سے دیکھنے لگے، کیسا زیور ہے؟
رانی صاحبہ۔ بڑے فخر کے ساتھ، یہ اختری بیگم کا زیور ہے وہ جن کے لاکھون روپیہ بنک مین جمع ہین۔
راجہ صاحب۔ یہ آپ کے پاس کس طرح آیا۔
رانی صاحبہ۔ جس کا زیور ہے وہ خود میرے پاس موجود ہے۔ میری عزیز ہے اُس کے دشمنون پر کیا ایسی بنی تھی کہ وہ غیر مردون کے پاس آشنائی کرنے کو دوڑی جاتی۔ بن بیاہی لڑکی۔ نیک عالیخاندان اُس کا رونگٹا غیر مرد نے آنکھ سے نہ دیکھا ہوگا۔
راجہ صاحب۔ تو یہ کون ہے۔
رانی صاحبہ۔ یہ اختری بیگم کی چٹھی نویس ہے۔ پندرہ روپیہ پر نوکر ہوئی تھی۔ خراب چال چلن تھا اس لئے بھائی خورشید مرزا نے نکال دیا۔ اب وہ لوگون کو جل سے ٹھگتی پھرتی ہے۔ پہلے ایک رئیس ہین گوہر مرزا اُن کو بھی جُل دیا۔ آخر کو جب حال کھلا ہاتھ جوڑنے لگی۔ خاموش ہو رہے۔ اب بھی اُنکے پاس ہے۔ کچھ لوگ اختری بیگم کے بیگم صاحبہ کو سلام کرنا چاہتے ہین اگر آپ کی اجازت ہو تو بھیجدی جائین،
راجہ صاحب۔ مگر کوئی فساد نہ ہو۔
رانی صاحبہ۔ کیا مجال فقط سلام کر کے مزاج پوچھ کے چلے آئین گے۔ مگر پھر وہ یہان ٹھہرین گی نہین۔ اگر آپ کا جی چاہتا ہو کہ وہ آپ کی سرکار مین اور کچھ دن رہین تو نوکر ہوجائے۔ دل مین سمجھ لیجئے اور جو نکالنا منظور ہو تو ان لوگون کو جانے دیجئے۔
راجہ صاحب۔ اس فقرہ سے کہ گوہر مرزا کے پاس ہے بالکل [illegible] ہوگئے تھے۔ مرزائی بیگم

اور ایک مغلانی کو جانے کی اجازت دی گئی۔

شہزادی گاؤ تکیہ سے لگی، بڑی تمکنت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ مرزائی بیگم اور وہ مغلانی دونوں سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ شہزادی کا یہ حال ہوا جیسے کسی پر دفعتہً بجلی گرے، اندر کی سانس اندر اور باہر کی باہر منہ کھول کے رہ گئی۔ ان دونوں نے ایک ساتھ جھک کے فرشی سلام کیا۔

مرزائی بیگم۔ میں تسلیم عرض کرتی ہوں بیگم صاحب۔

مغلانی۔ میں بھی آداب عرض کرتی ہوں۔ قدیم نمک خواروں کو نہ بھول جائیگا۔

شہزادی کی حالت اُسوقت دیکھنے کے قابل تھی۔ بس نہ تھا کہ زمین پھٹ جائے اور یہ سما جائے یا پر لگ جائیں اور آسمان پر اُڑ جائے۔ اِن دونوں کو بےبسی کی نگاہ سے گھور کے دیکھا مگر فوراً منہ جھکا کے بغلیں جھانکنے لگی۔ ان لوگوں نے بھی زیادہ چھیڑ چھاڑ مناسب نہ سمجھی فوراً اُلٹے پاؤں چلی آئیں، اُدھر شہزادی نے سب کی نظر بچا کے اپنے گھر کا رستہ لیا۔ یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ سوار ہو کے گئی یا پیدل بھاگ گئی۔

جب یہ لوگ محل میں واپس گئے بڑی دیر تک اس کی ہنسی رہی۔ رانی صاحبہ کے سامنے اُس کی نقل کی گئی ایک عورت بیگم صاحب بن کے بیٹھی۔ ان دونوں نے اسی طرح جھک جھک کے تسلیمیں کیں عرض پورا ایکٹ کیا گیا، راجہ صاحب باہر جا چکے تھے نوکروں سے اُس کے جانے کی کیفیت دریافت کی کسی نے بیان کیا، نہیں معلوم زمین میں سما گئی یا آسمان پہ اُڑ گئی۔ یہ کچھ نہ معلوم ہوا کہ ڈولی کون لایا۔ آخر یہ قیاس کیا گیا کہ حسین علی ڈیوڑھی پر موجود تھا وہ اپنا چادرہ اُڑھا کے پیدل لے گیا، ایک ملازم جو سودا لینے گیا تھا اُس نے حسین علی کے ساتھ ایک عورت کو سڑک کے کنارے دیکھا۔ آگے چکایا جاتا تھا۔

اس کے بعد اختری بیگم مع اپنے عملہ کے گھر پر آئیں۔ یہاں خورشید مرزا صاحب سے یہ واقعات بیان ہوئے، نواب مرزا بھی موجود تھے۔ یوں ہی کورا نکل گئی، میں ہوتا سر مونڈ لیتا، ناک کاٹ لیتا۔ کچھ نہیں تو پانچ جوتے تو لگا دئے ہوتے۔ ہائے یوں ہی چھوڑ دیا۔

اسی سلسلہ میں رانی صاحبہ سے اختری بیگم سے پیام سلام کے بعد قرضہ کا معاملہ طے ہوا کئی لاکھ روپیہ علاقہ کی کفالت سے قرض دیا گیا۔ راجہ صاحب کو اختری کے دھوکے سے جو نقصان ہوا تھا، اُس سے کہیں زیادہ نفع ہو گیا۔

پھر حکیم جعفر علی کے ساتھ نادری کی شادی کا سامان ہوا۔ خود اختری ما نجھانے کے گئی بڑی دھوم سے برات آئی۔ ہزاروں کا جہیز دے کے نادری کی رخصتی ہوئی۔ نواب مرزا کے ایک بھائی سلطان مرزا نے نواب مرزا کے اشارے سے جعفری کا پیام دیا۔ جعفری راضی نہ ہوتی تھی مگر سب نے سمجھا کے اُن کی بھی شادی کر دی۔ نادری کو جتنا جہیز دیا گیا تھا اُسی کے مثل جعفری کو بھی ملا۔

جب دونوں لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کی ہو گئیں تو اختری نے طرفین پر زور ڈال کے خورشید مرزا کا نکاح ہر فری کے ساتھ کر دیا مگر اختری اپنی شادی پر کسی طرح راضی نہ ہوئی۔

ہر مذاق کی
بالکل نئی
مہادیو پرشاد تاجر کتب لکھنؤ سے منگائیے